اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخلَاقِ
بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں
(حدیث)

معاشرتی آداب واخلاق

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تالیف:
خلیق احمد مفتی

ناشر:

نام کتاب : معاشرتی آداب واخلاق

طبع : اول

تألیف : خلیق احمد مفتی

ناشر :

﴿ رابطہ ﴾

پوسٹ بکس نمبر:1625 عجمان، متحدہ عرب امارات ۔

khaleeqmufti@hotmail.com

☆☆☆

فہرستِ مضامین

عنوان :	صفحہ :

عنوان:	صفحہ:

☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز:

الحمد للّٰہ ربّ العالمین ، والصّلاۃ والسّلام علیٰ أشرف الأنبیاء والمرسلین ، نبیّنا محمّد وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین ، أمابعد :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا،اس کی جسمانی وفطری ضروریات کی تکمیل کیلئے وسائل مہیا فرمائے ،اسے خیر وشر میں فرق کرنے کی صلاحیت ٗعقل ٗ اور ضمیر کی آواز عطا فرمائی ۔اس کے علاوہ اس کی کامل رہنمائی کی غرض سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وقتاً فوقتاً انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اوران پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ۔ان انبیائے کرام علیہم السلام کے مقاصدِ بعثت میں ''مکارمِ اخلاق'' کی تعلیم اور ''رذائلِ اخلاق'' سے مکمل اجتناب کی تاکید وتلقین بھی شامل تھی ۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:﴿لَقَد مَنَّ اللّٰہُ عَلَیٰ المُؤمِنِینَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِھِمْ یَتْلُوا عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتَابَ وَ الحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِینٍ﴾ (۱) ترجمہ:(بیشک اللہ نے مؤمنین پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا ٗ جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اورانہیں پاک کرتا ہے اورانہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

اس آیت میں: وَیُزَکِّیْھِمْ سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے فرائض منصبی

(۱) آل عمران[۱۶۴]

نیز آپؐ کے مقاصدِ بعثت میں ''تزکیۂ نفوس'' بھی شامل ہے، یعنی آپ ﷺ کو اللہ کے حکم سے انسانی معاشرے کو کفر وشرک' معصیت وضلالت' نیز تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف فرمادینے کی غرض سے مبعوث فرمایا گیا، جیسا کہ خود آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: (اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ) (۱) ترجمہ: (بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کیلئے عقائد ونظریات کی درستی وسلامتی' اور پھر اللہ عزوجل کی عبادت واطاعت کی مکمل پابندی کے علاوہ' مزید یہ کہ افکار وخیالات اور اخلاق وکردار کی بلندی وشائستگی بھی ضروری ولازمی ہے، کیونکہ انسان محض گوشت پوست کے اس ظاہری وجود کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل چیز تو اس کی انسانیت' شرافت' نجابت اور اخلاق وکردار ہے۔

آج کے اس دور میں زندگی کے ہر شعبہ میں تیز رفتاری' خصوصاً اتصالات ومواصلات کی برق رفتار ترقی نے اگرچہ یقیناً انسانیت کی خدمت کے معاملے میں مثبت کردار ادا کیا ہے، لیکن اس تلخ حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ معاشرے پر اس کے منفی نتائج وثمرات کی چھاپ بھی بہت گہری ہے، اور اس کے برے اثرات نہایت سرعت کے ساتھ ذہنوں میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انتہائی نازک' قابلِ تشویش اور حساس ترین پہلو یہ ہے کہ اس منفی صورتِ حال کی بدولت معاشرے میں تیزی کے ساتھ ''اخلاقی اقدار'' کے معیار تبدیل ہونے لگے ہیں، خیر وشر کے پیمانے بدل رہے ہیں......!

تیزی سے بدلتے ہوئے ان رجحانات' کروٹ بدلتے ہوئے ان حالات' اور چہار سو مختلف

(۱) مجمع الزوائد (بحوالہ: بزار، باب فی حسن خلقہٖ وحیائہٖ وحسن معاشرتہٖ) ج:۹، ص:۱۵۔

تہذیبوں اور ثقافتوں کی یلغار کے اس پرآشوب دور میں امتِ مسلمہ کو عموماً اور نوجوان نسل کو خصوصاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر فرمودہ اخلاقی اقدار اور اس سلسلہ میں دینِ اسلام کی تابندہ ودرخشاں تعلیمات سے منسلک ووابستہ رکھنے کی حسرت وتمنا دل میں لئے ہوئے ''معاشرتی آداب واخلاق'' کے نام سے یہ معمولی سی تحریر اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں اللہ کا نام لے کر پیش کر رہا ہوں اور ربِ کائنات کے حضور دست بدعاء ہوں کہ وہ میری اس حقیر سی کوشش کو اپنے خاص لطف وکرم سے شرفِ قبولیت سے نوازے، اور اسے میرے لئے، نیز میرے والدین، اہل وعیال، ذوی الأرحام، اساتذہ کرام، اور ہر اس شخص کیلئے ذخیرۂ آخرت بنادے جس نے کسی بھی شکل میں اس کی طباعت واشاعت میں تعاون کیا ہو۔

وآخردعوانا أن الحمدللّه ربّ العالمين ۔

وصلّىٰ اللّه تعالىٰ علىٰ خيرخلقه محمّد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ۔

خلیق احمد مفتی

۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۵/ جنوری ۲۰۰۷ء بروز پیر۔

پوسٹ بکس نمبر: 1625 عجمان، متحدہ عرب امارات ۔

khaleeqmufti@hotmail.com

face book: Khaleeq Ahmed Mufti

اور
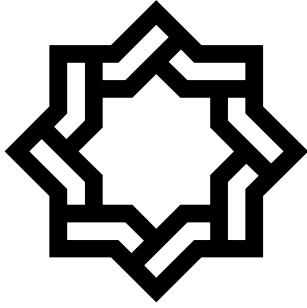
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

انسان کیلئے معاشرے کی ضرورت واحتیاج

انسان ''اُنس'' سے مأخوذ ہے، جس کا لفظی معنیٰ ہے ''مانوس'' ہونا، لہٰذا لفظ: ''انسان'' کے معنیٰ ہوئے: ''مانوس ہونے والا''۔(۱)

''انسان'' کی وجہِ تسمیہ یہی ہے کہ وہ پیدائشی وفطری طور پر ہی ''مدنی الطبع'' اور مانوس ہونے والا ہے۔یعنی وہ ہمیشہ انسانی آبادی کے درمیان' نیز دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے، انسانی آبادی سے دور کسی ویران وبیابان اور الگ تھلگ مقام پر تنہا زندگی گذارنا اس کیلئے ممکن نہیں، اسے تنہائی سے وحشت محسوس ہوتی ہے، اس کیلئے تنہائی یقیناً بہت بڑا اور ناقابلِ برداشت عذاب ہے، تنہائی کا شکار انسان بسا اوقات ایسے جسمانی ونفسیاتی واخلاقی امراض میں مبتلا ہوجاتا ہے جو اس کی صحت وسلامتی کیلئے مہلک وتباہ کن اور زہرِ قاتل ثابت ہوتے ہیں، اسی لئے جیلوں اور قیدخانوں میں ''قیدِ تنہائی'' کو انتہائی تکلیف دہ اور شدید ترین قید تصور کیا جاتا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان مدنی الطبع ہے، انسانی آبادی سے دور رہنا اس کیلئے ممکن نہیں، تو اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اپنی اسی فطری وطبعی جبلت اور اسی مزاج کی وجہ سے بہت سے انسان جب باہم مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے اس عمل کے نتیجے میں ''انسانی معاشرہ'' وجود میں آتا ہے۔

خالقِ کائنات نے اس انسانی معاشرے کے ارتقاء اور اس کی بقاء ودوام کی غرض سے ایسا

(۱) ''اَنَس''، اور ''انیس'' کے بھی یہی معنیٰ ہیں، یعنی ''مانوس'' ہونے والا۔

قدرتی نظام وضع فرمادیا ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں دوسرے کی ضرورت واحتیاج ہے، گویا ہر انسان کی سلامتی وبقاء کا انحصار کسی نہ کسی درجہ میں دوسرے انسانوں کی سلامتی وبقاء پر ہے، اوران سب ہی کے مفادات ومصالح باہم پیوستہ ہیں، خواہ ان میں آپس میں والدین اوراولاد کا رشتہ ہو، وہ میاں بیوی ہوں، قرابت دار ہوں، پڑوسی ہوں، خادم ومخدوم یا حاکم ومحکوم ہوں، یا خریدار اور دکاندار کے باہمی معاملات ہوں......! قدرت کا وضع کردہ ''بقائے باہمی'' کا یہ اصول ہمیشہ اور ہر جگہ کارفرما نظر آئے گا۔

''بقائے باہمی'' کے اسی اصول کا لازمی ومنطقی نتیجہ یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں ہر فرد کے ذمے کچھ ''فرائض وواجبات'' ہیں، نیز اسی طرح اس کے کچھ ''حقوق'' ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں یہ بنیادی اصول ہمیشہ ہر انسان کے پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ پہلے مکمل خلوص' محنت' لگن اور امانت ودیانت کے ساتھ ''فرائض وواجبات'' کی ادائیگی کا اہتمام والتزام ہو، اس کے بعد ''حقوق'' کی وصولی کی خواہش وامید رکھی جائے، پہلے خوب دل لگا کر محنت وکوشش کی جائے اور اپنا فرض ادا کیا جائے، اس کے بعد معاوضے کی وصولی کی امید رکھی جائے (۱) معاشرے کا ہر فرد جب اس بنیادی اصول پر مکمل ثابت قدمی کے ساتھ کاربند رہے گا تب ہی معاشرے میں امن وامان اور سکون واطمینان کی فضاء قائم ہوسکے گی، اور معاشرہ بخیر وعافیت ترقی وخوبی اور خوشحالی وسلامتی کی شاہراہ پر گامزن رہ سکے گا۔

لیکن اگر اس کے برعکس واجبات کی ادائیگی کی تو کوئی فکر نہو' اپنی ذمے داریوں سے جی چرایا جائے یا دامن چھڑانے کی کوشش کی جائے......مگر حقوق کی وصولی کے معاملہ میں بڑی

(۱) جیسا کہ محاورہ مشہور ہے: First deserve then desire.

پھرتی ومستعدی، بےچینی وبےصبری، ہمت وکوشش اور خوب جوش وخروش اور ذوق وشوق کامظاہرہ کیا جائے......! تو یقیناً ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جائے گا، ترقی وکامیابی اور خوشحالی کی بجائے معاشرہ زوال وانحطاط کا شکار ہو جائے گا، اور یوں بالآخر رفتہ رفتہ انسانی معاشرے کی عمارت زمین بوس ہو کر رہے گی۔

اسلام

اور

اسلامی معاشرے کےامتیازی اوصاف

(۱) آفاقی نظام:

انسان'' فطری''طور پرمدنی الطبع ہے،اوراسلام بھی ''دینِ فطرت'' ہے۔لہٰذاانسانی معاشرت اوراس بارے میں حقوق وفرائض یامعاشرتی آداب واخلاق کاجب بھی تذکرہ ہوگا تویقیناًاسلام کی''معاشرتی تعلیمات''کوہی ہمیشہ بنیادی حیثیت واہمیت حاصل رہے گی،کیونکہ اسلامی تعلیمات تو آسمانی وآفاقی ہیں،جن کی اساس کسی انسان کے افکار وخیالات یااس کے وضع کردہ اصول ونظریات پرنہیں، بلکہ یہ تعلیمات انسان کےرب اور اس کےخالق ومالک کی طرف سے نازل فرمودہ ہیں، جوانسان کےنفع ونقصان کوخودانسان سےبھی بڑھ کرجانتاہے،کیونکہ وہ خالق ہےاورانسان اس کی مخلوق ہے، خالق کاعلم کامل' جبکہ مخلوق کاعلم ناقص ہے۔

قرآن کریم میں ارشادہے:﴿وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَأَنۡتُم لَاتَعۡلَمُوۡنَ﴾ (۱)ترجمہ:(اللہ سب کچھ جانتاہےاورتم کچھ بھی نہیں جانتے)

مزیدیہ کہ جس اللہ نے اپنی قدرت ومشیت سے انسان کو پیداکیاہے،یقیناًانسان کیلئے مصالح ومفاسداوراس کےنفع ونقصان کے بارے میں بھی اسے مکمل اورقطعی ویقینی علم ہے،کیونکہ اس بات کاتوتصوربھی محال ہے کہ خالق کواپنی ہی مخلوق کےنفع ونقصان کے بارے میں علم وآگاہی نہو،اورپھراللہ توعلیم وخبیراورسمیع وبصیرہے،اوروہ توانسان کیلئے اس کی شہ رگ سےبھی زیادہ قریب ہے......!

(۱)النور[۱۹]

اسی حقیقت کی طرف اس ارشادِ ربانی میں اشارہ ہے:﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (۱) ترجمہ:(کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ جبکہ وہ تو باریک بین اور باخبر بھی ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَقَد خَلَقْنَا الِانسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفسُهٗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِن حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (۲) ترجمہ:(ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے، اوراس کے دل میں جوخیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں، اورہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)

لہٰذا عقلِ سلیم اس حقیقت کوقبول کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اسلام کی معاشرتی تعلیمات ہی انسانی معاشرے کی صلاح وفلاح کی ضامن، نیز اس کی ترقی وخوبی کیلئے مشعلِ راہ اوراس کی سلامتی، اس کی بقاء اوراس کے دوام کیلئے مضبوط ومستحکم بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ یہ آسمانی وآفاقی، بلکہ ''ربانی'' تعلیمات ہیں کہ جن کی بنیاد عقیدہ وایمان پر ہے۔

(۲) مساوات: (یعنی: لسانی، نسلی، وطبقاتی تقسیم سے پاک معاشرہ):

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِن نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْراً وَّنِسَاءً﴾ (۳) ترجمہ:(اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے، جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی جان سے، اوراسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اوران دونوں سے پھیلا دیا بہت سے مردوں اورعورتوں کو)

اس آیت میں تمام انسانوں کوان کے پروردگار اوران کے خالق ومالک کی طرف سے

(۱) الملک[۱۴] (۲) ق[۱۶] (۳) النساء[۱]

''خوفِ خدا'' کو اپنا شیوہ وشعار بنانے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی انہیں یہ تاکید وتلقین کی گئی ہے کہ وہ اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان سب کو ایک ہی ماں باپ' یعنی آدم وحوا سے پیدا کیا ہے، لہٰذا انسانیت کے لحاظ سے تمام انسان برابر ہیں، رنگ ونسل' حسب ونسب' مال ودولت' جاہ وحشمت' حسن وجمال' زبان وبیان' قوم وقبیلہ' برادری اور ذات' نیز علاقے یا صوبے کی بنیاد پر انسانوں میں باہم امتیاز اور تفریق وتقسیم کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ أَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾ (۱)

ترجمہ: (یقیناً یہ تمہاری امت [صرف] ایک ہی امت ہے، اور میں ہی تمہارا رب ہوں، سو میری ہی عبادت کرو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَيسَ مِنَّا مَن دَعَا اِلَىٰ عَصَبِيَّةٍ ، لَيسَ مِنَّا مَن قَاتَلَ عَلَىٰ عَصَبِيَّةٍ ، لَيسَ مِنَّا مَن مَاتَ عَلَىٰ عَصَبِيَّةٍ) (۲)

ترجمہ: (وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بناء پر جھگڑا کیا [یا جنگ لڑی]، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بناء پر جان دی) (۳)

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (النّاسُ بَنُو آدَم ، و آدَمُ مِن تُرَابٍ) (۴)

ترجمہ: (تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں)

(۱) الانبیاء [۹۲] (۲) ابوداؤد [۵۱۲۱]

(۳) یعنی عصبیت کی بناء پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ ''عصبیت'' سے مراد قومی ولسانی تعصب' نیز رنگ ونسل کی بنیاد پر روا رکھی جانے والی ہر تمیز اور تفریق وتقسیم ہے۔

(۴) ترمذی [۳۹۵۶] ابوداؤد [۵۱۱۶] باب التفاخر بالأحساب۔

حجۃ الوداع کے موقع آپ ﷺ نے جو یادگار خطبہ دیا' جو کہ قیامت تک تمام انسانیت کیلئے منشور اور دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے' اس خطبہ میں آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

(یَـا أَیُّھَـا الـنّـاس ! اِنَّ رَبَّکُم وَاحِدٌ ، وَاِنَّ أَبَاکُم وَاحِدٌ ، أَلَا لَافَضْلَ لِعَرِبِیٍّ عَـلَـیٰ عَـجَـمِـیٍّ وَلَا لِـعَجَمِیٍّ عَلَیٰ عَرَبِیٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَیٰ أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَیٰ أَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوَیٰ، اِنَّ أَکْرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ أَتقَاکُم) (۱)

ترجمہ: (اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ [آدم علیہ السلام] ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر' کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، ہاں مگر ''تقویٰ'' کے ذریعے، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے)

اسی طرح فتحِ مکہ کے یادگار موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (الـنَّـاسُ رَجُلَان : بَـرٌّ تَقِیٌّ کَرِیمٌ عَلَیٰ اللّٰہِ ، وَفَاجِرٌ شَقِیٌّ ھَیِّنٌ عَلَیٰ اللّٰہِ) (۲)

ترجمہ: (تمام انسانوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں، ایک: نیک اور متقی، جو اللہ کے نزدیک باعزت اور محترم ہے۔ دوسرا: فاجر و بدبخت، جو اللہ کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے)

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حضرات مہاجرین وانصار نیز اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بلال حبشی رضی اللہ عنہ' صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تھے، ان میں باہم کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔

☆......خلیفۂ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فتحِ بیت المقدس

(۱) بیہقی۔ ملاحظہ ہو: الترغیب والترہیب [۴۴۹۴]

(۲) ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن کثیر میں اِنَّ أَکْـرَمَـکُـم عِـنـدَ الـلّٰـہِ أَتقَـاکُم [سورۃ الحجرات، آیت:۱۳] کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

کے موقع پرمدینہ منورہ سے بیت المقدس کی طرف روانگی کے وقت اپنے غلام کومخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''دیکھو! اس ایک اونٹ پرہم دونوں باری باری سوارہوں گے......''!!

کس قدرعجیب وغریب بات ہے کہ امیرالمؤمنین اورخلیفۃ المسلمین اپنے غلام سے یہ فرمارہے ہیں ......! اورپھریہ کہ خلیفہ بھی کوئی معمولی نہیں ، بلکہ ایسےعظیم الشان خلیفہ کہ جنہوں نے اپنے صرف دس سالہ دورِحکومت میں جوعلاقے فتح کئے ان کارقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل ہے۔اس کے باوجوداپنے غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کایہ عالم ہے کہ کبھی خلیفہ اونٹ پرسوار ہیں اورغلام پیدل چل رہاہے،اورکبھی غلام اونٹ پرسوار ہے اورخلیفہ پیدل سفرکررہے ہیں......!!انسانی مساوات کے سلسلے میں یقیناً دنیاایسی کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی۔

☆......فتحِ مصر کے موقع پراسلامی لشکر کے قائدحضرت عمروبن العاص رضی اللہ عنہ نے مقوقس شاہِ مصرسے مذاکرات کی غرض سے ایک وفدارسال کیا،اس وفدکاسربراہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کومقررفرمایا۔جب یہ وفدمقوقس کے دربارمیں پہنچاتووہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کودیکھ کرچلانے لگا:''نَحُّوا عَنِّي هٰذا العَبْدَ الأَسْوَد ''یعنی:''اس سیاہ غلام کومیری نظروں سے دورہٹاؤ''۔جس پروفدکے باقی ارکان نے مقوقس کے اس حکم کی تعمیل سے انکارکردیااوراس بات پراصرارکیاکہ چونکہ عبادہؓ ہمارے اس وفدکے سربراہ ہیں لہٰذایہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گےاوریہی آپ سے مذاکرات بھی کریں گے۔اس پرمقوقس نے وفدکےارکان سےمخاطب ہوکرکہاکہ:''تم سب توسفیدفام ہو،پھرتم نےاس کالےآدمی کواپناسربراہ کیوں بنارکھاہے......؟اس پران سب نےمقوقس

کو یہ جواب دیا کہ: ''ہم مسلمان ہیں، ہمارے مذہب میں چہروں کی سیاہی اورسفیدی کی کوئی حیثیت نہیں، ہمارے مذہب میں اصل چیز عمل کی سیاہی اورسفیدی ہے''۔

☆ ......خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِحکومت کا واقعہ ہے کہ حج کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں حجاجِ کرام بڑی تعداد میں جمع ہوجاتے تھے تو انہیں مناسکِ حج سے متعلق مختلف مسائل دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، چنانچہ وہ مکہ مکرمہ میں موجود علمائے دین سے رجوع کیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے حجاج کرام کے قافلوں میں بھی علمائے دین کی بڑی تعداد موجود ہوا کرتی تھی،لوگ ان کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے،جس کی وجہ سے بعض اوقات کسی ایک مسئلے میں ان علمائے کرام میں اختلافِ رائے پایا جاتا تھا۔اس پرخلیفہ نے یہ اعلانِ عام کروادیا کہ ''حج کے موقع پر پورے مکہ میں تمام علماء میں سے صرف عطاء بن ابی رباح فتویٰ جاری کریں گے،ان کے سوا کسی کو اس کی اجازت نہیں ہوگی،لہٰذا تمام حجاج صرف عطاء بن ابی رباح سے ہی اپنے مسائل دریافت کریں''۔حالانکہ یہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ انتہائی جلیل القدر عالم' محدث' فقیہ' اور بلند پایہ متقی تو یقیناً تھے،مگران کی ظاہری صورتِ حال یہ تھی کہ: ''رنگت انتہائی سیاہ تھی،شکل وصورت بالکل ہی معمولی تھی،ایک آنکھ سے معذور تھے،ایک بازو مفلوج تھا،ایک ٹانگ سے لنگڑاتے تھے،اورجب اپنے ہزاروں شاگردوں کے درمیان بیٹھے ہوئے درسِ حدیث میں مشغول ہوتے تو اپنی شدید سیاہ رنگت کی وجہ سے دور سے دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے سفید کپاس کے کھیت میں کوئی کالا کوا بیٹھا ہو......(۱)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کو اس قدر معمولی شکل وصورت اوران

(۱)مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:''من روائع حضارتنا فی التاریخ'' از: مصطفیٰ السباعی۔

تمامتر ظاہری وجسمانی عیوب ونقائص کے باوجود ''افتاء'' جیسی اہم ترین ذمہ داری' بلکہ اس عظیم ترین منصب اوراعلیٰ ترین شرف واعزاز کیلئے منتخب کیا گیااور خلیفۂ وقت کے حکم پر یہ منادی کی گئی کہ موسمِ حج کے دوران پورے شہر مکہ میں ''افتاء'' کی اجازت صرف عطاء بن ابی رباح کو ہوگی......! یقیناً یہ اسلام کی تعلیمِ مساوات ہی کا کرشمہ ہے۔

☆...... تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ناموراورعظیم الشان بادشاہ ایسے گذرے ہیں کہ جودراصل غلام تھے' یاغلاموں کے خاندان سے تھے۔لیکن اس کے باوجود اسلام کی تعلیمِ مساوات کی بدولت وہ تختِ شاہی پرجلوہ افروز ہوئے۔مثلاً مصر میں ''ممالیکِ مصر'' تاریخ میں مشہور ہیں،اسی طرح برِصغیر پاک وہند میں ''خاندانِ غلاماں'' کی بڑی شہرت ہے،تختِ دہلی پرجلوہ افروز ہونے والے متعدد نامور بادشاہوں کاتعلق اسی خاندانِ غلاماں سے تھا،خصوصاًان میں سے قطب الدین ایبک'شمس الدین التمش' ناصرالدین محمود' اورغیاث الدین بلبن وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

نیز اسلام کی اسی بے مثال تعلیمِ مساوات ہی کا کرشمہ ہے کہ امیر وغریب' بادشاہ وفقیر' مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے اورمختلف زبانیں بولنے والے افرادمسجد میں ایک ہی کعبے کی طرف رُخ کئے ہوئے' ایک ہی امام کی اقتداء میں' اپنے ایک ہی رب کے سامنے سرجھکائے ہوئے ایک ہی صف میں نماز ادا کرتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمودوایاز نہ کوئی بندہ رہا،اورنہ کوئی بندہ نواز

نیز حجِ بیت اللہ کے موقع پرمشرق ومغرب سے آنے والے' مختلف زبانیں بولنے والے لاکھوں فرزندانِ توحیدایک ہی جیسے لباس میں ملبوس ہوکرایک ہی کعبے کے گردطواف میں مشغول ہوتے ہیں...... ان سب کی زبانوں پرایک ہی کلمات ہوتے ہیں (لَبّیکَ اللّٰھُمَّ

لَبّيك......) یہاں تک کہ ان سب کی غرض وغایت' ان کی نیت وخواہش اوران کا مطلوب ومقصودبھی صرف ایک ہی ہوا کرتا ہے،یعنی گناہوں سے مغفرت ومعافی اوراپنے خالق ومالک کی رضامندی وخوشنودی کا حصول......! ان کے حلیہ ولباس میں بھی یگانگت ومساوات' اعمال میں بھی یگانگت ومساوات' زبان پرجاری کلمات میں بھی یگانگت ومساوات، حتیٰ کہ نیتوں اورنصب العین میں بھی یگانگت ومساوات......!!

اس سے بڑھ کر''مساوات'' کی کوئی مثال پیش کرنے سے یہ دنیا یقیناً عاجز وقاصر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ''اسلامی مساوات''ایک ایسی انمول اور بے مثال نعمت ہے کہ جس کیلئے دوسرے مذاہب کے پیروکار ترستے ہیں اور مسلمانوں پر رشک کرتے ہیں۔

چنانچہ مشہور فرانسیسی فلسفی''رینان'' کا قول ہے کہ:''مجھے جب بھی مسلمانوں کی کسی مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا تو اُس موقع پر ہمیشہ ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی اور میں نے اپنے دل میں یہ حسرت محسوس کی کہ کاش میں بھی مسلمان ہوتا''۔

اسی طرح مشہور ومعروف فلسفی پروفیسر آرنلڈ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:''میں وہ منظر کبھی فراموش نہیں کرسکتا جب میں نے ہندوستان میں دہلی کی جامع مسجد میں ہزاروں مسلمانوں کو ماہِ رمضان کے آخری جمعہ (جمعة الوداع) کے موقع پر انتہائی خشوع وخضوع کی کیفیت میں نمازِ جمعہ ادا کرتے دیکھا،نماز کے دوران ان کی ایک ایک حرکت سے اللہ کے سامنے انتہائی عجز وانکسار کا اظہار ہورہا تھا،اور یہ منظر ہر دیکھنے والے کے شعور ووجدان میں پیوست ہوتا چلا جارہا تھا......!'' (۱)

---

(۱)مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:العبادة فی الاسلام۔از:یوسف القرضاوی۔
نیز:الاسلام؛ أثرہ فی الحضارة وفضلہ علیٰ الانسانیة۔از:ابوالحسن علی الندوی۔

(۳)فضیلت کا معیار: ''تقویٰ'':

ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُم اِنَّ اللَّهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾(۱) ترجمہ: (اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہیں بنا دیا ہے قومیں اور قبیلے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کو مساوات کی تعلیم دیتے ہوئے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم سب انسانوں کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت یعنی آدم وحوا علیہما السلام سے پیدا فرمایا ہے تو پھر اپنے حسب ونسب پر فخر وغرور کرنا اور دوسروں کو حقیر وکمتر سمجھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ یعنی جب تمام انسانوں کی اصل ایک ہی ہے اور وہ سب ایک ہی ماں باپ کی نسل ہیں تو پھر ان میں کسی تفریق اور اونچ نیچ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور یہ جو اللہ نے انسانوں کو مختلف قبیلوں' قوموں اور خاندانوں میں تقسیم فرمایا ہے، یہ تو محض اس لئے ہے کہ تمہیں باہم ایک دوسرے کو پہچاننے میں سہولت رہے، یعنی یہ تقسیم ہرگز ہرگز تفاخر کیلئے نہیں' بلکہ یہ تو محض تعارف کی غرض سے ہے۔

اور جہاں تک عزت اور فرقِ مراتب کا تعلق ہے تو اس کیلئے پیمانہ اور معیار صرف اور صرف ''تقویٰ'' ہے۔

(۱) الحجرات[۱۳]

یعنی اسلام میں شرافت وعظمت اورعزت کا تاج اسی کوعطاء کیا گیاہے جس کے دل میں خوفِ خداہو، چنانچہ جوشخص جس قدر متقی ہوگا اور جس قدر بہتر اخلاق اور عمل وکردار کا مالک ہوگا اللہ کے نزدیک وہ اسی قدر باعزت ہوگا، خواہ وہ کوئی امیر ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا فقیر' آقا ہو یا غلام' کالا ہو یا گورا' اور خواہ اس کا تعلق کسی بھی قوم' کسی بھی ذات اور کسی بھی ملک یا علاقے سے ہو......!

قیامت کے روز کسی انسان سے اس کی قوم' برادری' زبان' حسب نسب' اور رنگ ونسل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا، وہاں کی دائمی اور حقیقی کامیابی' عزت' اور راحت کا تمامتر انحصار اور دارومدار صرف اور صرف تقویٰ وعملِ صالح پر ہے، باقی کسی چیز کی قطعاً کوئی حیثیت واہمیت نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَه نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ (۱) ترجمہ (تو جس کا [نیکیوں کا] پلہ بھاری ہوگا وہ دل پسند زندگی میں ہوگا، اور جس کا [نیکیوں کا] پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ اور تم کیا جانو وہ [ہاویہ] کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ ہے)

لہٰذا اسلام میں فرقِ مراتب اور عزت وذلت کیلئے معیار صرف تقویٰ وعملِ صالح ہے، مال دولت' رنگ ونسل یا حسب نسب کا اس چیز سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) اُخوت واتحاد:

ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (۲) ترجمہ: (بے شک تمام مؤمن آپس

(۱) القارعۃ [۶-۱۱] (۲) الحجرات [۱۰]

میں بھائی بھائی ہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (۱)

ترجمہ: (ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں)

یعنی تمام اہلِ ایمان خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں' ان کی شان اور ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ' مددگار' مخلص اور سچے ہمدرد ہیں۔

نیز ارشاد ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۲) ترجمہ: (محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] تو اللہ کے رسول ہیں، اور وہ جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلے میں سخت' جبکہ آپس میں مہربان ہیں)

اس آیت میں اگرچہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف وفضائل کا بیان ہے، مگر اس سے امت کے تمام افراد کو ان صحابۂ کرام کے اتباع اور ان کے اوصاف اور عادات وخصائل کو اپنانے کی ترغیب بھی مقصود ہے۔ لہٰذا حضرات صحابۂ کرام کی طرح تمام اہلِ ایمان کی یہی کیفیت ہونی چاہئے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں ایک دوسرے کیلئے نرم' مہربان' ہمدرد اور غمخوار ہوں۔

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَّلَا تَفَرَّقُوا﴾ (۳)

ترجمہ: (اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو)

اس آیت میں اللہ کی رسی سے مراد دینِ اسلام ہے اور تمام مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو فراموش کر کے پوری طرح اسلام کی مقدس تعلیمات پر کاربند اور عمل پیرا ہو جائیں، ان سب کا یہی نصب العین' یہی مقصدِ حیات' اور یہی دستورِ

(۱) توبہ [۷۱] (۲) فتح [۲۹] (۳) آل عمران [۱۰۳]

زندگی ہو۔اور جب تمام مسلمانوں کا نصب العین اور مقصدِ حیات ایک ہوگا تو ان میں باہمی افتراق وانتشار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور اس طرح مسلمان ایک مضبوط اور باوقار ملت بن سکیں گے۔

نیز ارشاد ہے:﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَ لَاتَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُم وَاصبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو[اگر جھگڑا کروگے تو]تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا۔اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اس آیت میں اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کرکے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا شیوہ وشعار بنائیں، ورنہ بصورتِ دیگر وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں گے، ناکامی وبربادی ان کا مقدر بنے گی، نیز دشمنوں کے دل سے ان کا رعب اور خوف جاتا رہے گا، کیونکہ دنیا وآخرت میں صلاح وفلاح، عزت وشوکت، کامیابی وکامرانی اور ترقی کا راز باہمی اُخوت ومحبت اور اتفاق واتحاد میں ہی پوشیدہ ہے، جبکہ اس کے برعکس باہمی اختلاف اور افتراق وانتشار میں ناکامی وبربادی اور ذلت ورسوائی کا سامان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَثَلُ المُؤمِنِينَ فِي تَوَادِّهِم وَتَرَاحُمِهِم وَتَعَاطُفِهِم مَثَلُ الجَسَدِ الوَاحِدِ اِذَا اشتَكىٰ مِنهُ عُضوٌ تَدَاعَىٰ لَهُ سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّهرِ وَالحُمَّىٰ) (۲) ترجمہ:(باہمی محبت ومہربانی اور ہمدردی کے لحاظ سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی مانند ہے کہ جب اس[ایک جسم]کے کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کی

(۱)انفال[۴۶] (۲)بخاری[۶۰۱۱]کتاب الأدب۔مسلم[۲۵۸۶]البر والصلۃ۔

وجہ سے تمام جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے)

یعنی مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر مسلمان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں اور حتیٰ الامکان اس کے ساتھ تعاون کریں، خواہ بظاہر اس کے ساتھ ہمارا کوئی رشتہ ہو یا نہو۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَاناً) (۱) ترجمہ: (اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ)

نیز ارشاد ہے: (الْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضاً) (۲)
ترجمہ: (ہر مؤمن دوسرے مؤمن کیلئے ایک عمارت کی مانند ہے کہ اُس [عمارت] کا ہر حصہ دوسرے حصے کیلئے سہارا ہوتا ہے)

نیز ارشاد ہے: (الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ، لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ) (۳)
ترجمہ: (ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ کبھی اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی مشکل وقت میں اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے)

نیز ارشاد ہے: (لَا يُؤمِنُ أَحَدُكُم حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّهٗ لِنَفسِهٖ) (۴)
ترجمہ: (تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ اپنے [مؤمن] بھائی کیلئے بھی اسی چیز کو پسند کرنے لگے جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے)

مذکورہ آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح وثابت ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام

(۱) بخاری [۵۷۱۷] کتاب الأدب۔ باب ما یُنہیٰ عن التحاسد والتدابر۔ نیز مسلم [۲۵۵۹] البر والصلۃ۔
(۲) بخاری [۲۳۱۴] کتاب المظالم] نیز مسلم [۲۵۸۵]
(۳) بخاری [۲۳۱۰] کتاب المظالم۔ نیز مسلم [۲۵۸۰]
(۴) بخاری [۱۳] کتاب الایمان۔ مسلم [۴۵]

میں اُخوت واتحاد کی بہت بڑی اہمیت ہے اوراس جذبۂ اُخوت واتحاد کو برقرار اور قائم دائم رکھنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

خصوصاً جبکہ آج کے اس مہذب دور میں دنیا کی تمام اقوام وملل پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ ہر قسم کی ترقی وبہتری اور خوشحالی وآسودگی کیلئے امن وامان، استقرار واستحکام اور اتفاق واتحاد انتہائی ناگزیر ہے، اسی لئے آج کے اس جدید دور میں فاصلوں کو سمیٹنے اور قربتیں بڑھانے کی بتکلف ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے، بلکہ اس سلسلے میں مختلف اقوامِ عالم کے درمیان مسابقت زوروں پر ہے۔

لہٰذا بحیثیت مسلمان ہمیں تو اس اتفاق واتحاد کو قائم ودائم رکھنے کی اور زیادہ فکر اور کوشش وجستجو کرنی چاہئے، کیونکہ یہ چیز تو ہمارے دین کا حصہ اور ہمارے مذہب کا تقاضا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جب متحد تھے اُس وقت وہ دنیا کی سب سے زیادہ باعزت اور کامیاب قوم تھے، وہ ناقابلِ تسخیر قلعے کی مانند تھے، محدود وسائل کے باوجود انہوں نے مشرق ومغرب میں اللہ کا نام بلند کیا، حق کا بول بالا کیا، فتح ونصرت کے جھنڈے لہرائے، ان کے گھوڑے کبھی دجلہ وفرات، کبھی جیحون اور سیحون اور کبھی گنگا اور جمنا کا پانی پیتے رہے، ہمیشہ ہر میدان میں کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔

لیکن اس کے بعد جب ان میں رفتہ رفتہ اتفاق واتحاد اور اخلاص وایثار کی بجائے افتراق وانتشار اور خود غرضی ومصلحت پرستی جیسی مذموم خصلتیں پیدا ہونے لگیں تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی تمامتر عزت وعظمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ کاش آج ہم نوشتۂ دیوار پڑھ سکیں اور اس بات کو سمجھ سکیں کہ آج ہم مسلمان ذلت ورسوائی کے جس عذاب میں مبتلا ہیں اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے باہمی اتحاد واتفاق ہمارے لئے ناگزیر ہے، یہی وقت کی پکار ہے، یہی

حالات کا تقاضا ہے، بلکہ یہی ہمارے دین کی تعلیم ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے' تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

(۴)اسلامی اُخوت کی بنیاد:''لا الٰہ الا اللہ''

ارشادِ ربانی ہے:﴿اِنَّمَا المُؤمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (۱) ترجمہ:(بےشک تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں)

دینِ اسلام میں لسانی، نسلی، علاقائی، یا طبقاتی تقسیم یا اونچ نیچ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اسلام میں لسانی، علاقائی، یا رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی گروہ بندی یا کوئی رشتہ استوار کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے مطابق حقیقی رشتہ صرف اور صرف ایمان کا رشتہ ہے، دنیا کے تمام مسلمان اسی بے مثال اور لازوال رشتے میں منسلک ہیں، رنگ ونسل کے ظاہری فرق کے باوجود وہ سب آپس میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار ہیں، ان کے اس ایمانی رشتے کی راہ میں جغرافیائی رکاوٹیں اور مشرق ومغرب کے فاصلے حائل نہیں ہوسکتے، ان ظاہری رکاوٹوں، دوریوں، اور فاصلوں کے باوجود ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں، ان کا رب ایک ہے، رسول ؐ ایک ہے، قرآن ایک ہے، کعبہ ایک ہے، مقصدِ حیات ایک ہے، عقیدہ وایمان ایک ہے، اسی لئے اس ایمانی رشتے کے سوا دنیا کے باقی تمام رشتے بےکار و بےمعنیٰ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلس میں جہاں حضرت ابوبکر وعمر، نیز دیگر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما ہوتے تھے، وہاں ان کے درمیان بلال حبشی رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تھے، رنگ ونسل اور زبان

(۱)الحجرات[۱۰]

کے اس ظاہری فرق کے باوجود ان میں باہم کوئی تفریق یا اونچ نیچ نہیں تھی، وہ سب آپس میں شیر وشکر اور بھائی بھائی تھے، دل وجان سے ایک دوسرے کی عزت وتعظیم کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں وہ سب برابر تھے، ہم مرتبہ اور قابلِ احترام تھے، یہاں تک کہ خالقِ کائنات کی طرف سے ان سب کو یکساں طور پر آیتِ قرآنی: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عنهُم وَرَضُوا عَنهُ﴾ (۱) کے ذریعے دائمی خوشنودی ورضامندی کی خوشخبری سنائی گئی۔

جبکہ اس کے برعکس ابولہب عربی، قرشی، ہاشمی ہونے کے باوجود، اعلیٰ حسب ونسب اور خاندانی جاہ وحشمت کے باوجود، مال ودولت کی بہتات اور انتہائی حسن وجمال کے باوجود، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کے باوجود...... وہ جہنمی قرار پایا، قیامت تک اہلِ ایمان قرآن کریم میں موجود یہ آیت پڑھتے رہیں گے: ﴿تَبَّت يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّ تَبَّ مَا أَغنىٰ عَنهُ مَالُهُ وَ مَا كَسَبَ......﴾ (۲) یعنی: ''ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی ہلاک ہوجائے، نہ تو اس کا مال اس کے کسی کام آیا اور نہ ہی اس کی کمائی......''۔

اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا دولتِ ایمانی سے محرومی کے سبب طوفان میں غرق ہوجانے والوں میں شامل تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں اس بارے میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ (۳)

غرضیکہ اللہ اور رسول ﷺ کی نظر میں اصل رشتہ صرف ایمان کا رشتہ ہے، جس کی بنیاد کلمہ: ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ہے۔ اگر یہ رشتۂ ایمانی مضبوط ومستحکم ہو تو مشرق ومغرب کے یہ فاصلے مسلمانوں کے دلوں میں کوئی فاصلہ پیدا نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہ رشتۂ ایمانی

(۱) المائدۃ [۱۱۹] المجادلۃ [۲۲] البینۃ [۸] (۲) المسد [۱-۲]

(۳) ملاحظہ ہو سورۃ ہود، آیات [۴۱-۴۹]

کمزور پڑ جائے تو پھرتمامتر قربتیں بے کاراور بےمعنیٰ ہیں،تمامترظاہری قربتوں کے باوجوددلوں میں فاصلے ہوں گے،دوریاں ہوں گی،نفرتیں اور بیزاریاں ہوں گی،اوروہ ارشادِربانی :﴿تَحسَبُهُم جَمِيعاً وَّقُلُوبُهُم شَتَّىٰ﴾ (۱) کامصداق بن جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کرمدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں آپؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ مؤاخات قائم فرمایا،یہ بات قابلِ غورہے کہ مہاجرین وانصار میں اس سے قبل بظاہرکسی قسم کا کوئی رشتہ اورتعلق نہیں تھا،وہ آپس میں ایک دوسرے کیلئے اجنبی تھے،لیکن اس کے باوجوداس رشتۂ ایمانی کی بدولت ان میں باہمی اُخوت ومحبت کا ایسامضبوط تعلق اورمستحکم رشتہ قائم ہوگیا کہ تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجزوقاصرہے،انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کونہ صرف اپنے شہرمیں جگہ دی بلکہ انہیں اپنے مکانوں میں آبادکیا،انہیں سرآنکھوں پربٹھایا،ان کیلئے اپنے گھروں کے اورساتھ ہی اپنے دلوں کے بھی دروازے کھول دیئے،اپنے مال ودولت‘ زمین اور جائیدادمیں انہیں حصہ داربنایا،یہاں تک کہ مہاجرین کیلئے انصارکی طرف سےاس بے پناہ محبت وہمدردی‘ اورخلوص وایثارکی وجہ سے خالقِ ارض وسماء کی طرف سےقرآن کریم میں انصارکے اعلیٰ اخلاق‘ مہاجرین کے ساتھ حسنِ سلوک اورایثارکی تعریف کی گئی،چنانچہ ارشادِربانی ہے:﴿وَ الَّذِينَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالاِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَايَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ المُفْلِحُونَ﴾ (۲)

ترجمہ:(اوروہ جنہوں نے اس گھر[یعنی مدینہ]میں‘اورایمان میں ان[مہاجرین]سے

(۱)سورۃ الحشر[۱۴]یعنی:’’آپ انہیں متحدسمجھ رہے ہیں‘ حالانکہ ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جداہیں‘‘۔ (۲)الحشر[۹]

پہلے جگہ بنالی ہے اوروہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے ، بلکہ خود اپنے اوپرانہیں ترجیح دیتے ہیں، گوخود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو، [بات یہ ہے کہ] جوبھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیاوہی کامیاب وبامراد ہے)

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اسلام سے قبل مدینہ منورہ میں (جس کا نام اُس وقت یثرب تھا) اوس اورخزرج نام کے دومشہور قبیلے آباد تھے، ان دونوں قبیلوں میں عرصۂ دراز سے باہم جنگ وجدال اورقتل وخوں ریزی کا سلسلہ چلا آرہا تھا، وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے......! مگر جیسے ہی ان کا شہرمدینہ ’’لا الٰہ الا اللہ‘‘ کے نور سے جگمگایا اور ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوئی تو وہ صدیوں کے باہمی جنگ وجدال کو یکسر فراموش کر کے ایمان کے لازوال اورمقدس رشتے میں منسلک ہوگئے اور باہم شیروشکر ہوگئے، جن کی نفرت وعداوت ضرب المثل تھی، اب ان کا باہمی ایثار اورخلوص ضرب المثل بن گیا، اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُم إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور یادکرو اللہ کا احسان تم پرجبکہ تھے تم آپس میں دشمن، پھراس [اللہ] نے اُلفت ڈال دی تمہارے دلوں میں، پس تم ہوگئے اس کے فضل سے بھائی بھائی، اورتم آگ کے ایک کنوئیں کے دہانے پر تھے، پھراس نے تمہیں بچایا اُس سے، اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم

(۱) آل عمران[۱۰۳]

ہدایت حاصل کرسکو)

نیزارشادہے:﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـٰكِنَّ اللَّـهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ:(اوراسی[اللہ]نے ان کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی، جوکچھ اس زمین میں ہے اگرتو وہ سارا کا سارا بھی خرچ کرڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملاسکتا، یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے، بےشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے)

☆......اور پھر یہ کہ اسلام نے باہمی اُخوت ومحبت کی محض تاکید وتلقین پرہی اکتفاءنہیں کیا، بلکہ مزید یہ کہ اس اُخوت ومحبت کا عملی سبق حاصل کرنے کی غرض سے اہلِ ایمان کواس بات کاحکم دیاہے کہ روزانہ دن میں پانچ بار مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز کی ادائیگی کا اہتمام کریں، تاکہ دنیا''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی بنیاد پرقائم ہونے والی اس پاکیزہ اور بےمثال اخوت ومحبت کاعملی مظاہرہ دیکھ سکے۔دنیا یہ منظر دیکھ سکے کہ کس طرح امیر وغریب، حاکم ومحکوم، آقااور غلام، کالےاور گورے، سب ایک ہی کعبے کی طرف رُخ کئے ہوئے ایک ہی امام کی اقتداء میں ایک ہی صف میں کھڑے ہوکرایک ہی رب کے سامنے انتہائی خشوع وخضوع کے عالم میں''ایاک نعبدوایاک نستعین'' کااقرار واظہار کرتے ہیں۔

☆......اسی رشتۂ ایمانی کومضبوط ومستحکم بنانے کی غرض سے زکوٰۃ کی ادائیگی کاحکم دیاگیا، تاکہ اسلامی معاشرے میں اُمراء وغرباء کے درمیان طبقاتی کشمکش اور باہمی نفرت وعداوت کی بجائے اخوت ومحبت، باہمی احترام اورایثاروہمدردی کے جذبات میں ترقی واضافہ ہو، اوریوں ملتِ اسلامیہ کےامراء وغرباءایک دوسرے کےدست وبازوبن جائیں۔

(۱)الانفال[۶۳]

☆...... اسی لازوال رشتۂ ایمانی کا روح پرور نظارہ دنیا حج کے موقع پر دیکھتی ہے' جب مختلف رنگ ونسل' مختلف طبقات' اور مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے' مشرق ومغرب سے آنے والے لاکھوں فرزندانِ توحید ایک ہی لباس یعنی احرام میں ملبوس ہوتے ہیں، ایک ہی گھر یعنی بیت اللہ کے طواف میں مشغول ومنہمک ہوتے ہیں، ان سب کی زبان پر ایک ہی کلمات ہوتے ہیں یعنی ''لبیک اللہم لبیک'' اور وہ سب اپنے دلوں میں ایک ہی خواہش وتمنا لئے ہوئے دور دراز کے علاقوں سے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے وہاں پہنچتے ہیں، یعنی: اپنے رب کریم کی طرف سے مغفرت' نیز اس کی رضامندی وخوشنودی کا حصول......!

یقیناً اس ''رشتۂ ایمانی'' جیسا لازوال اور بے مثال رشتہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆
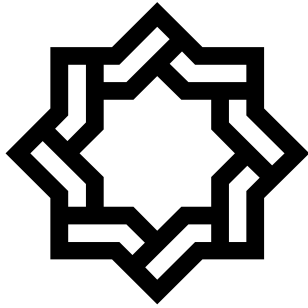
اسلامی معاشرہ

اور

حسنِ اخلاق

حُسنِ اخلاق کی اہمیت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)
ترجمہ:(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ [ﷺ] کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے)

اس آیت کی رو سے ہر صاحبِ ایمان کیلئے یہ بات ضروری ولازمی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہستی کو اپنے لئے ''اُسوۂ حسنہ'' یعنی عمدہ نمونہ اور بہترین وقابلِ تقلید مثال تصور کرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور احکام وہدایات کی صدقِ دل سے تعمیل' نیز آپ ﷺ کے طور طریقوں اور اخلاق وعادات کو اپنانے کی مکمل اور مخلصانہ کوشش کرے۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وعادات کے بارے میں ادنیٰ غور وفکر اور تدبر وتتبع کرنے والے پر یہ بات بلاشبہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی ہستی اور آپؐ کی تمام زندگی ''اخلاقِ حسنہ'' کا ایسا بہترین نمونہ تھی کہ تمام دنیائے انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قطعاً ویقیناً عاجز وقاصر ہے۔

بیماروں کی تیمارداری' ہمسایوں وقرابت داروں کے حقوق کا پاس ولحاظ' چھوٹوں پر شفقت' بڑوں کی عزت' یتیموں اور بیواؤں کی امداد' بیکسوں اور کمزوروں کی دست گیری' ہر حالت میں حق گوئی وراست بازی' عدل وانصاف کے اصولوں کی ہر قیمت پر اور بہر صورت مکمل پاسداری، بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی عفو ودرگذر اور رحمدلی ومہربانی کا سلوک ...... یہ تھا آپ ﷺ کا شیوہ واخلاق۔ بلکہ آپؐ کی تعلیمات تو تڑپتی سسکتی انسانیت کیلئے مسیحا' پیاسی زمین کیلئے ابرِ رحمت' اور تپتے ہوئے صحرا میں کسی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کی مانند تھیں

(۱) الاحزاب [۲۱]

اسی لئے آپ ﷺ کو خالقِ ارض وسماء اور رب العالمین کی طرف سے ''رحمۃ للعالمین'' کے لقب سے نوازا گیا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ اِلّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ﴾ (۱)

ترجمہ:(اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)

نیز قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق وعمدہ عادات وصفات کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:﴿وَاِنَّكَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیۡمٍ﴾ (۲) ترجمہ:(اور بے شک آپ تو بہت بڑے [عمدہ] اخلاق پر ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُم وَلَوكُنۡتَ فَظّاً غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوا مِنۡ حَولِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُم وَاسۡتَغۡفِرۡلَهُم وَشَاوِرۡهُمۡ فِيۡ الۡأَمۡرِ﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگذر کریں اور ان کیلئے استغفار کیا کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں)

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی ابتداء کے موقع پر جب غارِ حراء میں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اس موقع پر آپ ﷺ کو من جانب اللہ تبلیغِ دین کا فریضہ سونپا گیا تو آپ ﷺ یہ سوچ کر انتہائی پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ میں یہ بارِگراں کس طرح اٹھا سکوں گا، اور اس قدر عظیم فریضہ کس طرح انجام دے سکوں گا......؟ اسی پریشانی اور شدتِ تفکیر کی وجہ سے آپ ﷺ کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی، آخر اسی کیفیت میں آپ ﷺ گھر پہنچے، اپنی رفیقۂ حیات اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے تمام ماجرا بیان فرمایا اور اسی

(۱) الأنبیاء [۱۰۷] (۲) القلم [۴] (۳) آل عمران [۱۵۹]

پریشانی کا اظہار کیا۔جس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:(کَلَّا ، وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أبَداً ، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ ،وَتَصْدُقُ الحَدِيثَ ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتكْسِبُ المَعدُومَ ، وَتَقْرِي الضَّيفَ ، وَتُعِينُ عَلىٰ نَوَائِبِ الحَقِّ......) (۱) ترجمہ:(''نہیں نہیں!اللہ کی قسم!اللہ آپ کو ہرگز اس کام میں رسوانہیں کرے گا،کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں،سچ بولتے ہیں،مہمان نواز ہیں، محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں،اور راہِ حق میں لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں'')

غورطلب بات ہے کہ بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کے اخلاق کی بلندی وعظمت کا یہ حال تھا تو بعثت کے بعد کیا کیفیت ہوگی......؟

اور پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے ہی اپنے اصحاب کو بھی ہمیشہ انہی اخلاقِ عالیہ وصفاتِ حمیدہ کو اپنانے کی تاکید وتلقین فرمائی،چنانچہ نجاشی شاہِ حبشہ نے جب دینِ اسلام کے بارے میں استفسار کیا تو اس موقع پر وہاں موجود مسلمانوں کی جماعت میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس طرح گویا ہے:

(أيّهاالملك! كنّا قوماً أهل جاهليّة ، نعبدالأصنام ، ونأكل الميتة، ونُسيئ الجوار، ويأكل القويّ منّا الضّعيف، فكنّا علىٰ ذلك حتّىٰ بعث اللّه الينا رسولاً منّا، نعرف نسبه وصدقه وأمانته وعفافه، فدعانا الىٰ اللّه لنوحّده ونعبده ، ونخلع ما كنّا نحن نعبد وآباؤنا من دونهٖ من الحجارة والأوثان، وأمرنا بصدق الحديث وأداء الأمانة وصلة الرّحم وحسن الجوار والكفّ عن المحارم، ونهانا عن الفواحش وقول الزور

(۱)بخاری[۳]كتاب بدء الوحى ،باب كيف كان بدء الوحى الىٰ رسول الله ﷺ
نیز:بخاری[۶۵۸۱] کتاب التعبیر ۔ نیز:مسلم[۱۶۰]

و أكل مـالِ اليتيم وقَذفِ المُحصَناتِ......) (۱) ترجمہ:(اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، ہم میں سے جو طاقتور تھے وہ کمزوروں کو کھاجاتے تھے، اسی دوران اللہ نے ہم میں سے ہی ایک ہستی کو نبی بنا کر بھیجا، جس کی شرافت' خاندانی نجابت' امانت ودیانت اور راست بازی سے ہم بخوبی واقف تھے، اس نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی، ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے چلے آرہے تھے ان سے کنارہ کشی کی تاکید کی، اس نے ہمیں راست بازی' امانت ودیانت' صلہ رحمی' ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی وحسنِ سلوک کا حکم دیا' ہر قسم کی فحاشی وبے حیائی سے دامن بچانے' جھوٹ بولنے' یتیموں کا مال دبا لینے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے باز رہنے کی تلقین کی......)

یہ ہے اس اخلاقِ حسنہ کی ایک جھلک جس کی تاکید وتلقین رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں ہی فرمائی، اور پھر جس کی بدولت حق کی پکار پر لبیک کہنے والوں کی زندگیوں میں ایسا حیرتناک انقلاب برپا ہوا کہ وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ذلت کی پستیوں سے نکل کر عزت کی بلندیوں تک جا پہنچے، جو نہ صرف یہ کہ ان پڑھ تھے بلکہ اپنی جہالت پر انہیں فخر اور ناز تھا...... اب وہ دنیا بھر کے استاذ' معلم ومربی اور تمام انسانیت کیلئے روشنی کا مینار بن گئے، صدیوں سے جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے اب ایک نئے دور کے مشعل بردار بن گئے، معمولی باتوں پر باہم قتل وخونریزی جن کا معمول بلکہ پسندیدہ ترین مشغلہ تھا اب وہ ہمدردی وایثار کا نمونہ بن گئے، جن کی دشمنی ضرب المثل تھی اب ان کی اخوت ومحبت دنیا بھر کیلئے مثال بن گئی، لوٹ مار جن کا شیوہ تھا اب وہ دوسروں کے ہمدرد اور

(۱) احمد[۱۷۴۰] حدیث جعفر بن ابی طالب وہو حدیث ہجرۃ، نیز: احمد[۲۲۵۵۱] نیز: مجمع الزوائد عن الطبرانی۔

غمگسار بن گئے، جن کی زندگی شراب نوشی، قمار بازی، اورلہوولعب میں بسر ہوئی تھی اب وہ رات کی خاموشیوں میں اللہ کے سامنے سربسجود رہنے لگے......!

اور پھراس ابتدائی دور کے بعد بھی آپ ﷺ نے ہمیشہ حسنِ اخلاق کا سبق سکھایا اور اسی کی تاکید وتلقین فرمائی، اورارشادفرمایا کہ: (اِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ) (۱)
ترجمہ: (بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)

☆...... اخلاقِ فاضلہ وصفاتِ حمیدہ کی تاکید وتلقین کے بارے میں چنداحادیثِ مبارکہ ملاحظہ ہوں:

☆ البِرُّ حُسنُ الخُلُقِ (۲) ترجمہ: (اصل نیکی توحسنِ اخلاق ہے)

☆ اِنَّ خِيَارَكُم أَحَاسِنُكُم أَخْلَاقاً (۳) ترجمہ: (تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق عمدہ ہو)

☆ أَكْمَلُ المُؤمِنِينَ اِيمَاناً أَحْسَنُهُم خُلُقاً (۴) ترجمہ: (تمام اہلِ ایمان میں سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو)

☆ مَا مِن شَيءٍ أثقَلُ فِي مِيزانِ المُؤمِنِ يَومَ القِيَامَهِ مِن حُسنِ الخُلُقِ (۵)
ترجمہ: (قیامت کے روز مؤمن کے تمام اعمال میں ''حسنِ اخلاق'' سے بڑھ کر وزنی اور کوئی عمل نہیں ہوگا)

(۱) مجمع الزوائد (بحوالہ: بزار، باب فی حسن خلقہ وحیائہ وحسن معاشرتہ) ج:۹، ص:۱۵۔ یہی حدیث امام مالک نے موطا میں ان الفاظ کے ساتھ: (بُعثتُ لِأتَمِّمَ حُسنَ الأخلَاق) [نمبر:۱۶۰۹] نیز: امام احمد نے مسند میں ان الفاظ کے ساتھ: (بُعثتُ لِأتَمِّمَ صَالِحَ الأخلَاق) [نمبر:۸۹۳۹] ذکر کی ہے۔
(۲) مسلم [۲۵۵۳] باب تفسیر البر والاثم (۳) بخاری [۳۳۶۶] کتاب الأدب
(۴) ابن حبان [۴۷۹] [۱۴۷۶] ترمذی [۲۶۱۲] باب ماجاء فی استکمال الایمان...... (۵) ترمذی [۲۰۰۲]

☆ اِنَّ المُؤمِنَ لَيُدرِكُ بِحُسنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ وَالقَائِمِ (۱)

ترجمہ:(مؤمن اپنے حسنِ اخلاق کی بدولت روزے داراورنمازی کے مقام ورتبے کو پالیتاہے)

☆ اِنَّ مِن أَحَبِّكُم اِلَيَّ وَأقرَبِكُم مِنِّي مَجلِساً يَومَ القِيَامَةِ أَحَاسِنُكُم أَخْلَاقاً (۲) ترجمہ:(قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گےجن کا اخلاق اچھاہوگا)

☆ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَن أكثَرِ مَايُدخِلُ النَّاسَ الجَنَّةَ ؟ قَالَ : ((تَقْوَىٰ اللّٰهِ وَ حُسنُ الخُلُق)) ۔ (۳) ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ:''وہ کون سا عمل ہے جو دیگر تمام اعمال سے بڑھ کرانسانوں کیلئے جنت میں داخلہ کا سبب بنے گا؟فرمایا:''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف''اور''حسنِ اخلاق'')۔

۞۞۞

(۱)ابوداؤد[۴۷۹۸]باب فی حسن الخلق۔

(۲) ترمذی[۲۰۱۸]باب ماجاء فی معالی الاخلاق۔

(۳) ترمذی[۲۰۰۴]ابن حبان[۴۷٦]

''ارکانِ اسلام'' اور ''اخلاقی تعلیم'':

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دینِ اسلام میں نہ صرف یہ کہ ''محاسنِ اخلاق'' کواختیارکرنے اور ''رذائلِ اخلاق'' سے مکمل اجتناب کی تاکیدوتلقین کی گئی ہے ، بلکہ مزید یہ کہ اہم ترین اسلامی عبادات جن پردینِ اسلام کی بنیادہے اوراسی وجہ سے جنہیں ''ارکانِ اسلام'' کہاجاتاہے،ان عبادات میں بھی اخلاقی تعلیم وتربیت کاپہلوموجودہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان عبادات کے اسراراوران کے مقاصدنیزاغراض وغایات میں سے اہم ترین غرض وغایت اخلاقی تعلیم وتربیت ہی ہے۔

☆...... چنانچہ تمام اسلامی عبادات میں سب سے اہم ترین عبادت یعنی نمازسے متعلق آیات واحادیث میں اگرغوروفکرکیاجائے تویہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ نمازسے اللہ کے ذکر' اوراس کی عبادت واطاعت کے عملی اقراروا ظہارکے ساتھ ساتھ خلقِ خداکے ساتھ حسنِ سلوک' اخوت ومساوات' ہمدردی وایثار' اللہ کے بندوں کی مددواعانت' ان کیلئے غمگساری وخیرسگالی کے جذبات کی نشوونمااوران میں ترقی واضافہ بھی مقصودہے، سورۃ الماعون کایہی پیغام اوریہی مفہوم ہے۔

مزیدیہ کہ نمازاخلاقِ فاضلہ کی طرف رغبت ومیلان کاوسیلہ' نیزاخلاقِ رذیلہ وتمام فواحش ومنکرات سے بندے کیلئے حفاظت ودوری کاذریعہ بھی ہے۔

جیساکہ قرآن کریم میں ارشادہے: ﴿اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى عَنِ الفَحْشَآءِ وَ المُنْكَرِ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً نمازبےحیائی اوربرائی سے روکتی ہے)

(۱) العنکبوت[۴۵]

☆......اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک وصاف کردیں، اوران کیلئے دعاء کیجئے)

بلکہ زکوٰۃ کے تو لفظی معنیٰ ہی ''تزکیہ''یعنی پاک کرنے کے ہیں، چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذریعے وہ مال پاک وصاف اورمبارک ہوجاتا ہے کہ جس میں سے زکوٰۃ ادا کردی گئی ہو۔ نیز زکوٰۃ ادا کرنے والے کا دل مال ودولت کی محبت، حرص، طمع، ہوس، اورخودغرضی ونفس پرستی جیسے مہلک اورخطرناک ترین روحانی امراض اورانتہائی ناپسندیدہ وقبیح ترین عادات سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

مزید یہ کہ جس مسکین کوزکوٰۃ ادا کی گئی ہواس کا دل احساسِ محرومی، اغنیاء ودولت مندوں کے خلاف حسد، نفرت وعداوت، اوربغض وکینہ جیسی بدترین صفات وعادات سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو بندگانِ خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا رویہ وسلوک اپنانے اوران کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنے کوبھی ''صدقہ''میں شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَة) (۲) ترجمہ:(اپنے بھائی [یعنی کسی مسلمان] کے ساتھ مسکرا کر پیش آنا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے)

☆......اسی طرح روزے سے مقصود محض چند گھنٹوں کیلئے کھانے پینے سے پرہیز ہرگزنہیں ہے، بلکہ اصل مقصود اپنے نفس کولگام دینا اوراورہر برائی سے اجتناب کا عادی بنانا ہے، جیسا

(۱)التوبۃ[۱۰۳] (۲)ترمذی[۱۹۵۶]باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن الیک۔

کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن لَم یَدَعْ قَولَ الزُّورَ وَالعَمَلَ بِهٖ فَلَیسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أن یَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ) (۱) ترجمہ: (جس کسی نے روزے کے دوران بھی جھوٹی بات اور جھوٹے کام کو نہ چھوڑا، تو اللہ کو بھی اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایسا شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے رکھے) یعنی روزہ محض کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے، بلکہ روزے سے اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو جھوٹ ودیگر تمام منکرات ورذائلِ اخلاق سے ہمیشہ کیلئے مکمل اجتناب کا عادی بنائے۔

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے: (اِذاکَانَ یَومُ صَومِ أحَدِکُم فَلَایَرفُث وَلَا یَصْخَب ، فَاِن سَابَّهُ أحَدٌ أو قَاتَلَهُ فَلیَقُل اِنّي صَائم) (۲) ترجمہ: (تم میں سے جب کوئی روزے کی حالت میں ہو، تو کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے، اور نہ ہی جھگڑا کرے، اور اگر کوئی دوسرا شخص اسے برا کہے، یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو [اس سے الجھنے کی بجائے] یوں کہے کہ: ''میں تو روزہ دار ہوں'')۔

علاوہ ازیں یہ کہ روزے کے دوران واقعی اور عملی طور پر بھوک اور پیاس کی تکلیف محسوس کرنے کے بعد روزے دار کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہونے لگتا ہے کہ وہ غریب اور مسکین جس کے پیٹ میں بھوک اور پیاس کی یہ آگ ہمیشہ ہی شعلہ زن رہتی ہے......اس کی زندگی کس قدر تلخ ہوگی ......؟ چنانچہ اسی سوچ کی وجہ سے روزے دار کے قلب وذہن میں احساس وشعور بیدار ہوتا ہے، اور اس کا دل غریبوں اور حاجت مندوں کیلئے ہمدردی ورحمدلی کے جذبات سے لبریز ہونے لگتا ہے، اور پھر یہی جذبات اسے ان حاجت مندوں کی مدد واعانت پر آمادہ کرتے ہیں۔

(۱) بخاری [۱۸۰۴] کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم۔

(۲) بخاری [۱۸۰۵] کتاب الصوم، باب ہل یقول انی صائم......☆مسلم [۱۱۵۱] ☆احمد [۲۶۱۱۱]

☆......اسی طرح حج بیت اللہ سے صرف سیر وتفریح یا محض کوئی سفر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس اہم ترین عبادت سے بھی اصل مقصود تزکیۂ نفس، تہذیبِ اخلاق، اخوت ومساوات کے جذبات کی نشوونما، ایثار وقربانی، اور صبر وتحمل کی عادت اپنانے، نیز باہمی اختلافات، لڑائی جھگڑے، اور ہر قسم کے فسق وفجور اور بدعملی سے دامن بچائے رکھنے کی تاکید وتلقین ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوۡقَ وَلَا جِدَالَ فِي الۡحَجِّ﴾ (۱) ترجمہ: (جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہیئے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، اور کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَنۡ حَجّ لِلّٰهِ فَلَم يَرفُثۡ وَلَم يَفسُقۡ رَجَعَ مِن ذُنُوبِهٖ كَيَوم وَلَدَتۡهُ أُمُّهٗ)(۲) ترجمہ: (جس شخص نے [صرف اللہ کی رضا کیلئے] حج کیا اور [دورانِ حج] ہر قسم کے فسق وفجور سے بچا رہا، تو وہ گناہوں سے یوں پاک وصاف ہو کر لوٹے گا جیسے اس دن پاک وصاف تھا کہ جب اس کی ماں نے اسے جنا)۔

مزید یہ کہ حجِ بیت اللہ کے موقع پر ہی آپ ﷺ نے وہ یادگار وبے مثال اور اہم ترین خطبہ ارشاد فرمایا جو کہ ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کے نام سے معروف ہے، اور جو کہ رنگ ونسل کی جھوٹی اور مصنوعی بنیادوں پر قائم تمام تر امتیازات کو مٹانے، ہر قسم کی طبقاتی کشمکش ومنافرت کے خاتمے، نیز شرفِ انسانیت کی بحالی، اور عدل وانصاف کے اصولوں کی بہرصورت پاسداری کے لحاظ سے رہتی دنیا تک تمام عالمِ انسانیت کیلئے فقید المثال منشورِ حیات اور دستورالعمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) البقرۃ [۱۹۷] (۲) بخاری [۱۴۴۹] کتاب الحج، فضل الحج المبرور۔ نیز مسلم [۱۳۵۰]

''اخلاقی کمزوری''''ایمانی کمزوری'' کی علامت ہے:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن وحدیث میں اہلِ ایمان کو جہاں کسی عمدہ صفت اور اچھی عادت کو اپنانے 'یا اسی طرح جہاں کسی برائی سے دامن بچائے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے' وہاں اکثر وبیشتر ''ایمان'' کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، گویا اس سے یہ یاددہانی مقصود ہے کہ جس چیز کو اپنانے 'یا جس چیز سے باز رہنے کی تمہیں تاکید وتلقین کی جارہی ہے' یہ دراصل اسی ایمان کا تقاضا ہے جو تمہارا اصل سرمایہ اور تمہارے لئے سب سے قیمتی متاع ہے ، اور جس پر تمہارے لئے دنیا وآخرت میں خیر وخوبی 'عافیت وسلامتی' اور نجات وفلاح کا دارومدار ہے۔

☆...... چنانچہ قرآن کریم میں جہاں ''صدق'' یعنی ''سچائی'' جیسی اہم عادت اور اعلیٰ ترین صفت کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے' وہاں اس آیت کی ابتداء میں: ﴿یَـا اَیُّھَـا الَّـذِیـنَ آمَنُوا......﴾ یعنی: ''اے ایمان والو......!) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿یَـا اَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ آمَـنُـوا اتَّـقُـوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوا مَعَ الصَّادِقِیْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچوں میں شامل ہوجاؤ)

☆ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ''شرم وحیاء'' کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: (الـحَـیَـاءُ وَالاِیـمَـانُ قُـرَنَـاءُ جَـمِیـعـاً ، فَـاذا رُفِـعَ أَحَـدُھُـمَـا رُفِعَ الآخَـرُ) (۲) ترجمہ: (''حیا'' اور ''ایمان'' دونوں ساتھی ہیں ، لہٰذا اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز اٹھ جائے تو یقیناً دوسری بھی اٹھ جائے گی) یعنی حیا اور ایمان باہم لازم وملزوم ہیں ، لہٰذا

(۱) التوبۃ [۱۱۹] (۲) الترغیب والترہیب [۳۹۹۷] بحوالہ: حاکم والطبرانی فی الاوسط۔

جس کسی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز موجود ہوگی تو یقیناً دوسری بھی موجود ہوگی ، اوراگران میں سے کوئی ایک چیز مفقود ہے تو یقیناً دوسری چیز بھی مفقود ہی ہوگی۔

☆......اسی طرح پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی کی حرمت وممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:(مَن کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَ الیَومِ الآخِرِ فَلَا یُؤذِ جَارَہٗ) (۱) ترجمہ:(جوکوئی اللہ پر' اورروزِ قیامت پرایمان رکھتا ہو' وہ اپنے پڑوسی کواذیت نہ پہنچائے)

نیز ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو:(وَاللّٰہِ لَایُؤمِن ، وَاللّٰہِ لَایُؤمِن ، وَاللّٰہِ لَایُؤمِن ، قِیلَ مَن یَا رَسُولَ اللّٰہ؟ قَال: الّذي لَایَأمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ) (۲) ترجمہ:(اللہ کی قسم!وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا' اللہ کی قسم!وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا' اللہ کی قسم!وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا' عرض کیا گیا کہ: وہ کون ہے اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے کہ جس کی ایذاءرسانیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہ سکے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک بار جب کسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نماز روزے اورصدقہ وخیرات کا اہتمام والتزام کرتی ہے' مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کی تلخ کلامی اور بدزبانی سے بہت تنگ اور پریشان رہتے ہیں ......اس پرآپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں فرمایا کہ:(هِيَ فِي النَّارِ) یعنی: ''اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے''۔

جبکہ اس کے برعکس ایک اورعورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نفل عبادات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی' البتہ یہ کہ پڑوسیوں کے ساتھ اس کا اخلاق اوررویہ

(۱) بخاری[۵۶۷۱] باب اثم من لایأ من جارہٗ بوائقہ۔ نیز:[۵۷۸۵] نیز:[۶۱۱۰] باب حفظ اللسان......

(۲) بخاری[۵۶۷۰] کتاب الأدب، باب اثم من لایأ من جارہٗ بوائقہ۔

وسلوک بہت اچھا ہے،اس پر آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں فرمایا کہ: (هِـــي فِي الجَنَّةِ) یعنی: ''اس کا ٹھکانہ جنت میں ہے''۔ (۱)

☆......اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مہذب وشائستہ گفتگو' اورعمدہ طرزِ سخن اپنانے' نیز ہمیشہ اچھی بات کہنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: (مَـن كَـانَ يُـؤمِـنُ بَـاللّٰهِ وَاليَومِ الآخِـرِ فَـليَقُلُ خَيراً أو لِيَصمُتُ) (۲) ترجمہ: (جو شخص اللہ پر' اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہئے کہ اچھی بات ہی کہا کرے، ورنہ خاموش رہا کرے)

☆اسی طرح ''امانت ودیانت'' نیز ''ایفائے عہد'' کی ضرورت واہمیت کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو: (لَاايـمَـانَ لِمَن لَاأمَانَةَ لَهُ ، وَلَا دِينَ لِمَن لَاعَهدَلَهُ) (۳) ترجمہ: (جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں' اور جو کوئی وعدے کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں)

نیز آپ ﷺ نے ''منافق'' کی علامات اس طرح بیان فرمائی ہیں: (آيَةُ الـمُـنَـافِقِ ثَلَاث: اِذَا حَـدَّثَ كَـذَبَ ، وَ اِذَا وَعَـدَ أخـلَفَ ، وَ اِذَا أُؤتِـمَـنَ خَـانَ) (۴) ترجمہ: (منافق کی نشانیاں تین ہیں: جب بات کریگا جھوٹ بولیگا، جب وعدہ کریگا تو وعدہ خلافی کریگا، اوراور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائیگی تو اس میں خیانت کریگا)۔

☆......حاصلِ کلام یہ کہ قرآن وحدیث کی مذکورہ نصوص سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ

(۱) احمد [۹۶۷۳]

(۲) ☆بخاری [۶۱۱۰] باب حفظ اللسان......،☆مسلم [۴۷] ☆ابن حبان [۵۱۶] ترمذی [۲۵۰۰]

(۳) احمد [۱۲۴۰۶]

(۴) بخاری [۳۳] باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری: [۲۵۳۶] [۲۵۹۸] [۵۷۴۴]۔ مسلم [۵۹] باب بیان خصال المنافق۔ ترمذی [۲۶۳۱] باب ماجاء فی علامۃ المنافق۔ احمد [۸۶۷۰]

''ایمان''اور''حسنِ اخلاق''باہم لازم وملزوم ہیں،اور یہ کہ''اخلاقی کمزوری''درحقیقت ''ایمانی کمزوری''ہی کی علامت'اوراسی کالازمی نتیجہ ہے۔

یقیناًاس سے مسلمان کیلئے عمدہ اخلاق وصفات کواپنانے'اور برے اخلاق وعادات سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرنے کی ضرورت واہمیت واضح وثابت ہوتی ہے۔

☆......اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چند''اخلاقِ حَسَنہ''یعنی عمدہ وپاکیزہ اخلاق کاتذکرہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو۔

''صدق''

☆...... یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ''صدق'' یعنی راست بازی وسچائی ہر خیر وخوبی کا منبع اور ہر فضیلت کا سرچشمہ ہے، جبکہ اس کے برعکس جھوٹ ہر خرابی کی بنیاد اور ہر برائی کی جڑ ہے۔

☆...... ''صدق'' کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں اس سے بڑھکر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً﴾ (۱) ترجمہ: (اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً﴾ (۲) ترجمہ: (اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟)

نیز ارشاد ہے: ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ (۳) ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ اللہ سچا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَّ عَدْلاً﴾ (۴) ترجمہ: (اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ ''سچائی'' کا اصل سرچشمہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔

☆......اور پھر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے اسی سرچشمے سے ہی ''سچائی'' کو حاصل کیا او پھر خلقِ خدا کو بھی اس سے سیراب اور فیضیاب کیا۔ان حضرات نے خود بھی ہمیشہ ''سچائی'' کو اپنایا، اور اپنی تعلیمات وہدایات کے ذریعے بندگانِ خدا کو بھی ہمیشہ اسی کی تاکید وتلقین فرمائی۔

---

(۱) النساء[۸۷] (۲) النساء[۱۲۲] (۳) آل عمران[۹۵] (۴) الانعام[۱۱۵]

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی سچائی و دیانت داری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَاذكُرُ فِي الكِتَابِ اِبرَاهِيمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقاً نَبِيّاً﴾ (۱) ترجمہ: (اس کتاب میں ابراہیم [علیہ السلام] کا قصہ بیان کیجئے، بیشک وہ بڑی سچائی والے نبی تھے)

اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَاذكُرُ فِي الكِتَابِ اِدرِيسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقاً نَبِيّاً﴾ (۲) ترجمہ: (اس کتاب میں ادریس [علیہ السلام] کا بھی ذکر کیجئے، بیشک وہ بڑی سچائی والے نبی تھے)

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ حضرت مریم کے تذکرہ کے ضمن میں ارشاد ہے: ﴿وَأُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ﴾ (۳) ترجمہ: (ان کی والدہ راست بازعورت تھیں)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں ارشاد ہے: ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ (۴) ترجمہ: (اے بہت بڑے سچے یوسف......!)

''حدیثِ جبریل'' میں باربار یہ تذکرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر جبریل علیہ السلام فرماتے: (صَدَقتَ) یعنی: ''آپ نے سچ کہا''۔(۵)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اللہ ﷺ کو پیغامِ نکاح بھیجا تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کیلئے اپنی پسندیدگی اور آپ ﷺ کے ساتھ نکاح کی خواہش کی وجہ یہ بیان فرمائی: (اِنّي رَغِبتُ فِيكَ لِقَرَابَتِكَ وَ أَمَانَتِكَ وَ حُسنِ خُلُقِكَ وَ صِدقِ

(۱) مریم[۴۱] (۲) مریم[۵۶] (۳) المائدۃ[۷۵]

(۴) یوسف[۴۶]

(۵) بخاری[۵۰] عن أبي ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ نیز: مسلم[۸] عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

حَدِيثِكَ) (۱)

یعنی: ''میں آپ سے نکاح کی خواہشمند ہوں' آپ سے قرابت داری کی وجہ سے' نیز آپ کی امانت ودیانت' خوش اخلاقی' اورسچائی کی وجہ سے''۔

آپ ﷺ کو اپنے اور پرائے' دوست اور دشمن' سب ہی ہمیشہ ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

☆......قرآن وحدیث میں جابجا ''صدق'' کو اپنانے اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (۲) ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو)

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّهَ وَقُولُوا قَولاً سَدِيداً﴾ (۳) ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہا کرو)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللّهَ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ﴾ (۴) ترجمہ: (اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہیں تو ان کیلئے بہتری ہے)

اسی طرح اہلِ ایمان واسلام جن کیلئے قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مغفرت اوراجرِ عظیم کی خوشخبری ہے' ان کی صفات کے بیان میں اس چیز کا تذکرہ بھی ہے: ﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ﴾ یعنی: ''سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں''۔ اور پھر آیت کے آخر میں ارشاد ہے: ﴿أَعَدَّ اللّهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ أَجْراً عَظِيماً﴾ (۵) ترجمہ: (ان کیلئے اللہ نے [وسیع] مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے)

(۱) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام [ج:۱ص:۲۲] (۲) التوبہ [۱۱۹] (۳) الاحزاب [۷۰]
(۴) محمد [۲۱] (۵) الاحزاب [۳۵]

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي جَنَّاتٍ وَّ نَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہوں گے، سچائی اور عزت کی بیٹھک میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس)

نیز قرآن کریم میں ''صدیقین'' یعنی سچ بولنے والوں کا تذکرہ انبیاء اور شہداء کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّنَ وَالصِّدِّيقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول [ﷺ] کی پیروی کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ)

☆...... نیز قرآن کریم میں متعدد مواقع پر سچے لوگوں کی مدح وتوصیف بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبْدِيْلاً﴾ (۳)

ترجمہ:(مؤمنوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض [موقع کے] منتظر ہیں، اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی)

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:﴿وَ الَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ لَهُمْ مَا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (۴) ترجمہ:(اور جو سچے دین کو لائے، اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پارسا ہیں، ان کیلئے ان کے رب کے پاس [ہر] وہ چیز ہے جو یہ چاہیں، نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے)۔

(۱) القمر [۵۴-۵۵] (۲) النساء [۶۹] (۳) الاحزاب [۲۳] (۴) الزمر [۲۳]

☆......نیز''سچائی'' کی اہمیت وفضیلت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں اہلِ ایمان کے متعدد اوصاف کے تذکرہ کے بعد آخر میں ان کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ:''یہی سچے لوگ ہیں''۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَلٰـكِـنَّ الْبِــرَّ مَنْ آمَـنَ بِـاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ آتَىٰ الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّـهٖ ذَوِيْ الْـقُـرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِيْ الـرِّقَـابِ وَ أَقَـامَ الـصَّلَاةَ وَ آتَىٰ الزَّكَاةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَـاهَـدُوا ، وَالـصَّـابِـرِيْـنَ فِـيْ الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ ، أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (۱)

ترجمہ:(درحقیقت اچھاشخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر'فرشتوں پر'[اللہ کی] کتاب پر'اورنبیوں پرایمان رکھنے والا ہو،جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں'یتیموں'مسکینوں' مسافروں اورسوال کرنے والوں کودے،غلاموں کوآزادکرے،نماز کی پابندی اورزکوٰۃ کی ادائیگی کرے،جب وعدہ کرے تواسے پورا کرے،تنگدستی'دکھ درد'اورلڑائی کے وقت صبرکرے،یہی سچے لوگ ہیں اوریہی پرہیزگار ہیں)

☆......حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں سے وہ حضرات جنہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی'جنہوں نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطراپنا گھربار'اپناوطن اورکاروبار'اپنی زمین وجائیدا'اوراپنے عزیزواحباب وغیرہ کوچھوڑا'اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطراپناسب ہی کچھ قربان کردیا...... ان جلیل القدرہستیوں کے بارے میں بھی قرآن کریم میں یہی

(۱)البقرۃ[۱۷۷]

ارشاد ہے کہ: ''یہی سچے لوگ ہیں''۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لِلفُقَرَآءِ المُهَاجِرِيْنَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضلاً مِّنَ اللّهِ وَرِضْوَاناً وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّهَ وَ رَسُوْلَهٗ أُولٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (ان مہاجر مسکینوں کیلئے' جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں' وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلب گار ہیں' اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں' یہی سچے لوگ ہیں)

☆......اسی طرح قیامت کے روز ''صادقین'' کا مقام ومرتبہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے: ﴿قَالَ اللّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً رَضِىَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ الفَوْزُ العَظِيْمُ﴾ (۲) ترجمہ: (اللہ ارشاد فرمائے گا کہ: یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے' ان کا سچا ہونا ان کے کام آئیگا، ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش' اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ تو بڑی کامیابی ہے)

☆......قرآن کریم میں ''صدق'' کے بالمقابل ''نفاق'' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح وثابت ہوتی ہے کہ ''صدق'' ایمان کی علامت' دنیا وآخرت میں سعادت مندی اور صلاح وفلاح کا سبب ہے۔ جبکہ ''جھوٹ'' کفر ونفاق کی علامت اور دنیا وآخرت میں بربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِيَجْزِيَ اللّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ المُنَافِقِيْنَ

(۱) الحشر [۸] (۲) المائدۃ [۱۱۹]

اِنْ شَآءَ أو يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ (۱) ترجمہ:(تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے' اور منافقوں کو اگر چاہے تو سزا دے' یا ان کی توبہ قبول فرمائے' یقیناً اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے)

اسی طرح قرآن کریم میں منافقین کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے:﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوران کے جھوٹ کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ﴾ (۳) ترجمہ:(اوراللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ﴾ (۴) ترجمہ:(جھوٹی باتیں تو وہی لوگ بناتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا، اور یہی لوگ جھوٹے ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار منافق کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:(آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَاِذَا أُؤْتُمِنَ خَانَ) (۵) ترجمہ:(منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے گا جھوٹ بولیگا، جب وعدہ کریگا تو وعدہ خلافی کرے گا، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائیگی' اس میں خیانت کرے گا)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :(مَا كَانَ مِن خُلُقٍ أَبْغَضَ اِلٰی

(۱)الاحزاب[۲۴] (۲)البقرۃ[۱۰] (۳)المنافقون[۱] (۴)النحل[۱۰۵]

(۵)بخاری[۳۳]باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری:[۲۵۳۶][۲۵۹۸][۵۷۴۴]۔مسلم[۵۹]باب بیان خصال المنافق۔ترمذی[۲۶۳۱]باب ماجاء فی علامۃ المنافق۔احمد[۸۶۷۰]

رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ الکَذِبِ) (۱) ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ کو ''جھوٹ'' سے بڑھ کراورکوئی عادت ناپسندنہیں تھی)یعنی آپ ﷺ کی نظر میں ''جھوٹ'' سب سے زیادہ بری اورانتہائی ناپسندیدہ ترین عادت وخصلت تھی۔

☆......یہ ایک اٹل اورناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سچ بولنے والا انسان ہمیشہ پرسکون ومطمئن رہتاہے۔جبکہ اس کے برعکس جھوٹا انسان ہمیشہ بے چین رہتاہے،ذہنی سکون و اطمینان جیسی اہم ترین نعمت سے وہ ہمیشہ محروم ہی رہتاہے۔جھوٹ بول کرانسان کوئی عارضی اوروقتی فائدہ توحاصل کرسکتاہے،مگراس کایہ جھوٹ زندگی بھرکیلئے وبالِ جان اورمسلسل عذاب اورروگ بن جاتاہے،اوراسے ہمہ وقت یہی دھڑکالگارہتاہے کہ کہیں دنیاوالوں کے سامنے اس کاجھوٹ ظاہرنہ ہوجائے ،اسی فکراورپریشانی کی وجہ سے اس کاسکون بربادہوجاتاہےاوراس کی زندگی بےلطف اوربدمزہ ہوجاتی ہے۔

اسی حقیقت کوحدیث میں اس طرح بیان کیاگیاہے:(اِنّ الصِّدقَ طُمَأنِینَۃ ، وَاِنّ الکَذِبَ رِیبَۃٌ) (۲) ترجمہ:(سچ میں سکون واطمینان ہے،جبکہ جھوٹ بےاطمینانی اورشک وشبہے کاسبب ہے)

نیزیہ کہ خدانخواستہ اگرکوئی ایسی صورتِ حال درپیش ہوکہ بظاہرسچ بولنے میں کسی نقصان کااندیشہ ہو،ایسی صورتِ حال میں بھی اس حقیقت اوراس قانونِ قدرت کوخوب یادرکھناچاہئے کہ ہمیشہ سچائی کوتھامے رکھنے میں ہی دونوں جہانوں میں عافیت وسلامتی ہے،جبکہ جھوٹ بول کرانسان وقتی طورپرتواپنی جان بچاسکتاہے،لیکن جلدیابدیرکبھی نہ کبھی آخرکاریہی جھوٹ اس کیلئے دونوں جہانوں میں رسوائی اورہلاکت وبربادی کاسبب بن

(۱)الترغیب والترہیب[۴۴۶۴]باب : الترغیب فی الصدق والترہیب من الکذب(بحوالہء:احمدوالبزاروابن حبان) (۲) ترمذی[۲۵۱۸]

جائے گا۔غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے مشہور ومعروف واقعہ میں بھی رہتی دنیا تک تمام انسانیت کیلئے یہی پیغام ہے کہ ''سچائی'' کا راستہ اختیار کرنے میں ہی انسان کیلئے دنیاوآخرت میں صلاح وفلاح 'عزت' عافیت اورسلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔(۱)

''صدق'' کے مراتب ودرجات:

اہلِ علم نے ''صدق'' کے تین مراتب ودرجات بیان کئے ہیں' جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) صدق مع اللہ: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق میں سچا اور مخلص ہو، اس کا ہر قول وعمل خالصۃً اپنے خالق ومالک کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر ہو، نام ونمود اور ریاء کاری مقصود نہو، نیز یہ کہ اس کے ظاہر وباطن میں کوئی اختلاف اور تضاد نہو، اس کے دل میں یہ عقیدہ وایمان راسخ وپیوست ہو کہ خلوت ہو یا جلوت' اس کا خالق ومالک اسے ہر جگہ اور ہر حالت میں دیکھ رہا ہے، اس کی ہر ہر بات کو سن رہا ہے، اس کا کوئی قول وفعل اس علیم وخبیر اور سمیع وبصیر سے کسی صورت مخفی نہیں رہ سکتا۔اسی جذبہ وایمان کے تحت وہ ہمیشہ اپنے خالق ومالک کی عبادت' اوراس کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول رہے اوراس کی رضامندی وخوشنودی کے حصول کیلئے کوشاں وسرگرداں رہے۔

(۲) صدق مع الرسول ﷺ: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ہر عبادت صرف اس شریعت کے مطابق انجام دے جو کہ رسول اللہ ﷺ من جانب اللہ لائے ہیں۔ یا بالفاظِ دیگر ہر معاملے میں اور زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت وپیروی کی

(۱) اس واقعہ کا تذکرہ سورۂ توبہ میں ہے۔ نیز کتبِ حدیث میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے۔

جائے۔ ''ابتداع'' کی بجائے ''اتباع'' کا مکمل اہتمام والتزام ہو، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱) ترجمہ: (کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (كُلُّ أُمَّتِي يَدخُلُونَ الجَنَّةَ اِلَّا مَن أَبىٰ ، قِيلَ : وَمَن يَأبىٰ يَارَسُولَ اللّٰه؟ قَالَ : مَن أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَن عَصَانِي فَقَدأَبىٰ) (۲) ترجمہ: (میری امت کے سب ہی لوگ جنت میں داخل ہو ہی جائیں گے سوائے اس شخص کے جو خود ہی [جنت میں جانے سے] انکار کردے، عرض کیا گیا کہ: اے اللہ کے رسولؐ! ایسا شخص کون ہوسکتا ہے کہ جو خود ہی [جنت میں جانے سے] انکار کردے؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خود ہی [جنت میں جانے سے] انکار کردیا) (۳)

<u>(۳) صدق مع الناس:</u> اس سے مراد یہ ہے کہ انسان بندگانِ خدا کے ساتھ اپنی گفت وشنید، لین دین، خرید وفروخت، رویہ وسلوک وغیرہ، غرضیکہ ہر معاملے میں مکمل سچائی ودیانت داری کا راستہ اختیار کرے۔ جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی، مکر وفریب اور ہر قسم کی بددیانتی سے مکمل اجتناب کرے۔

☆...... یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ''صدق'' یا سچائی اور راست بازی کا مفہوم

(۱) آل عمران [۳۱] (۲) بخاری [۶۸۵۱] کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

(۳) متعدد اہلِ علم کے بقول اس حدیث میں ''انکار'' سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ورسالت کا انکار ہے۔

محض زبانی بات چیت اور انسانوں کی باہمی گفت وشنید تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا دائرہ اور مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ چنانچہ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول وفعل میں سچا ہو، اس کا ایمان بھی خالص اور سچا ہو، اس کا عزم بھی سچا ہو، اس کی نیت بھی سچی ہو، اور یہ کہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں وہ سچائی کے راستے پر مکمل ثابت قدمی واستقلال کے ساتھ گامزن اور رواں دواں رہے، کیونکہ یہی ایمان کی نشانی ہے، اور اسی میں بندے کیلئے دونوں جہانوں میں کامیابی وسعادت مندی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس جھوٹ کفر ونفاق کی علامت اور دونوں جہانوں میں بربادی کا سبب ہے۔ یہی مفہوم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے: (عَلَيكُم بِالصِّدُقِ ، فَاِنَّ الصِّدُقَ يَهدِي اِلىٰ البِرِّ ، وَالبِرُّ يَهدِي اِلىٰ الجَنَّةِ ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصدُقُ وَيَتَحَرَّىٰ الصِّدقَ حَتَّىٰ يُكتَبَ عِندَ اللّٰهِ صَدِّيقاً ، وَاِيَّاكم وَالكَذِبَ ، فَاِنَّ الكَذِبَ يَهدِي اِلىٰ الفُجُورِ ، وَاِنَّ الفُجُورَ يَهدِي اَلىٰ النَّارِ ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكذِبُ وَيَتَحَرَّىٰ الكَذِبَ حَتَّىٰ يُكتَبَ عِندَ اللّٰهِ كَذَّاباً) (۱) ترجمہ: (تم سچ کو تھامے رکھو، کیونکہ سچ نیکی تک پہنچاتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے، جو شخص ہمیشہ سچ ہی بولتا رہتا ہے اور سچائی کے راستے پر ہی چلتا رہتا ہے' اللہ کے نزدیک اسے ''سچا'' لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ برائی تک لے جاتا ہے، اور برائی [جہنم کی] آگ تک پہنچاتی ہے، اور جو کوئی ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کے راستے پر ہی گامزن رہتا ہے' اسے اللہ کے نزدیک ''جھوٹا'' لکھ لیا جاتا ہے)۔

(۱) مسلم [۲۶۰۷] کتاب البر والصلۃ والآداب، نیز: احمد [۳۶۳۸] ابن حبان [۲۷۳]

''امانت ودیانت''

اس دنیامیں ہرانسان کی فطری طور پریہی خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایساماحول اورایسامعاشرہ نصیب ہوسکے جہاں امن وامان ،سکون واطمینان اورمحبت وہمدردی کی فضاہو،اورکسی بھی معاشرے میں اس مقصدکے حصول کیلئے ''امانت ودیانت'' بنیادی شرط ہے۔چنانچہ جس معاشرے سے امانت ودیانت ختم ہوجائے وہاں ہرجگہ ناقابلِ اصلاح بگاڑ پیداہوجاتاہے، باہمی اعتمادمفقودہوجاتاہے،امن وامان ،خوشحالی واطمینان کی بجائے وہاں افراتفری ، بے چینی اورلوٹ کھسوٹ کابازارگرم ہوجاتاہے، خواہ کاروباری معاملات ہوں یاگھریلو تعلقات ، ہرجگہ خرابی وبربادی کے آثارنمایاں ہونے لگتے ہیں اوریوں پورامعاشرہ اجتماعی موت کی طرف گامزن ہوجاتاہے۔

اسی لئے اسلام میں''امانت ودیانت'' کی بہت بڑی اہمیت ہے،اورقرآن وحدیث میں جابجااس کی تاکیدوتلقین کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کےاوصاف کے بیان میں ارشادہے﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(اورجواپنی امانتوں اوروعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(لَاإِيْمَانَ لِمَنْ لَاأَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَاعَهْدَلَهٗ)(۲) ترجمہ:(جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں،اورجوکوئی وعدے کاپابندنہیں اس کاکوئی دین نہیں)

(۱)المؤمنون[۸] (۲)احمد[۱۲۴۰۶]

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَ إِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ) (۱) ترجمہ:(منافق کی تین نشانیاں ہیں:جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا،اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو اس میں خیانت کرے گا)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(اذا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانتَظِرِ السَّاعَةَ (۲)

ترجمہ:(جب امانت ضائع کی جانے لگے' تب تم قیامت کا انتظار کرو)

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(أربعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيكَ مَا فَاتَكَ مِنَ الدُّنيَا: حِفظُ أَمَانَةٍ، وَصِدقُ حَدِيثٍ، وَحُسنُ خَلِيقَةٍ، وَعِفَّةٌ فِي طُعمَةٍ) (۳) ترجمہ: (چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تمہیں نصیب ہو جائیں تو پھر اور کچھ اگر تمہیں نہ بھی ملے تب بھی غم کی کوئی بات نہیں:امانت داری' راست گوئی' خوش اخلاقی' اور رزقِ حلال)

☆ امانت کی اقسام:

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَخُونُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُولَ وَ تَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُم تَعْلَمُونَ﴾ (۴) ترجمہ:(اے ایمان والو!تم اللہ اور اس کے رسول [کے حقوق] میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابلِ حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو)

اس آیت میں ایمان والوں کو اللہ کے ساتھ خیانت، اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت، نیز باہم ایک دوسرے کے ساتھ خیانت سے منع کیا گیا ہے،لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امانت اور اس میں خیانت کی درحقیقت تین صورتیں ہیں جن کے بارے میں مسلمان

(۱) بخاری[۳۳] (۲) بخاری[۵۹] کتاب العلم (۳) احمد[۹۶۶۵۲] (۴) الانفال[۲۷]

کیلئے بصیرت وآگاہی ضروری ہے،لہٰذااس سلسلے میں ہرمسلمان کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ امانت ودیانت کے موضوع پر جب بھی بات ہوگی تواس میں امانت کی مذکورہ تینوں اقسام شامل ہوں گی جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کےساتھ امانت ودیانت:

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے ذمے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جوحقوق ہیں' یادینی فرائض وواجبات اورشرعی احکام ہیں' مکمل خلوصِ نیت کے ساتھ ان کی تعمیل اوربجاآوری کی پوری کوشش کی جائے،اللہ سبحانہ وتعالیٰ کےحقوق میں سے یقیناًسب سے اہم ترین اوراولین حق عقیدۂ توحیدکااقراروااظہار،اس پرمکمل یقین وایمان،نیزعملی زندگی میں اس کی تصدیق اوراس کے تقاضوں کی تکمیل ہے،روزِازل انسان سے اسی بات کاعہدلیاگیاتھاجس کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے:﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ، قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا ، أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ﴾ (۱)
ترجمہ:(اورجب آپ کے رب نے اولادِآدم کی پشت سے ان کی اولادکونکالااوران سے ان ہی کے متعلق اقرارلیاکہ کیامیں تمہارارب نہیں ہوں؟سب نے جواب دیاکیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔تاکہ تم لوگ قیامت کے روزیوں نہ کہوکہ ہم تواس سے محض بے خبرتھے)۔

چنانچہ اس ارشادِربانی کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحیدکاصدقِ دل سے اقرار واظہاراورہرقسم کےشرک سےاپنادامن بچائے رکھناانسان کےذمےاللہ کی طرف سے

(۱)الاعراف[۱۷۲]

امانت ہے۔

اسی طرح تمام شرعی احکام بھی اللہ کی طرف سے بندے کے ذمے امانت ہیں، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ مقصود ہے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّا عَرَضۡنَا الأمَانَةَ عَلیٰ السَّمٰوَاتِ وَالأرضِ وَ الجِبَالِ فَأبَیۡنَ أنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَأشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الانۡسَانُ﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے [مگر] انسان نے اسے اٹھا لیا)

لہٰذا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ ودیگر تمام عبادات وشرعی احکام ودینی فرائض وواجبات چونکہ اللہ کی طرف سے مقرر فرمودہ ہیں اسلئے یہ سب بھی بندے کے ذمے اللہ کی طرف سے امانت ہیں جن کے بارے میں قیامت کے روز حساب وکتاب ہوگا، لہٰذا بندے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی ان امانتوں کی حفاظت اور پاسداری کرے اور انہیں ضائع کر کے اپنی دنیا وآخرت برباد نہ کرے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ امانت ودیانت:

اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کی ہر عبادت کی صحت اور عنداللہ قبولیت کیلئے اتباعِ سنت ضروری ہے، یعنی وہ عبادت اس ہدایت اور اس طریقے کے مطابق ہو جو اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو سکھایا اور بتایا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِي یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰهُ وَیَغۡفِرۡلَکُمۡ ذُنُوبَکُمۡ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِیۡم﴾ (۲) ترجمہ: (کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری

(۱) الاحزاب [۷۲] (۲) آل عمران [۳۱]

کرو،خوداللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گااورتمہارے گناہ معاف فرمادے گااوراللہ تعالیٰ بڑابخشنے والامہربان ہے)

نیزیہ کہ رسول اللہ ﷺ کو یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے تمام بنی نوعِ انسان کی ہدایت ورہنمائی کی غرض سے اُسوہ حسنہ یعنی بہترین نمونہ بناکرمبعوث فرمایا گیا ہے، لہٰذا مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایات وتعلیمات کواپنے لئے مشعلِ راہ سمجھےاوران تعلیمات کے مطابق عمل کواپنے ذمے امانت تصورکرتے ہوئے آپؐ کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کرےاورنافرمانی سے بچے، کیونکہ دنیاوآخرت میں کامیابی وسرخروئی کیلئے رسول اللہ ﷺ کااتباع ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ارشادہے:﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْأَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (۱)
ترجمہ:(جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی)

نیزارشادِربانی ہے:﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوا﴾(۲) ترجمہ:(اگرتم ان[رسولؐ] کی اطاعت کروگےتب ہی تم ہدایت پاسکوگے)

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (كُلُّ أُمَّتِي يَدخُلُونَ الجَنَّةَ اِلَّا مَن أَبىٰ ، قِيلَ : وَمَن يَأبىٰ يَارَسُولَ اللّٰه؟ قَالَ : مَن أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَن عَصَانِي فَقَدأَبىٰ) (۳) ترجمہ:(میری تمام امت کوجنت میں داخلہ نصیب ہوجائے گاسوائے اس شخص کے جوخودہی[جنت میں جانے سے]انکارکردے،عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ایساکون شخص کون ہوگاجوجنت میں جانے سے خودہی انکارکردے[یعنی جنت کو ٹھکرادے]؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوجائے گا،

(۱)النساء[۸۰] (۲)النور[۵۴] (۳)بخاری[۶۸۵۱] کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

اور جس نے میری نافرمانی کی وہ [جہنم کی] آگ میں جائے گا)(۱)

(۳) انسانوں میں باہمی امانت ودیانت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿فَلیُؤَدِّ الَّذِيْ اؤتُمِنَ أَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾ (۲)
ترجمہ: (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہووہ اسے ادا کردے اور اللہ سے ڈرے جواس کارب ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأمُرُكُم أنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ اِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (۳)
ترجمہ: (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ)

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے امانتوں کو ان کے حقداروں تک پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے، اس کا مفہوم وسیع اور عام ہے، یعنی امانت خواہ مال ودولت، روپے پیسے یا زمین جائیداد کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں ہو، بہرحال اسے اس کے اصل اور حقیقی مستحق کے حوالے کرنا ضروری ہے، جوکوئی جس سلوک کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے، جو جس قدر انعام واکرام اور تحسین وآفرین کا مستحق ہے اسے اس کا یہ جائز حق دیا جائے، جو طالبِ علم جس قدر نمبروں کا مستحق ہے اسے وہ نمبر ضرور دیئے جائیں، جوکوئی جس عہدے یا منصب یا کسی ملازمت کا جائز حق دار ہے اسے اس کا یہ حق ضرور دیا جائے، کسی ملازمت یا عہدے کا معاملہ ہو یا کسی تعلیمی ادارے میں داخلے کا مسئلہ ہو، ایسے مواقع پر جائز حق داروں اور قابل ولائق افراد کو نظر انداز کر کے محض قرابت داری، ذاتی

(۱) متعدد اہلِ علم کے بقول اس حدیث میں ''انکار'' سے مراد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ورسالت کا انکار ہے۔
(۲) البقرہ [۲۸۳] (۳) النساء [۵۸]

تعلقات' سفارش' یارشوت کی بناء پرنااہل اورنالائق افرادکوآگے بڑھانااورترجیح وفوقیت دینا انتہائی بدترین خیانت اورقربِ قیامت کی علامت ہے،جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے:(اِذا وُسِدَ الأمرُ اِلیٰ غَیرِ أهلِهٖ فَانتَظِرِ السَّاعَة)(۱) ترجمہ:(جب کوئی کام[یاعہدہ اورمنصب]کسی ایسےشخص کےحوالےکیاجانے لگےجواس کامستحق نہو،تب تم قیامت کاانتظارشروع کردو)

نیزارشادِنبویؐ ہے:(کُلُّکُم رَاعٍ وَکُلُّکُم مَسئُولٌ عَن رَعِیَّتِه (۲) ترجمہ:(تم میں سے ہرشخص نگہبان ہےاورہرایک سےاس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا)

یعنی اس دنیامیں ہرانسان خواہ وہ چھوٹاہویابڑا،امیرہویافقیر،کسی نہ کسی درجے میں نگہبان ہےاوراس کی کچھ ذمےداریاں ہیں جن کے بارے میں وہ اللہ کےسامنے جوابدہ ہے۔

☆......اگرکوئی کسی ملک یاعلاقے کاحکمران یاسربراہ ہےتوتمام رعیت اس کے ذمے امانت ہےاوروہ اللہ کےسامنےاپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔

☆......کوئی کسی ادارے یاکسی دفتریاکمپنی کاسربراہ ہےتووہاں اس کے ماتحت کام کرنے والےتمام افراداس کے ذمے امانت ہیں اوروہ ان سب کے بارے میں اللہ کےسامنے جوابدہ ہے۔

☆......درس گاہ یاکلاس میں تمام طلبہ استادکےذمےامانت ہیں۔

☆......اگرکوئی ڈاکٹرہےتومریض اس کے ذمے امانت ہیں،نیزمریضوں کی طرف سے اس کے سامنے بغرضِ علاج ظاہرکئے گئے تمام کوائف وحالات اس کے ذمے امانت اورراز ہیں۔

(۱)بخاری[۵۹]کتاب العلم۔نیز:احمد[۸۷۱۴] (۲)بخاری[۴۸۹۲]

☆......اگر کوئی ہوائی جہاز کا پائلٹ ہے یا کسی بھی سواری کا ڈرائیور ہے تو تمام مسافر اس کے ذمے امانت ہیں اور وہ اللہ کے سامنے ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

☆......اگر کوئی مزدور ہے تو مکمل خلوص، لگن، اور محنت وجاں فشانی کے ساتھ درست طریقے سے کام کی انجام دہی اس کے ذمے امانت ہے۔

☆......جبکہ خود یہ مزدور اور اس کی مزدوری اس آجر کے ذمے امانت ہے جس کیلئے یہ مزدور محنت ومشقت اور مزدوری کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (أَعْطُوا الأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبلَ أن يَجِفَّ عَرَقُهُ) (۱) ترجمہ: (مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کردو)

☆......اسی طرح اگر کوئی تاجر ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت اور خرید وفرخت میں امانت ودیانت سے کام لے، ناپ تول نیز وزن اور پیمائش وغیرہ میں کمی بیشی نہ کرے چیزوں میں ملاوٹ نہ کرے، کسی بیکار اور عیب دار چیز کو خریدار کے سامنے اپنی ہوشیاری اور عیاری سے عمدہ ظاہر کر کے فروخت نہ کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوا عَلىٰ النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَ اِذَا كَالُوْهُم أو وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن غَشَّنَا فَلَيسَ مِنَّا) (۳) ترجمہ: (جس نے ہمیں دھوکہ دیا [یا ملاوٹ کی] وہ ہم میں سے نہیں)۔

(۱) ابن ماجہ [۲۴۴۳] (۲) المطففین [۱-۲-۳] (۳) مسلم [۱۰۱] کتاب الایمان۔

قرآن کریم میں متعدد مواقع پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ چیزوں میں ملاوٹ' اور ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام انہیں اس حرکت سے باز رہنے کی مسلسل نصیحت اور وعظ وتلقین فرماتے رہے، مگران پراس وعظ ونصیحت کا قطعاً کوئی اثرنہوا، اوروہ اپنی خیانت وبددیانتی پر مسلسل اَڑے رہے، آخران کے اسی جرمِ عظیم کے نتیجے میں ان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ایسا عذاب نازل کیا گیا کہ اس قوم کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔

لہٰذا یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ کاروباری خیانت وبددیانتی اس قدر گھناؤنا فعل اور ایسا عظیم جرم ہے کہ جس کے نتیجے میں اللہ کا عذاب اور غضب نازل ہوسکتا ہے۔

☆......اسی طرح انسان کے اہل وعیال بھی اس کے ذمے امانت ہیں اور وہ ان کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔

اور یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ انسان کے ذمے اہل وعیال کی یہ ذمے داری محض ان کی ظاہری وجسمانی ضروریات مثلاً خوراک ولباس وغیرہ تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی کردارسازی اور اخلاقی وروحانی تربیت کی ذمہ داری بھی شامل ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً﴾ (۱) ترجمہ: (اے ایمان والو! بچاؤ خود اپنے آپ کو بھی اور اپنے اہل وعیال کو بھی [جہنم کی] آگ سے)۔

☆......اسی طرح دو افراد کے درمیان ہونے والی کوئی گفتگو' یا کسی محفل میں کی جانے والی

(۱) التحریم [٦]

باتیں بھی امانت ہیں اورتمام شرکائے محفل کی یہ دینی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان باتوں کواپنے تک محدودرکھیں اورکسی غیرمتعلق شخص کے سامنے انہیں ظاہرنہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(إِذَا حَـدَّثَ الـرَّجُـلُ الـحَـدِيثَ ثُمَّ التَفَتَ فَهِيَ أَمَانَة) (۱) ترجمہ:(جب کوئی شخص کسی کے سامنے کوئی بات کہے اورپھروہاں سے چلتا بنے تو[اس کی کہی ہوئی] یہ بات بھی[سننے والے کے ذمے] امانت ہے)

☆......اگرکوئی شخص کسی سے کوئی مشورہ طلب کرتاہے،توجس سے مشورہ طلب کیاگیاہے اس کے ذمے یہ بات امانت ہے کہ وہ اپنی دانست کے مطابق مکمل ایمانداری کے ساتھ اسے درست اورمناسب مشورہ دے۔

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (الـمُستَشَـارُ مُؤتَمَن) (۲) یعنی:''جس کسی سے مشورہ طلب کیاجائے وہ[اس چیزکواپنے ذمے امانت تصورکرتے ہوئے]مکمل ایمان داری کے ساتھ مشورہ دے''۔

☆رسول اللہ ﷺ کی امانت ودیانت؛امّت کیلئے اُسوۂ حسنہ:

قرآن کریم میں ارشادہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳) ترجمہ:(تمہارے لئے رسول اللہ[ﷺ] کی ہستی میں یقیناً بہترین نمونہ ہے)

اس ارشادِربانی کی روشنی میں اہلِ ایمان کیلئے یقیناً ہرمعاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں اُسوۂ حسنہ اوربہترین نمونہ موجودہے،لہٰذاامانت ودیانت کے سلسلے میں بھی آپؐ کی حیاتِ طیبہ اورآپؐ کی پاکیزہ سیرت ہمارے لئے مشعلِ راہ اوربہترین نمونہ ہے، چنانچہ اس

(۱) ترمذی[۱۹۵۹] باب ماجاء أنّ المجالس أمانة ۔ (۲) ترمذی[۲۸۲۲] (۳)الاحزاب[۲۱]

بارے میں تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح اورعیاں ہے کہ آپ ﷺ شہر مکہ میں اپنی نوعمری کے زمانے سے ہی ''صادق وامین'' کے لقب سے مشہور تھے، آپ ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ، شرافت، نیکی، سچائی، امانت ودیانت، معصومانہ اور بے داغ زندگی اوراعلیٰ اخلاق وکردار کی وجہ سے آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ کواسی لقب سے پکارتے تھے اورآپ کی امانت ودیانت کے بلاچون وچرامعترف تھے، آپ ﷺ کو کفارِ مکہ نے ہر قسم کی جسمانی اور ذہنی تکلیفیں پہنچائیں، کبھی آپ کا مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا گیا، کبھی آپؐ پر پتھر برسائے گئے اورلہولہان کیا گیا، کبھی ان بدبختوں نے آپ کو جادوگراور کبھی دیوانہ کہا، غرضیکہ دشمنانِ اسلام آپ کو جس قدر جسمانی ونفسیاتی تکلیفیں پہنچاسکتے تھے انہوں نے وہ تکلیفیں پہنچائیں اوراس میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، مگراس کے باوجود کبھی کسی بدترین دشمن نے بھی آپ ﷺ کو بددیانت یا خائن اور بے ایمان نہیں کہا......اور یہ بھی تاریخِ عالم کا یقیناً ایک بڑا اعجوبہ ہے کہ ہجرت کی رات جب کفارِ مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کے قتل کی سازش تیارتھی اوراس مقصد کیلئے تمام ضروری کارروائی اورتیاری مکمل کی جاچکی تھی، آپؐ کے قتل کی غرض سے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا جاچکا تھااور چاق وچوبند جوانوں کی ایک بڑی تعداد ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے مستعد اورتیارکھڑی تھی، اس وقت بھی ان بدبختوں اور بدترین دشمنوں کی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس تھیں، کس قدر عجیب بات ہے کہ کفارِ مکہ جوآپس میں بہترین دوست تھے، ایک ساتھ گھومتے پھرتے، جوئے کی بازیوں میں اورشراب کی محفلوں میں وہ سب ساتھ ہوتے، مگراس کے باوجودانہیں آپس میں ایک دوسرے پربھروسہ نہیں تھا، پورے شہر مکہ میں انہیں اگر کسی پر بھروسہ تھا، تو وہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی شخصیت تھی۔

نیز رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر امانت ودیانت بھی ملاحظہ ہو کہ آپ ﷺ اگر چاہتے تو ان کی وہ سب امانتیں اپنے ساتھ مدینہ لے جاتے......لیکن آپ ؐ نے ایسا نہیں کیا، آپ ؐ نے یہ نہیں سوچا کہ انہی کفارِ مکہ کی بدسلوکیوں اور ایذا رسانیوں کی وجہ سے تو میں گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہو رہا ہوں، انہی کے مظالم اور سختیوں کی وجہ سے میں اپنے آباء واجداد کے شہر سے جدائی اور ہجرت پر مجبور ہو گیا ہوں، لہٰذا......چلو چلتے چلتے میں ان کی امانتیں بھی سمیٹ کر اپنے ساتھ لیتا جاؤں...... !! آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ سفرِ ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ سے اپنی خفیہ روانگی سے قبل آپ ؐ نے وہ تمام امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کرتے ہوئے انہیں اس بات کی خاص تاکید فرمائی کہ میری روانگی کے بعد یہ تمام امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کر دی جائیں، یقیناً امانت ودیانت کی یہ ایسی مثال ہے کہ دنیا جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

☆ گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی امانت ودیانت:

قرآن کریم میں سورہ الشعراء میں متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے تذکرہ میں ایک بات خاص طور پر ذکر کی گئی ہے، وہ یہ کہ ان میں سے ہر نبی نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہا: ﴿اِنِّيۡ لَكُمۡ رَسُولٌ أَمِيۡنٌ﴾ (۱) یعنی: ''میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اس حال میں کہ میں ''امین'' یعنی امانت دار ہوں''۔

اس سے امانت ودیانت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، کیونکہ اس سورت میں بار بار گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اس صفت (امانت ودیانت) کا بطورِ خاص تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) الشعراء [۱۰۷۔۱۲۵۔۱۴۳۔۱۶۲۔۱۷۸]

☆ **جبریل علیہ السلام کی امانت ودیانت:**

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ العَالَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِيْنُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ المُنْذِرِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (اوریقیناً یہ [قرآن] تورب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ [ﷺ] کے دل پراترا ہے کہ آپ آگاہ کردینے والوں میں سے ہوجائیں)

اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کیلئے ''امین'' یعنی : امانت دار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿...... مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِيْن﴾ (۲) ترجمہ: (...... جس کی وہاں [آسمانوں میں] اطاعت کی جاتی ہے، جو امین ہے)(۳)

اس آیت میں بھی ''امین'' سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔

غورطلب بات ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں اور جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بہت ہی خاص اور بلندترین مقام ومرتبہ ہے، انہیں قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ''امین'' کے لقب سے یاد کیا جانا یقیناً ''امانت ودیانت'' کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتا ہے۔

☆......لہٰذا ہر مسلمان کو اس بارے میں غور وفکر کرنے، نیز ''امانت ودیانت'' کے حوالے سے مکمل خلوصِ نیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنا محاسبہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) الشعراء [۱۹۲۔۱۹۳۔۱۹۴] (۲) التکویر [۱۲]

(۳) یعنی وہاں آسمانوں میں تمام فرشتے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی اطاعت وفرمانبرداری اوران کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

''ایفائے عہد''

انسانی معاشرے میں باہم ذاتی معاملات ہوں' یا تجارتی وکاروباری امور ہوں' کوئی اخلاقی مسئلہ یا قول وقرار ہو' یا مالی لین دین اور خرید وفروخت سے متعلق کوئی عہد وپیمان ہو' بہرحال ان تمام امور کا انحصار بڑی حد تک آپس کے وعدوں اور معاہدوں پر ہی ہوتا ہے، اگر ان باہمی وعدوں اور قول وقرار کی پابندی کا اہتمام والتزام ہو تو معاشرے میں روزمرہ کے تمام امور بخیر وخوبی چلتے رہتے ہیں، جبکہ قول وقرار یا وعدے کی خلاف ورزی' یا معاہدے سے انحراف کی صورت میں باہمی اعتماد مجروح ہوجاتا ہے، دلوں میں وسوسے اور اندیشے پیدا ہونے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں تمام معاملات بگڑ جاتے ہیں اور معاشرے کی دیواروں میں شگاف پڑنے لگتے ہیں' اور یوں معاشرہ زوال وانحطاط کا شکار ہوجاتا ہے۔

لہٰذا معاشرے میں ''وفاء'' یا ''ایفائے عہد'' کو یقیناً بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے قرآن وحدیث میں ''ایفائے عہد'' کی بار بار تاکید وتلقین کی گئی ہے، اور اسے ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

☆ چنانچہ قرآن کریم میں اہلِ ایمان کے اوصاف کے تذکرہ کے ضمن میں ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ (۲) ترجمہ: (جو اللہ کے عہد وپیمان کو پورا کرتے ہیں اور قول وقرار کو توڑتے نہیں)

(۱) المؤمنون [۸] نیز: المعارج [۳۲] (۲) الرعد [۲۰]

جبکہ اس کے برعکس ''عہد شکنی'' یا وعدہ خلافی'' کو نفاق کی علامت اور فاسقوں کا شیوہ بتایا گیا ہے۔

چنانچہ کفار و منافقین کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ یُّوصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِي الأَرْضِ أولٰٓئِكَ هُمُ الخَاسِرُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے' انہیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَ مَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَجَدْنَا أَکْثَرَهُمْ لَفَاسِقِیْنَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور ان میں سے اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا)

☆''ایفائے عہد'' کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن کریم میں متعدد مواقع پر اس کی تاکید و تلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ أَوفُواْ بِالعُقُوْدِ﴾ (۳) ترجمہ:(اے ایمان والو! عہد و پیماں پورے کرو)

نیز ارشاد ہے:﴿وَأَوفُوا بِالعَهْدِ اِنَّ العَهْدَ کَانَ مَسْئُولًا﴾ (۴) ترجمہ:(اور پورا کرو وعدے کو، کیونکہ یقیناً وعدوں کے بارے میں باز پرس کی جائیگی)

☆خصوصاً جب کوئی معاہدہ اللہ کے نام پر کیا گیا ہو' معاہدہ کرتے وقت اللہ کا واسطہ دیا گیا ہو' یا اللہ کی قسم کھائی ہو' تو ایسے حلفیہ معاہدے کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت تو بہت زیادہ

(۱) البقرۃ[۲۷] (۲) الاعراف[۱۰۲] (۳) المائدۃ[۱]
(۴) الاسراء/بنی اسرائیل[۳۴]

بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہ تو گویا اللہ کے ساتھ معاہدہ ہے ،لہٰذا ایسے معاہدے کی حفاظت اوراس کالحاظ انتہائی ضروری ہے بلکہ جزوِایمان ہے،اوراس کی خلاف ورزی انتہائی سنگین جرم اور قبیح ترین عمل ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُواْ ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(اوراللہ تعالیٰ سے جوعہد کیاہےاس کو پورا کرو،اس بات کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیاہے تاکہ تم یاد رکھو)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَ أوفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلاً اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوراللہ کےعہد کو پورا کرو جب تم آپس میں قول وقرار کرو،اورقسموں کوان کی پختگی کے بعد مت توڑو' حالانکہ تم اللہ کواپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو'تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کوبخوبی جان رہاہے)

ارشادِ ربانی:﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳) کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی ہستی ہمارے لئے زندگی کے ہر معاملے میں اور ہر شعبے میں بہترین نمونہ اورمثال ہے۔''ایفائے عہد'' کے حوالے سے آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح وعیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہر معاہدے کی مکمل پابندی فرمائی ،تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کفار ومشرکین اور بدترین دشمنوں کے ساتھ کئے گئے ہر معاہدے کا بھی مکمل احترام ولحاظ رکھا،اور یوں آپ ﷺ نے تمام دنیائے انسانیت کیلئے روشن اورقابلِ تقلید مثال قائم فرمائی۔

(۱)الانعام[۱۵۲] (۲)النحل[۹۱] (۳)الاحزاب[۲۱]

نیز آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے امت کو بھی ہمیشہ ''ایفائے عہد'' کا حکم دیا، اور ''عہد شکنی'' یا ''غداری'' سے باز رہنے کی تاکید وتلقین فرمائی' اور اسے منافقین کا شیوہ قرار دیا۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (آيَةُ الـمُنَـافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ أخـلَفَ ، وَ اِذَا اؤتُـمِـنَ خَـانَ) (۱) ترجمہ: (منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو اس میں خیانت کرے گا)

اسی طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (لِـكُـلِّ غَـادِرٍ لِوَاءٌ عِندَ اِستِهٖ يَومَ القِيَامَةِ) (۲)
ترجمہ: (قیامت کے روز ہر غدار کی پیٹھ پر ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا)

یعنی ہر ''عہد شکن'' یا ''غدار'' کے ساتھ قیامت کے روز یہ سلوک کیا جائیگا کہ اس کی پیٹھ پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا' تاکہ وہ شخص خوب نمایاں ہو جائے، اور تمام خلقِ خدا اس منظر کو دیکھ لے اور اس بات کو جان لے کہ یہ شخص ''غدار'' ہے۔

☆ ''ایفائے عہد'' کی اہمیت کے ضمن میں یہ بات بھی ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ انسان کیلئے سب سے اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے روزِ ازل اپنے خالق ومالک کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی مکمل اطاعت وبندگی کا عہد' صرف اسی کی عبادت کا عہد' ''عقیدۂ توحید'' پر قائم رہنے اور ہر قسم کے شرک' اور معصیت وضلالت سے مکمل اجتناب کا عہد......!!

(۱) بخاری [۳۳] باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری: [۲۵۳۶] [۲۵۹۸] [۵۷۴۴] ۔ مسلم [۵۹] باب بیان خصال المنافق ۔ ترمذی [۲۶۳۱] باب ماجاء فی علامۃ المنافق ۔ احمد [۸۶۷۰]
(۲) مسلم [۱۷۳۸] کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم الغدر۔

اسی عہد کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿وَ اِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ، قَالُوا بَلىٰ شَهِدْنَا﴾ (۱) ترجمہ: (اور جب آپؐ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں)

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے: ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيٓ آدَمَ أَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَ أَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (۲) ترجمہ: (اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت کرنا، سیدھی راہ یہی ہے)

لہٰذا مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ کئے ہوئے اپنے اس عہد کو ہمیشہ یاد رکھے، اس کے ذہن میں اس بارے میں جوابدہی کا احساس بیدار رہے، اور اس عہد وپیمان کو نبھانے کی فکر دامن گیر رہے۔

☆ضروری تنبیہ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ''ایفائے عہد'' کے ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بسااوقات تنگدستی ومشکلات اور فقر وفاقہ میں مبتلا کوئی انسان یہ حسرت وآرزو کرتا ہے کہ کاش اس کے دن پھر جائیں، اسے بھی خوشحالی وآسودگی اور سکھ چین کی زندگی نصیب ہوسکے...... اس مقصد کیلئے وہ اپنے خالق ومالک کے سامنے التجاء وفریاد اور خوب آہ وزاری بھی کرتا ہے۔

(۱) الاعراف [۱۷۲] (۲) یٰسٓ [۶۱]

لیکن اس بارے میں عام مشاہدہ یہ ہے کہ جونہی فقر وفاقہ میں مبتلا اس انسان کی دعاء وفریاد رنگ لاتی ہے' اور اسے اللہ کے فضل وکرم اور انعام واحسان کی بدولت خوشحالی وفروانی نصیب ہونے لگتی ہے' تو اس کے زاویۂ نگاہ' اندازِ فکر' رہن سہن' نشست وبرخواست' اور رفتار وگفتار میں خاص قسم کی تبدیلی آجاتی ہے، اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس تبدیلی کا سب سے اہم عنصر یہ ہوتا ہے کہ اب اس کی ہر ہر ادا اور ہر نقل وحرکت میں آزاد خیالی' شرعی احکام وتعلیمات سے غفلت وروگردانی' نیز اخلاقی حدود وقیود سے دوری وبیزاری کی جھلک نمایاں ہونے لگتی ہے، اور وہ بزبانِ حال اس بات کا اظہار واعلان کرنے لگتا ہے کہ اب اس کی نظر میں شرعی احکام وتعلیمات' دینی آداب' اور اخلاقی حدود وقیود کی کوئی اہمیت نہیں' اور یہ کہ یہ تمام چیزیں تو محض دقیانوسی اور فرسودہ قسم کے خیالات کا مجموعہ ہیں' جو کہ صرف پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے فقراء ومساکین کو ہی زیب دیتے ہیں۔

حالانکہ مروت بلکہ ''وفاداری'' کا تقاضا تو یقیناً یہ ہے کہ بندے کیلئے اس کے خالق ومالک کی طرف سے جس قدر نعمتوں اور احسانات میں اضافہ ہو' اسی قدر بندے کی طرف سے بھی اپنے خالق ومالک اور منعم ومحسن کی عبادت وبندگی' اس کی اطاعت وفرمانبرداری' اور اس کے سامنے عجز وانکسار کے جذبات میں بھی ترقی واضافہ ہوتا چلا جائے، اس مہربان آقا کے سامنے اس کی جبینِ نیاز جھکتی چلی جائے، اور اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہو، نیز یہ خوف دامن گیر رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی کسی حرکت یا لغزش سے ناراض ہو کر اس کا وہ منعم ومحسن اپنی عطاء کردہ نعمتیں واپس لے لے......!!

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنّا أعطَيْنَاكَ الكَوْثَرَ ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ﴾ (۱)

(۱) الکوثر [۱-۲]

ترجمہ: (ہم نے آپ کو خیر کثیر عطاء کی ہے، پس آپ اپنے رب کیلئے نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے)

ان آیات کے معانی ومفاہیم میں تدبر اور غور وفکر کرنے پر ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے کسی بندے پر انعام واحسان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جس قدر انعام واحسان میں اضافہ ہو' بندہ بھی اسی قدر اپنے مولیٰ اور منعم ومحسن کے ساتھ وفاداری 'احسان مندی اور اس کی عبادت گذاری کا اہتمام والتزام کرے، اس کی رضامندی وخوشنودی کے حصول کیلئے' نیز اس کی خفگی وناراضگی سے بچنے کیلئے کوشش وجستجو میں مشغول ومنہمک رہے، یہی قرآن کا پیغام ہے اور یہی اہلِ ایمان کی شان ہے۔

جبکہ اس کے برعکس تنگدستی وفقر وفاقہ' یا کسی مہلک وجان لیوا مرض' یا اور کسی بھی قسم کی آفت ومصیبت میں مبتلا شخص کو اگر اللہ کے فضل وکرم سے ان مشکلات وآفات سے نجات نصیب ہوجائے، اور فقر وفاقہ کی بجائے خوشحالی وفراوانی اور ہر طرح کی آسودگی میسر آجائے' ایسے میں وہ شخص اپنے منعم ومحسن کا شکر گذار بننے اور اس کی اطاعت شعاری کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اس سے غفلت واعراض اور اس کی نافرمانی کی راہ اپنا لے تو یقیناً یہ بہت بڑی بدنصیبی ہوگی، بلکہ یہ تو اپنے خالق ومالک اور منعم ومحسن کے ساتھ بہت بڑی بیوفائی' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ تو بہت ہی بڑا نفاق ہوگا، کیونکہ قرآن کریم میں اس چیز کو منافقین کا شیوہ قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمِنْهُم مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ، فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَ تَوَلَّوا وَهُمْ مُعْرِضُونَ، فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقاً فِي قُلُوبِهِمْ اِلىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا

وَعَـدُوهُ وَ بِـمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ، أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوَاهُمْ وَ أَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الغُيُوبِ﴾ (۱)

ترجمہ:(اوران میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرورصدقہ وخیرات کریں گے،اورخوب نیکوکاروں میں ہوجائیں گے۔لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخل کرنے لگے اورٹال مٹول کر کے منہ موڑلیا۔پس اس کی سزامیں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملاقات کے دن تک، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کے خلاف کیا اور کیونکہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کوان کے دل کا بھیداوران کی سرگوشی سب معلوم ہے،اوراللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں سے خبردار ہے)۔

(۱)التوبۃ[۷۵۔۷۶۔۷۷۔۷۸]

''عدل وانصاف''

''عدل وانصاف'' کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ معاشرے میں اگر ہر فرد کو اس کا جائز حق اور اس کی محنت کا صلہ ومعاوضہ ملتا رہے تو خیریت وعافیت' امن وامان اور سکون واطمینان کی فضا قائم رہتی ہے۔ لیکن اگر انسان کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا جائے اور اس کی محنت کا صلہ نہ دیا جائے تو وہ احساسِ محرومی کا شکار ہو جاتا ہے، اور اس کے دل میں انتقامی جذبات بھڑکنے لگتے ہیں، اس کی تعمیری صلاحیتیں تخریبی سرگرمیوں کی نذر ہو جاتی ہیں، اور یوں خیر وخوبی اور ترقی وبہتری کی طرف سفر کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے اور معاشرہ شکست وریخت اور زوال وانحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔

☆......نیز ''عدل وانصاف'' کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اپنے ''کلام'' کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَّ عَدْلاً﴾ (۱) ترجمہ: (اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام' اس کا ہر حکم اور ہر فیصلہ سچائی اور عدل وانصاف پر مبنی ہے۔

☆......نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں العَدْل اور المُقْسِط بھی شامل ہیں۔ ان دونوں کے معنیٰ ہیں ''انصاف کرنے والا''۔ یعنی عدل وانصاف تو خود ربِ کائنات اور خالقِ ارض وسماء کی پاکیزہ صفات میں سے ہے، اس رب نے اس تمام کائنات کو انصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اور اس نظامِ کائنات کی بنیاد بھی

(۱) الانعام [۱۱۵]

عدل وانصاف ہی پر رکھی ہے، اور پھر اپنے بندوں کو بھی اپنے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یوں خالقِ ارض وسماء نے اس اہم ترین راز کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اس کائنات کی بقاء' اور انسانیت کی بہتری وترقی اور فلاح وبہبود کا تمامتر انحصار عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل پاسداری پرہی ہے۔ لہٰذا بندے اگر باہم انصاف کو قائم رکھیں گے تو یہ نظامِ کائنات بھی بدستور جاری وساری اور رواں دواں رہے گا۔ لیکن اگر بندوں نے انصاف کا خون کرڈالا تو یہ نظامِ کائنات بھی تہ وبالا اور درہم برہم ہوجائے گا، لہٰذا قانونِ قدرت یہی ہے کہ خواہ کوئی چھوٹا سا گھر یا جھونپڑی ہو' کوئی محل یا حویلی ہو' کوئی کارخانہ یا فیکٹری ہو' کوئی ادارہ یا کمپنی ہو' کوئی مملکت یا عظیم الشان سلطنت ہو' جب تک وہاں انصاف کا بول بالا رہے گا اُس وقت تک وہاں خیر وخوبی اور عافیت وسلامتی رہیگی۔ لیکن جب انصاف کے تقاضوں کی پامالی شروع ہوجائیگی تو پھر وہاں جلد یا بدیر کبھی نہ کبھی ضرور تباہی وبربادی آکر ہی رہے گی، اور پھر کچھ بھی نہیں بچے گا، سبھی کچھ جل کر خاکستر ہوجائے گا، اور پھر جب اس دنیا میں ظلم وستم اور حق تلفی وناانصافی کا سلسلہ حد سے بڑھ جائیگا تب آخرکار قیامت برپا ہوجائیگی اور تمام کائنات ہی کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا (۱) کیونکہ خالقِ کائنات نے اس کائنات کی بنیاد ہی ''انصاف'' پر رکھی ہے

(۱) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ''علاماتِ قیامت'' کے تذکرہ میں ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ:
(يَمُرّ الرجُلُ بِقَبرِ الرَجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيتَنِي مَكَانَهُ) (بخاری [٦٦٩٨] کتاب الفتن، باب: لاتقوم الساعة حتیٰ يغبط أهل القبور) ''یعنی انسان کسی قبر کے قریب سے گذرتے وقت یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس قبر میں موجود اس مردے کی جگہ میں دفن ہوتا''۔
مقصد یہ کہ ظلم وستم اور زیادتی وناانصافی کا سلسلہ اس قدر بڑھ چکا ہوگا کہ انسان موت کی تمنا کرے گا، قبر میں پڑے ہوئے مردے کو خوش نصیب اور خود کو بدنصیب تصور کریگا۔

یہی مفہوم ہےاس ارشادِ ربانی کا:﴿وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ المِيْزَانَ أَلَّا تَطْغَوا فِيْ المِيْزَانِ وَ أَقِيْمُوا الوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَاتُخْسِرُوا المِيْزَانَ﴾ (۱) ترجمہ:(اسی نے آسمان کو بلند کیا اوراسی نے ترازو رکھی،تا کہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو)یعنی تولنے میں انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

☆......نیز قرآن کریم میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت اوران کی طرف آسمانی کتابوں کے نزول کے جومقاصد بیان کئے گئے ہیں'ان میں سے ایک مقصد ''اقامتِ عدل'' بھی ہے،جیسا کہ اس ارشادِ ربانی میں اسی بات کا تذکرہ ہے:﴿لَقَدْ أَرسَلْنَا رُسُلَنَا بِالبَيِّنَاتِ وَ أَنزَلْنَا مَعَهُمُ الكِتَابَ وَالمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۲) ترجمہ:(یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا'اوران کے ساتھ کتاب اورمیزان[ترازو] نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل پر قائم رہیں)

نیز قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشادہے:﴿وَإنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَينَهُم بِالقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ المُقْسِطِيْنَ﴾ (۳) ترجمہ:(اوراگرآپ فیصلہ کریں توان میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے ، یقیناً اللہ پسند فرماتا ہےعدل کرنے والوں کو)

نیز ارشادہے:﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّيْ بِالقِسْطِ﴾ (۴) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیاہےانصاف کا)

اسی طرح ارشادہے:﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ (۵) ترجمہ:(اور مجھے حکم دیا گیاہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں)

---

(۱)الرحمٰن[۷-۸] (۲)الحدید[۲۵] (۳)المائدۃ[۴۲] (۴)الاعراف[۲۹]
(۵)الشوریٰ[۱۵]

☆......''عدل وانصاف'' کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن وحدیث میں بار بار زندگی کے ہر معاملے میں عدل وانصاف کو قائم کرنے' نیز ظلم وزیادتی اور حق تلفی وناانصافی سے اجتناب کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأمُرُ بِالعَدْلِ وَالِاحْسَانِ﴾ (۱)
ترجمہ:(اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا)

نیز ارشاد ہے:﴿وِاِذا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۲)
ترجمہ:(اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)

نیز ارشاد ہے:﴿وَ أقْسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۳)
ترجمہ:(اور انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿يَا أيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُوْنُوا بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلىٰ أنْفُسِكُمْ أوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِيْنَ﴾ (۴) ترجمہ:(اے ایمان والو!عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوشنودی کیلئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ' گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو' یا اپنے ماں باپ' یا عزیزوں رشتے داروں کے خلاف ہو)

یعنی اہلِ ایمان کو اس بات کا حکم دیا جارہا ہے کہ ہمیشہ سچی اور عدل وانصاف پر مبنی بات کہا کریں' خواہ بظاہر وہ بات خود اپنے ہی خلاف ہو، یا اس میں بظاہر خود اپنے لئے' یا اپنے والدین' یا عزیز واحباب کیلئے کسی نقصان کا اندیشہ ہو۔

نیز ارشاد ہے:﴿وَ اِذَا قُلْتُم فَاعْدِلُوا وَلَوْكَانَ ذَا قُرْبىٰ﴾ (۵) ترجمہ:(اور جب تم بات کروتو انصاف کرو' گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو)

(۱)النحل[۹۰] (۲)النساء[۵۸] (۳)الحجرات[۹] (۴)النساء[۱۳۵]
(۵)الانعام[۱۵۲]

☆......یہاں تک کہ قرآن کریم میں کفارومشرکین اوردشمنانِ اسلام کے ساتھ بھی ''اقامتِ عدل'' کی تاکید کی گئی ہے،ارشادِ ربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوَّامِینَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُم شَنَآنُ قَوْمٍ عَلیٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَیٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (۱)
ترجمہ:(اے ایمان والو!تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہوجاؤ، راستی اورانصاف کےساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پرآمادہ نہ کردے،عدل کیا کروجوپرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے،اوراللہ سے ڈرتے رہو،یقیناًاللہ تمہارے اعمال سے باخبرہے)
یعنی اس آیت میں دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کے اصولوں اور تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری کاحکم دیا گیاہےاورساتھ ہی اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید بھی کی گئی ہے،اور یہ بات بھی یاددلادی گئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کے تمام اعمال سے (جن میں اقامتِ عدل، یااس کے برعکس ظلم زیادتی اورحق تلفی بھی شامل ہے) خوب باخبرہے۔
☆......یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن وحدیث میں اقامتِ عدل کی یہ اس قدرتاکیدوتلقین محض کسی مخصوص طبقے کیلئے نہیں ہے، بلکہ یہ تاکیدوتلقین ہرانسان کیلئے ہے،کیونکہ ہرانسان کسی نہ کسی درجہ میں صاحبِ قدرت اورصاحبِ اختیار ہے۔
☆......چنانچہ اگرکوئی بادشاہ یاحکمران اورسربراہِ مملکت ہے، تواس کیلئے بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری بہرصورت ضروری ولازمی ہے، بلکہ عادل بادشاہ کیلئے تورسول اللہ ﷺ کی طرف سے بہت بڑی خوشخبری ہے۔

(۱)المائدۃ[۸]

چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے: (سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ يَومَ لَاظِلَّ اِلّا ظِلُّهٗ:اَلِاِمَامُ الْعَادِلُ............) (۱) ترجمہ:(سات قسم کے افراد ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بطورِ خاص سایہ میں جگہ عطاء فرمائیں گے' جبکہ اُس روز اس کے سوا اور کہیں کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا بادشاہ............)

یعنی قیامت کے روز جب سورج انتہائی قریب آچکا ہوگا اور اپنی مکمل آب وتاب کے ساتھ لوگوں کے سروں پر آگ برسا رہا ہوگا، گرمی کی حدت وشدت کی وجہ سے لوگوں کا برا حال ہوگا اور سب ہی لوگ انتہائی پریشانی کے عالم میں ہوں گے' لوگ پسینوں میں شرابور ہو رہے ہوں گے، بلکہ بہت سے لوگ تو پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے......اس قدر تکلیف دہ اور جان لیوا صورتِ حال میں کچھ ایسے خوش نصیب افراد بھی ہوں گے جنہیں اس روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص سایہ میں جگہ عطاء کی جائیگی' جبکہ اس روز تمام کائنات اور زمین وآسمان میں اس کے سوا اور کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا، اور پھر خاص طور پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ سات قسم کے افراد جن کا اس حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے' جنہیں اُس روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص سایہ میں جگہ عطاء کی جائیگی' ان میں سے سب سے پہلے ''عادل بادشاہ'' کا تذکرہ ہے۔جس سے یقیناً بادشاہ اور حکمران کیلئے ''عدل وانصاف'' کی ضرورت واہمیت واضح ہوتی ہے' نیز اس سے ''عادل بادشاہ'' کا مقام ومرتبہ اور ''عدل وانصاف'' کی ضرورت واہمیت بھی واضح وثابت ہوتی ہے۔

☆......حکمران' یا سربراہِ مملکت ہی کے مفہوم میں ہر وہ شخص بھی شامل ہے جو کسی بھی ادارے کا سربراہ یا سرپرست ہو، یا جس کی زیرِ نگرانی یا زیرِ سرپرستی کچھ لوگ کوئی کام کاج

(۱) بخاری[۶۲۹] باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد۔ نیز[۱۳۵۷] باب اذا تصدق علیٰ ابنہٖ وھو لایشعر۔ نیز: مسلم[۱۰۳۱] باب فضل اخفاء الصدقۃ۔

انجام دینے پر مامور ہوں، چنانچہ ایسے ہر شخص کیلئے بھی اپنے ماتحت عملہ کے تمام افراد کے درمیان عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری ضروری ولازمی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (کُلُّکُم رَاعٍ وکُلُّکُم مَسئولٌ عن رَعِیَّتِہٖ……)

(۱) ترجمہ: (یادرکھو! تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے، اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہے……)

یعنی خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، کسی ملک وقوم کا سربراہ اور بادشاہ ہو یا چرواہا اور گلہ بان، امیر وکبیر اور سرمایہ دار ہو یا غریب مزدور اور کسان…… ہر شخص کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار اور نگہبان ہے، اور اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔

☆……اسی طرح ہر انسان کیلئے اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف سے کام لینا اور ہر قسم کی ناانصافی سے مکمل اجتناب انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ بچے اگر اپنے والدین کو ناانصافی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو اپنی آئندہ زندگی میں شاید وہ خود بھی اسی برائی کو اپنالیں، جس کا یقینی نتیجہ ان کیلئے دنیا وآخرت میں خسارہ وبربادی ہی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

نیز یہ کہ بچوں کو اگر خود اپنے والدین سے ہی انصاف نہ مل سکے تو پھر انہیں دنیا میں اور کہاں انصاف مل سکے گا اور اس دنیا میں ان سے بڑھ کر محروم وبدنصیب اور کون ہوگا……؟ یقیناً یہ کتنا بڑا المیہ ہوگا اور خود والدین کے ہاتھوں اپنے جگر گوشوں پر یہ کس قدر ظلمِ عظیم ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ کہ والدین کی طرف سے ناانصافی کے نتیجہ میں بچوں میں باہم حسد اور نفرت وعداوت وغیرہ جیسے انتہائی مہلک اور خطرناک قسم کے جذبات اور بدترین روحانی واخلاقی امراض پیدا ہونے لگتے ہیں اور ان کے دلوں میں انتقام کا ایک آتش فشاں جوش مارتا رہتا

(۱) بخاری، باب: الجمعۃ فی القریٰ والمدن [۸۵۳] نیز: باب اذا أتاہ خادمہ بطعامہ [۲۴۱۹] نیز: باب قوا انفسکم واہلیکم ناراً [۴۸۹۲] نیز: کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم [۶۷۱۹]

ہے' جوکہ کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے اوراُبلتے اور دہکتے ہوئے لاوے کی شکل میں وہ گھر بار بلکہ تمام خاندان کوتباہ وبربادکرسکتا ہے، قدرت کے بنائے ہوئے مقدس ونازک ترین رشتوں کو ہمیشہ کیلئے جلاکرخاکستراورنیست ونابودکرسکتا ہے۔

لہٰذاانسان کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ اپنے بچوں میں باہم شکل وصورت' نقوش' یارنگت کی بناء پرکسی قسم کی تفریق' یابیٹے اوربیٹی میں اپنے رویہ وسلوک' پیارومحبت' ہدیہ وتحفہ مالی انعام واکرام' یااورکسی بھی معاملہ میں کسی بھی قسم کی اونچ نیچ' کمی بیشی' یاتمیزوتفریق کے ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب کودعوت نہ دے'اورخوداپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے دنیاوآخرت میں بدبختی وبربادی کا سامان نہ کرے،اوراللہ کی دی ہوئی عقل اورہوش وحواس سے کام لیتے ہوئے ذرہ اس بارے میں غوروفکرکرے کہ خوبصورتی یابدصورتی' کالا یا گورا ہونا' لڑکا یالڑکی ہونا...... یہ سب کچھ بچوں کے اپنے اختیارمیں تونہیں ہے، یہ سب تومحض اللہ کی طرف سے ہے، جس کی مشیت ومرضی کے سامنے چھوٹے بڑے' امیروغریب' بادشاہ وفقیرسب ہی مجبوروبےبس ہیں ......، توپھرمحض ان اسباب کی بناء پراپنے بچوں کے ساتھ پیارومحبت اوررویہ وسلوک میں تفریق وامتیاز برتنااورناانصافی کی راہ اپنانا کہاں کی دانشمندی ہے......؟

☆......قرآن وحدیث میں اقامتِ عدل کی تاکیدوتلقین کے ساتھ ساتھ ''ظلم'' کی مذمت بیان کی گئی ہے اورزندگی کے ہرشعبہ اورہرمعاملہ میں اس سے مکمل اجتناب کاحکم دیا گیاہے۔

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: (يَـا عِبَـادِي اِنّـِي حَـرَّمتُ الظُّلمَ عَلَىٰ نَفسِي، وَجَعَلتُهُ بَينَكُم مُحَرَّماً، فَلَا تَظَالَمُوا) ترجمہ: اے میرے

بندو! میں نے ''ظلم'' کوخود اپنے اوپر حرام قرار دے رکھا ہے، اور تمہارے لئے بھی میں نے اسے حرام ہی قرار دے دیا ہے، اس لئے تم بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو)(۱)

نیز قرآن وحدیث میں بار باریہ ''قانونِ قدرت'' یاددلایا گیا ہے کہ ظلم وناانصافی اورحق تلفی وزیادتی قوموں کی تباہی وبربادی کا اہم ترین سبب ہے۔لہٰذاوہ کوئی ملک ہو یاادارہ' کوئی گھر ہو یا کارخانہ' جہاں ظلم وزیادتی ہوگی ،وہاں ضرورتباہی وبربادی آکرہی رہیگی ،وہ بستی ضرورکھنڈر بنے گی ،وہ آبادی ضرورویرانے میں تبدیل ہوگی اورآئندہ نسلوں کیلئے سامانِ عبرت بن جائے گی،وہ گھرضروراجڑ جائے گا،وہاں کی خوشیاں ضرورغموں میں 'اور مسکراہٹیں ضرورآہوں اورسسکیوں میں بدل کررہیں گی......!یہی قانونِ قدرت ہے، جسے کوئی بدل نہیں سکتا......!!

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُم لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوعِداً﴾ (۲) ترجمہ:(یہ ہیں وہ بستیاں جنہیں ہم نے ان کے مظالم کی بناء پرغارت کردیااوران کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعادمقررکررکھی تھی)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ أَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْماً آخَرِيْنَ﴾ (۳) ترجمہ:(اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کردیں جوظالم تھیں اوران کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کردیا)

نیزارشاد ہے: ﴿فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ﴾ (۴) ترجمہ:(بہت سی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ وبالاکردیا' اس لئے کہ وہ ظالم تھے، پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی

(۱)مسلم[۲۵۷۷] کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم۔
(۲)الکہف[۵۹] (۳)الانبیاء[۱۱] (۴)الحج[۴۵]

ہیں، اور بہت سے آباد کنوئیں بیکار پڑے ہیں، اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(یہ ہیں ان کے مکانات جوان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں، جولوگ علم رکھتے ہیں ان کیلئے اس میں بڑی نشانی ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (۲) ترجمہ:(تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے، بیشک اس کی پکڑ دردناک اور نہایت سخت ہے)

غورطلب بات ہے کہ گذشتہ تمام آیات میں ان گذشتہ اقوام میں سے ہر ایک کی تباہی وبربادی اوران کے گھروں کے اجڑ جانے کا سبب یہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ''ظالم'' تھے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ذہنوں میں رہنا چاہئے: (اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ، فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ) (۳) ترجمہ:(مظلوم کی بددعاء سے ڈرو، کیونکہ اس کے اوراللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے)

☆......''ظالموں'' کیلئے دنیا میں اس تباہی وبربادی اور پھر اس دنیاوی عذاب کے علاوہ

(۱) النمل[۵۲] (۲) ہود[۱۰۲]

(۳) ☆بخاری[۱۴۲۵] باب أخذ الصدقات من الأغنیاء وترد في الفقراء...... نیز:[۱۶۲۳] باب عفو المظلوم۔ نیز:[۴۰۹۰] باب بعث أبي موسیٰ ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہما الی الیمن...... ☆مسلم[۱۹] باب الدعاء الی الشہادتین وشرائع الاسلام۔☆ابن حبان[۵۰۸۱] ☆ابن ماجہ[۱۷۸۳] باب فرض الزکاۃ، ☆ترمذی[۶۲۵] وغیرہ۔البتہ کسی روایت میں: فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ، کسی میں: فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ، اورکسی میں: فَاِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

مزید یہ کہ آخرت میں بھی ان کا برا انجام' ان کیلئے غضبِ خداوندی' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے لعنت اور برا ٹھکانہ ان کا منتظر ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُم وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُم سُوٓءُ الدَّارِ﴾ (۱) ترجمہ:(جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی،ان کیلئے لعنت ہی ہوگی،اوران کیلئے برا گھر ہوگا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿...... فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُم أَنْ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ:(...... پھر ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ:''اللہ کی مار ہوان ظالموں پر'')

نیز ارشاد ہے:﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ﴾ (۳) ترجمہ:(خبردار ہوکہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر)

نیز ارشاد ہے:﴿مَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ﴾ (۴) ترجمہ:(ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ (۵) ترجمہ:(دیکھو! ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا، ورنہ تمہیں بھی [دوزخ کی] آگ لگ جائیگی، اور تب اللہ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی مددگار نہوگا اور نہ تم مدد کئے جاؤگے) یعنی قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کیلئے ظالموں کے ساتھ تعلق اور دوستی' ان کی صحبت وہمنشینی' اوران کی طرف

(۱) غافر رمؤمن[۵۲] (۲) الاعراف[۴۴] (۳) ہود[۱۸]

(۴) غافر رمؤمن[۱۸] (۵) ہود[۱۱۳]

رغبت ومیلان کی بھی ممانعت کردی گئی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (الظُّلمُ ظُلُمَاتٌ یَومَ القِیَامَةِ) (۱)

ترجمہ: (''ظلم'' قیامت کے روز اندھیروں کا سبب بن جائے گا)

یعنی قیامت کی ہولنا کیوں میں جب انسان کو ''نور'' یعنی روشنی کی اشد ضرورت ہوگی' ایسے میں اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے نور عطاء کیا جائے گا (۲) جب کہ کفار ومنافقین اس روز اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں عدل وانصاف سے کام لینے کی بجائے ظلم وناانصافی کو اپنا شیوہ وشعار بنائے رکھا ان لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا، یعنی روزِ قیامت وہ بھی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس دنیا میں کسی ظالم انسان کی طرف سے دوسروں کے ساتھ روا رکھا جانے والا ہر ایک ایک ظلم صرف ایک تاریکی کا ہی سبب نہیں بنے گا بلکہ اس کا ہر ایک ''ظلم'' وہاں اس کیلئے ''ظلمات'' یعنی بہت سی ظلمتوں' تاریکیوں اور اندھیروں کا سبب بن جائیگا......!!

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن کَانَت عِندَہٗ مَظلَمَةٌ لِأخِیهِ مِن عِرضِهٖ أو مِن شَئٍ فَلیَتَحَلَّلهُ مِن قَبلِ أن لَایَکُونَ دِینَارٌ وَلَا دِرهَمٌ ، اِن

(۱)☆بخاری[۲۳۱۵]باب: الظلم ظلمات یوم القیامۃ۔☆مسلم[۲۵۷۸] نیز: [۲۵۷۹] باب تحریم الظلم ☆ابن حبان[۵۱۷۶] ذکر الزجر عن الظلم والفحش والشح۔☆الترمذی[۳۰۲۰] باب ماجاء فی الظلم۔

☆احمد[۵۸۳۲][۶۲۱۰][۶۴۴۶][۶۴۸۷][۶۷۹۲][۶۸۳۷][۹۵۶۵][۱۴۵۰۱]۔

(۲) جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿یَومَ تَرَیٰ المُؤمِنِینَ وَالمُؤمِنَاتِ یَسعَیٰ نُورُهُم بَینَ أیدِیهِم وَبِأیمَانِهِم ......﴾ ترجمہ: (اس دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا......) (الحدید: ۱۲)

كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنهُ بِقَدرِ مَظلَمَتِهٖ ، وَ اِن لَم يَكُن لَهٗ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِن سَيِّـئَـاتِ صَـاحِبِـهٖ فَـحُمِلَ عَلَيهِ) (۱) ترجمہ:(جس کسی نے اپنے کسی بھائی پرکوئی ظلم وزیادتی کی ہوخواہ اس کاتعلق عزت وآبرو سے ہویااورکسی بھی قسم کی زیادتی ہو'وہ اس کے ساتھ اپنامعاملہ اُس دن کی آمد سے قبل صاف کرلے کہ جس دن کسی کے پاس [تصفیۂ حساب کیلئے]نہ کوئی درہم ہوگااورنہ کوئی دینار،تب اس ظالم کے پاس اگرکچھ نیکیاں ہوں گی توان میں سے اس کے ظلم کی مقدار کے برابراُس مظلوم کودے دی جائیں گی،اوراگراس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تواُس مظلوم کی برائیاں اِس پرلاددی جائیں گی)

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک باراپنے اصحاب سے دریافت فرمایا:(أتَـدرُونَ مَـنِ المُفلِس؟) یعنی:(کیاتم جانتے ہوکہ''مفلس''کون ہے؟) (قَـالوا: المُفلِسُ فِيـنَا مَن لَا دِرهَمَ لَهٗ وَلَامَتَاعَ) عرض کیاگیاکہ:(ہم میں سے مفلس شخص وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی روپیہ پیسہ ہواورنہ ہی کوئی مال واسباب ہو) (فَـقَـالَ : الـمُـفلِسُ مِن اُمَّتِـي مَـن يَـأتِي يَومَ القِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَ صِيَامٍ وزكَاةٍ ، وَيَأتِي وَقَد شَتَمَ هذا ، وَقَذَفَ هذا ، وَأكَلَ مَالَ هذا، وَسَفَكَ دَمَ هذا ، وَضَرَبَ هذا ، فَيُعطىٰ هـذا مِـن حَسَـنَـاتِـهٖ ، وَهـذا مِـن حَسَـنَـاتِهٖ ، فَاِن فَنِيَت حَسَنَاتُهٗ قَبلَ أن يُـقُـضَـيٰ مَـا عَـلَيـهِ اُخِـذَ مِـن خَـطَـايَـاهُم، فَطُرِحَت عَلَيـهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي الـنَّـارِ) (۲)(تب آپؐ نے فرمایا:''مفلس تومیری امت میں سے وہ شخص ہے جوکہ قیامت کے روز[اپنے نامۂ اعمال میں]بہت سی نمازیں'روزے'اورزکوٰۃ لے کرآئے گا،

(۱)بخاری[۲۳۱۷]کتاب المظالم (۲)مسلم[۲۵۸۱]کتاب البروالصلۃ والآداب☆ترمذی[۲۴۱۸]باب ماجاءفی شأن الحساب والقصاص۔☆:احمد[۸۰۱۶][۸۳۹۵][۸۸۲۹]وغیرہ۔

مگراس نے[دنیامیں] کسی کوگالی بکی ہوگی،کسی پر گناہ کی کوئی تہمت لگائی ہوگی،کسی کا مال ناحق دبایاہوگا،کسی کا خون بہایاہوگا،اورکسی کوزدوکوب کیاہوگا......تب اس کے تمام اچھے اعمال ان[مظلوموں] میں تقسیم کردیئے جائیں گے۔اگراس کی تمام نیکیاں ختم ہوگئیں،مگر دعویدارختم نہوئے،توایسے میں ان سب کے گناہ اس پرلاددیئے جائیں گے،اورپھراسے جہنم میں پھینک دیاجائے گا)

☆......خالقِ کائنات کے نزدیک ''عدل وانصاف'' کی اہمیت اور''ظلم وزیادتی'' کی قباحت وشناعت کا اندازہ اس بات سے کیاجاسکتاہے کہ قیامت کے روزانسانوں کے علاوہ حیوانات تک میں باہم ظلم وزیادتی کے معاملات کا تصفیہ کیاجائے گا،چنانچہ ایسے تمام جانوروں کوزندہ کیاجائیگا،اوران میں سے جس کسی پرجوظلم ہواہوگااس کے ساتھ انصاف کیاجائیگااوراسے ظالم سے بدلہ نیزاس کاحق دلایاجائے گا،کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری پرزیادتی کی ہوگی تواسے بھی اس زیادتی کابدلہ دلایاجائیگا،اس کے بعدان حیوانات کوکہاجائے گا:(كُونِي تُرَاباً) یعنی:''اب تم دوبارہ خاک ہوجاؤ''۔جس پروہ حیوانات دوبارہ مرجائیں گےاورخاک میں مل جائیں گے(۱)

☆......لہٰذااس فانی دنیامیں محض عارضی وفانی مفادات کی خاطر دوسروں کی حق تلفی کرنے والوں اورظلم وزیادتی کی راہ اپنانے والوں کواس بارے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ غوروفکرکرناچاہئے،ایسےافرادکواپنے آپ پررحم کرناچاہئےاورخوداپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے قبر

(۱)تفسیرابن کثیرمیں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو:﴿يَومَ يَنظُرُ المَرءُ مَا قَدَّمَت يَدَاهُ وَيَقُولُ الكَافِرُ يَالَيتَنِي كُنتُ تُرَاباً﴾ (سورۃ النبأ:۴۰) نیزمسندامام احمدمیں حضرت ابوذررضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ملاحظہ ہو:(اِنَّ رَسُولَ اللّهِ ﷺ كَانَ جَالِساً وَشَاتَانِ تَقتَرِنَانِ فَنَطَحَت اِحدَاهُمَاالأخرىٰ......) احمد[۲۱۵۵۰] نیزمسنداحمدمیں ہی ملاحظہ ہو:(اِنَّ الجَمّاء لَتُقصّ من القَرنَاءِ يَومَ القِيَامَةِ) احمد[۵۲۰]

اورحشر میں تاریکیوں کا سامان جمع کرتے رہنے سے باز آجانا چاہیئے۔

☆...... عدل وانصاف کی ضرورت واہمیت کے بیان میں ہی ہرانسان کیلئے اس بات کوخوب سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ اسے خوداپنے ساتھ بھی انصاف سے کام لینا چاہیئے اورشرک' بدعات' خرافات' سیئات ومنکرات' ہرقسم کے فاسدوباطل اعتقادات' لغووبے ہودہ افکاروخیالات' نیز ہرقسم کی معصیت وضلالت اوراپنے خالق ومالک کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے اورخوداپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ پرظلم وستم اورناانصافی وزیادتی سے بازرہنا چاہیئے۔

قرآن کریم میں ارشادہے:﴿اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَم يَلْبِسُوا اِيمَانَهُمْ بَظُلْمٍ أولَٓئِكَ لَهُمُ الأمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی انہی کیلئے امن ہےاوروہی ہدایت یافتہ ہیں)

☆......قرآن کریم میں ''شرک'' کو''ظلمِ عظیم'' قراردیا گیاہے، چنانچہ ارشادہے :

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (۲) ترجمہ:(بیشک شرک توبڑاہی بھاری ظلم ہے)

قرآن کریم میں جابجا کفارومنافقین ودیگرگناہگاروں اورنافرمانوں کے بارے میں یہ کہا گیاہے کہ اللہ نے ان پرکوئی ظلم نہیں کیا' بلکہ دنیامیں غلط عقائدوخیالات کواپنا کر' نیز اللہ کی نافرمانی کرکے یہ خودہی اپنے آپ پرظلم کرتے رہے۔

مثلاًایک مقام پرارشادِربانی ہے:﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ......﴾ (۳) ترجمہ:(ہم نے ان پرکوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ خودانہوں نے ہی اپنے اوپرظلم کیا......)

نیزارشادہے:﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ﴾ (۴) ترجمہ:(ہم

(۱)الانعام[۸۲] (۲)لقمان[۱۳] (۳)ہود[۱۰۱] (۴)الزخرف[۷۶]

نے ان پر ظلم نہیں کیا' بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (۱)
ترجمہ:(اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے' بلکہ یہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)

نیز ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰهَ لَايَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئاً وَلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(یقیناً اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں)

نیز قرآن کریم میں ''قومِ سبا'' کی طرف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی وروگردانی کے تذکرے کے بعد ارشاد ہے:﴿وَظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُم اَحَادِيثَ وَ مَزَّقنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّق﴾ (۳) ترجمہ:(اورانہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا' اس لئے ہم نے انہیں گذشتہ فسانوں کی صورت میں کر دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے)

☆......یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ عقل اور شعور کی بدولت انسان جب بدی اور نیکی' خیر اور شر کو خوب جان چکا اور پہچان چکا' تو اب اس کیلئے ضروری ہے کہ خود پر رحم کرے اور اپنی حالت پر ترس کھائے ، اپنے عقیدہ وایمان کی اصلاح کی فکر وجستجو کرتا رہے' اپنے افکار وخیالات کو پاکیزہ رکھے' اپنے خالق ومالک کی رضامندی وخوشنودی کا راستہ اختیار کرے ، اس کی معصیت ونافرمانی سے اپنا دامن بچائے رکھے، خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ پر ظلم وزیادتی سے باز رہے، گوشت پوست کے بنے ہوئے اپنے اس کمزور وناتواں اور خاکی وجود کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں نہ جھونکے......!!

(۱) العنکبوت [۴۰] (۲) یونس [۴۴] (۳) سبا [۱۹]

''رحمدلی ومہربانی''

رحمدلی' مہربانی' ہمدردی' یہ مؤمن کی خاص صفت اورنشانی ہے،قرآن وحدیث میں جابجا اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے،اس کی ترغیب دی گئی ہے،اوراس صفت کے حامل افراد کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے، جبکہ اس کے برعکس سنگدلی وتلخ مزاجی کی مذمت کی گئی ہے ،اوراس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے ۔ رحمدلی ایمان' نیک بختی وسعادت مندی کی علامت ہے، جبکہ سنگدلی نفاق اور بدبختی کی علامت ہے، چنانچہ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ اہلِ حق کو جب بھی فتح وکامیابی اورغلبہ نصیب ہوا تو انہوں نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی انتہائی فراخدلی اورحسنِ سلوک سے کام لیا، جبکہ اہلِ باطل کو جب بھی موقع ملا انہوں نے ہمیشہ بے رحمی ،سنگدلی اور بربریت کا مظاہرہ کیا،مخالفین کے ساتھ وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا اورانسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے ،مسلمانوں کے ساتھ مشرکینِ مکہ کی بدسلوکیوں اورمظالم کی طویل داستان اوراس کے جواب میں فتحِ مکہ کے موقع پر رسول اللہﷺ کا ان کے ساتھ حسنِ سلوک اورعام معافی کا اعلان اس بات کی بہترین مثال اوراس حقیقت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ''رحمدلی ومہربانی'' کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے درجِ ذیل امورقابلِ غوروفکر ہیں:

☆ اللہ رحیم ہے:

مؤمن کے دل میں رحم کے جذبات اللہ پرایمان کی وجہ سے ہیں، کیونکہ اللہ خود رحیم وکریم ہے،قرآن کریم میں اللہ کی صفتِ رحمت کا باربار بیان وتذکرہ ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيُ لَا اِلٰهَ اِلَّاهُوَ عَالِمُ الغَيُبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَالَّرحمٰنُ الَّرَحِيُمُ ﴾ (۱) ترجمہ: (وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے اس چیز کا جو غائب ہے اور جو حاضر ہے، وہ انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَرَحُمَتِيُ وَسِعَتُ كُلَّ شَئٍ ﴾ (۲) ترجمہ: (اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُل رَّبِّ اغُفِرُ وَارُحَمُ وَأَنُتَ خَيُرُ الَّراحِمِيُنَ ﴾ (۳) ترجمہ: (اور کہو کہ اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما، اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے)

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر سورت کی ابتداء ہی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے کی گئی ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ رحمت ہیں:

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرُسَلُنَاكَ اِلَّا رَحُمَةً لِّلُعَالَمِيُنَ ﴾ (۴) ترجمہ: (اور ہم نے تو آپ کو تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

☆ قرآن رحمت ہے:

ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدجَآءَ تُكُمُ مَّوُعِظَةٌ مِّنُ رَّبِّكُمُ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِيُ الصُّدُورِوَ هُدًى وَّ رَحمَةٌ لِّلمُؤمِنِيُنَ ﴾ (۵) ترجمہ: (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے، اور دلوں میں جو روگ

(۱) الحشر[۲۲] (۲) الاعراف[۱۵۶] (۳) المؤمنون[۱۱۸] (۴) الانبیاء[۱۰۷] (۵) یونس[۵۷]

ہیں' ان کیلئے شفاء ہے، اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کیلئے)

☆ جنت رحمت ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور سفید چہروں والے اللہ کی رحمت [جنت] میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

☆ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کیلئے رحمت ہیں:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ، وَ الَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۲) ترجمہ: (محمد [ﷺ] اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحمدل ہیں)

لٰہذا یہ بات قابلِ غور ہے کہ بندۂ مؤمن کے دل میں جس اللہ پر ایمان ہے وہ رحیم وکریم ہے، جس نبی [ﷺ] پر ایمان ہے اور ہر مؤمن روزِ قیامت ان کی شفاعت کی تمنا اپنے دل میں لئے بیٹھا ہے وہ نبی بھی رحمت ہیں، جس قرآن پر ایمان ہے اور جسے اس نے سینے سے لگا رکھا ہے وہ قرآن بھی رحمت ہے، جس جنت میں داخلے کی آرزو ہے وہ بھی رحمت ہے، مگر اس کے باوجود اس کا اپنا دل رحمت و ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو....؟ یہ کس طرح ممکن ہے؟

مسلمان جب ہوش سنبھالتا ہے اسی وقت سے ہی نماز پڑھنا شروع کر دیتا ہے، زندگی بھر وہ روزانہ پانچ نمازیں پڑھتا ہے، ہر نماز میں بہت سی رکعتیں ہیں اور ہر رکعت کے شروع میں وہ ''بسم اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ'' پڑھتا ہے، اس کے بعد ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھتا

(۱) آل عمران [۱۰۷] (۲) الفتح [۲۹]

ہےاوراس میں دوبارہ''اَلــرَحْــمٰــنِ الــرَحِیـم'' پڑھتاہے،لہٰذاایک شخص جوزندگی بھرروزانہ اللہ کے بارے میں باربار یہ الفاظ وکلمات اپنی زبان سے دہراتاہواور پھربھی اس کااپنادل رحم سے خالی ومحروم ہو...... یہ کس قدرعجیب بات ہے،مسلمان جوروزانہ دن میں پانچ باراللہ کے سامنے سرجھکائے اور ہاتھ باندھے ہوئے اس سے دعاء وفریادکرتاہے اوراس کی رحمت سے بہت سی امیدیں وابستہ کئے رکھتاہے،اگرخوداس کااپنادل خلقِ خدا کیلئے رحمت وہمدردی کے جذبات سے خالی وعاری ہواوربندگانِ خداکے ساتھ اس کااپنا رویہ وسلوک اچھانہ ہوتویقیناًیہ بہت ہی بڑی محرومی وبدبختی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(مَن لَایَرحَمُ النّاسَ لَایَرحَمُهُ اللّهُ)(۱)

(ترجمہ:جوشخص دوسروں پررحم نہیں کرتااللہ بھی اس پررحم نہیں فرماتا)

اسی طرح ارشادہے: (لَاتُـنـزَعُ الـرَّحـمَةُ اِلَّامِن شَقِيٍّ) (۲) (ترجمہ:رحمت ومہربانی[کے جذبات]سےصرف وہی شخص محروم ہوتاہےجوبدبخت ہو)

نیزارشادہے: (اِنَّ أبعَدَ النَّاسِ مِن اللّهِ تَعَالىٰ القَلبُ القَاسِي)(۳)

(ترجمہ:یقیناًاللہ تعالیٰ[کی رحمت]سےسب سےزیادہ دوراورمحروم رہنےوالاشخص وہ ہے جس کادل سخت ہو)

اسی طرح ارشادہے:(اَلرَّاحِمُونَ يَرحَمُهُمُ الرَّحمٰنُ، اِرحَمُوا مَن فِي الأرضِ

(۱)مسلم[۲۳۱۹]ابن حبان[۴۶۵][۴۶۷]☆ترمذی[۱۹۲۲]باب ماجاءفی رحمۃ المسلمین۔
☆نیز:ترمذی[۲۳۸۱]باب ماجاءفی الریاءوالسمعۃ۔☆یہی حدیث صحیح بخاری میں بھی موجودہے،البتہ اس میں الفاظ یہ ہیں:(لَایَـرحَـمُ الـلّـهُ مَـن لَایَرحَمُ النّاسَ)[۶۹۴۱]باب:قول اللہ تعالیٰ؛قل ادعوااللہ أوادعوا الرحمٰن...... ۔ (۲) ترمذی[۱۹۲۳]باب ماجاءفی رحمۃ المسلمین۔نیز:ابوداؤد[۴۹۴۲]
(۳) ترمذی[۲۴۱۱]باب ماجاءفی حفظ اللسان۔

يَرحَمُكُم مَّن فِي السَّمَاءِ) (۱) (ترجمہ: رحمٰن انہی پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہوں، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا)

ایک بار جب رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی کے کمسن بچے کی طبیعت ناساز تھی اور صورتِ حال کافی تشویشناک تھی......

تب آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنی گود میں لیا، اُس وقت بچے کی سانس اُکھڑ رہی تھی اور نزع کے کچھ آثار نمایاں تھے...... یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، وہاں موجود افراد میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے قدرے تعجب اور حیرت کے انداز میں آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ! آپ بھی......؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اِنَّمَا هِيَ رَحمَة جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهٖ، وَ انَّمَا يَرحَمُ اللّٰهُ مِن عِبَادِهِ الرُّحَمَاءُ) (۲)

(۱) ترمذی [۱۹۲۴] باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین ☆ احمد [۶۴۹۴] ☆ ابوداؤد [۴۹۴۱] باب فی الرحمۃ۔

(۲) ☆ بخاری [۱۲۲۴] باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعذب المیت ببکاء بعض أہلہ علیہ......

امام نووی نے یہ حدیث ریاض الصالحین میں ''باب الصبر'' میں ذکر کی ہے۔

یہاں یہ تذکرہ بھی مناسب ہوگا کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، مزید یہ کہ یہ ان کا یہ کون سا کم سن بچہ تھا......؟ بیٹا تھا یا بیٹی تھی......اور پھر یہ کہ اس موقع پر اس کی وفات ہوگئی؟ یا یہ کہ وہ زندہ بچ گیا تھا......؟ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ملاحظہ ہو: دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، باب الصبر، ج:۱۔ص:۱۸۲۔

☆ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض روایات میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''هٰذِهٖ رَحمَة وَضَعَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ مَن شَاءَ مِن عِبَادِهٖ) (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری [۵۳۳۱] باب عیادۃ الصبیان) یعنی: ''یہ تو رحم کے جذبات ہیں' جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے''۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ رحمت وہمدردی کے جذبات ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتے، بلکہ یہ نعمت تو صرف انہی خوش نصیبوں کو ہی نصیب ہوتی ہے جنہیں خود اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کیلئے منتخب فرماتے ہیں۔

یعنی: ''یہ آنسوتو اس رحمت کی علامت ہیں جو کہ اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے، اور اللہ اپنے بندوں میں سے انہی پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے کمسن صاحبزادے ابراہیم نے جب آپؐ کی گودمبارک میں آخری ہچکی لی تو اس موقع پر بھی آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، جس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حیرت وتعجب کے طور پر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ بھی......؟ تب آپؐ نے فرمایا کہ: (یا ابن عوف! انّھا رحمة......) یعنی: ''اے ابن عوف! یہ آنسوتو رحمت کی علامت ہیں......'' (۱)

☆ کمزوروں کے ساتھ رحمدلی ومہربانی کی خصوصی تاکید:

معاشرے میں موجود کمزور افراد نیز کمزور طبقات کے ساتھ حسنِ سلوک، رحمدلی، ہمدردی ومہربانی اور ان کی خبرگیری کی خاص طور پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

اس بارے میں مختصر تذکرہ درجِ ذیل ہے:

☆ ضعیف والدین:

اس سلسلے میں سب سے پہلے والدین کا حق اور مقام ومرتبہ ہے، چنانچہ والدین کے ساتھ تو ہمیشہ اور زندگی کے ہر مرحلہ میں ہی حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے، لیکن جب وہ عمر رسیدہ اورضعیف ہوجائیں تو اس وقت ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کیلئے رحمدلی ومہربانی کی خاص طور پر بہت زیادہ تاکید ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ قَضَىٰ رَبُّكَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَو كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيماً﴾ (۲)

(۱) بخاری [۱۲۴۱] باب الصبر عند الصدمة الاولیٰ۔ (۲) بنی اسرائیل/الاسراء [۲۳-۲۴]

ترجمہ: (اور تیرا رب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے کوئی ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا، اور عاجزی ومحبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا، اور دعاء کرتے رہنا کہ: '' اے میرے رب! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے'')۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس آیت میں اولاً تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک' نیز ان کیلئے دعاء مانگتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ کہ اللہ کی طرف سے دعاء بھی خود ہی سکھا دی گئی، پھر مزید یہ کہ اس دعاء میں ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جس سے انسان کو اپنے بچپن کا دور یاد آجائے، اور انسان چشمِ تصور سے اس منظر کو دیکھے جب وہ کمزور وناتواں تھا، اٹھنے بیٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی، کھانے پینے' جسمانی صفائی وغیرہ ودیگر تمام معاملات میں اسے والدین کی مکمل احتیاج تھی، والدین ہمیشہ ہنسی خوشی اس کی تمام ضروریات پوری کرتے رہے، خود روکھی سوکھی کھا کر گذارا کیا مگر اس کیلئے عمدہ خوراک کا انتظام کیا، خود جو لباس میسر آیا زیب تن کر لیا مگر اس کیلئے حتیٰ المقدور مناسب پوشاک کا بندوبست کیا، اگر کبھی وہ بیمار پڑ جاتا تو اس کے والدین انتہائی بیتابی وبیقراری کے عالم میں رات بھر اس کے سرہانے کھڑے رہتے مگر اف تک نہ کرتے، اور پھر صبح ہونے پر بچہ اگر ایک بار مسکرا کر ان کی طرف دیکھ لیتا تو وہ یہ سوچ کر دیوانہ وار اپنے پروردگار کا شکر بجالاتے کہ بچے کی طبیعت اب بہتر ہے......اور بچے کی محض اس ایک مسکراہٹ کی وجہ سے وہ اپنی رات بھر کی تمام تر تھکاوٹ اور پریشانی کو بھول جایا کرتے تھے،

ہرانسان کے بچپن میں یقیناً ایسی کتنی ہی راتیں آتی ہیں......!!

لہٰذا قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے انسان کواپنے والدین کیلئے جودعاء سکھائی گئی ہے اس میں انسان کیلئے اس کے بچپن کے تذکرہ سے اسے اسی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے والدین کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعاء وفریاد کرتے وقت تصور کی آنکھ سے بچپن کے ان مناظر کودیکھے، تاکہ اس کے دل میں اپنے والدین کیلئے زیادہ سے زیادہ رقت اورمحبت واُلفت کے جذبات پیداہوں اور یوں اس کی یہ دعاء دل کی گہرائیوں سے نکلے اوررب کریم کی بارگاہ میں اسے شرفِ قبولیت نصیب ہوسکے۔

☆عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک:

عورت بھی چونکہ اللہ کی کمزورمخلوق ہے اس لئے اسلام میں اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک، رحمدلی وہمدردی اورنرمی برتنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے، خواہ وہ ماں ہویابہن، بیوی ہویابیٹی، جیساکہ قرآن کریم میں ارشادہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالمَعْرُوفِ﴾ (۱)

ترجمہ: (اورتم ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گذارو)

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پرفرمایا: (اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً) (۲)

ترجمہ: (عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی میری وصیت کوتم یادرکھنا)

☆بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک:

بچے بھی چونکہ کمزورمخلوق ہیں اس لئے ان کے ساتھ نرمی برتنے اورپیارومحبت سے پیش

(۱) النساء[۱۹]

(۲) مسلم[۱۴۶۸] باب خیرمتاع الدنیاالمرأۃ الصالحۃ۔☆ابن ماجہ[۱۸۵۱] کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح۔اس قسم کی حدیث بخاری میں بھی مروی ہے، البتہ اس میں الفاظ یہ ہیں: (اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ) ملاحظہ ہو: بخاری[۳۱۵۳] کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الأرض خلیفۃ۔

آنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت ومحبت کا سلوک فرماتے تھے ،بعض اوقات جب آپ ﷺ نماز میں مشغول ہوتے اوراس دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ ﷺ اس کی وجہ سے اپنی نماز مختصر فرمادیتے۔

ایک بارآپ ﷺ نے جب اپنے کمسن نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیارکیاتو وہاں موجوداقرع بن حابس التمیمی نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں ،مگرمیں نے آج تک ان میں سے کسی کواس طرح پیارنہیں کیا،اس پرآپؐ نے فرمایا:(مَن لَایَرحَم لَایُرحَم) (۱) ترجمہ:(جودوسروں پررحم نہیں کرتاوہ اللہ کی رحمت کا مستحق بھی نہیں ہوسکتا)

اسی طرح آپ ﷺ کاارشادہے:(لَیسَ مِنَّا مَن لَم یَرحَم صَغِیرَنَا وَیُوَقِّر کَبِیرَنَا) (۲) ترجمہ:(جس نے چھوٹوں پررحم نہ کیااور بڑوں کی عزت نہیں کی وہ ہم [مسلمانوں] میں سے نہیں)

☆ کمزورافراد:

معاشرے کے دیگرتمام کمزورافرادمثلاً:عمررسیدہ افراد‘معذور‘بیوہ‘فقراء‘مساکین‘یتیموں اورمحتاجوں کےساتھ رحمدلی وہمدردی اورحسنِ سلوک کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشادہے:﴿فَأَمَّا الیَتِیمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ (۳) ترجمہ:(پس یتیم پرسختی نہ کیاکرو)

رسول اللہ ﷺ نے ایک باراپنے ہاتھ کی دونوں بڑی انگلیاں ملاکرفرمایا: (أَنَا وَ کَافِلُ

(۱) بخاری[۵۶۵۱] کتاب الأدب☆مسلم[۲۳۱۸] کتاب الفضائل☆ابن حبان[۴۵۷] باب الرحمۃ۔
☆ترمذی[۱۹۱۱] باب ماجاء فی رحمۃ الولد☆ابوداؤد[۵۲۱۸]☆احمد[۷۲۸۷][۷۶۳۶][۱۰۶۸۴]
(۲) ترمذی[۱۹۱۹][۱۹۲۰][۱۹۲۱] باب ماجاء فی رحمۃ الولد۔ (۳) الضحیٰ:[۹]

الیَتِیمِ فِي الجَنَّةِ هکَذَا) (۱) ترجمہ:(میں اوریتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس قدرقریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:(اَلسَّاعِي عَلَىٰ الأرمَلَةِ وَ المِسکِینِ کَالمُجَاهِدِ فِي سَبِیلِ اللّٰهِ) (۲) ترجمہ:(بیوہ اور مسکین کی بہتری کیلئے کوشش وجدوجہد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:(أَعطُوا الأَجِیرَ أجرَهٗ قَبلَ أن یَجِفَّ عَرَقُهٗ)(۳) ترجمہ:(مزدور کواس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو)

غرضیکہ قرآن وحدیث میں کمزوروں‘محتاجوں اور مسکینوں کی خبر گیری‘ان کے ساتھ حسنِ سلوک‘ان کیلئے رحمدلی ومہربانی‘انہیں کھانا کھلانا‘نیز ہر ممکن طریقے سے ان کی مددواعانت کوایمان کی علامت اور جنت میں داخلے کا سبب بتایا گیا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس ان کے ساتھ ترش روئی اور بدسلوکی روارکھنا‘ان کی خدمت واحترام کے معاملہ میں بےتوجہی اور غفلت وبےاعتنائی برتنا‘نیز ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی بدسلوکی ظلم وزیادتی اوران کی حق تلفی کوکفرونفاق کی نشانی اور جہنم میں داخلے کا سبب قراردیا گیا ہے ۔سورۃ الماعون کا بھی یہی مفہوم ہے۔

(۱)بخاری[۴۹۹۸]باب ماجاء فی اللعان وقول اللہ تعالیٰ؛والذین یرمون أزواجھم ......۔
نیز:بخاری[۵۶۵۹]باب حسن العہد من الایمان۔☆ترمذی[۱۹۱۸]باب ماجاء فی رحمۃ الیتیم وکفالتہٖ ☆ابوداؤد[۵۱۵۰]باب فی من ضم الیتیم۔
(۲)بخاری[۵۰۳۸]کتاب النفقات،باب فضل النفقۃ علیٰ الأہل......۔
نیز:بخاری[۵۶۶۰]باب الساعی علیٰ الارملۃ۔☆مسلم[۲۹۸۲]☆ابن حبان[۴۲۴۵]☆ابن ماجہ[۲۱۴۰] ☆ترمذی[۱۹۶۹]باب ماجاء فی السعی علیٰ الارملۃ والیتیم☆نسائی[۲۵۷۷]باب فضل الساعی علیٰ الارملۃ۔
(۳)ابن ماجہ[۲۴۴۳]باب أجر الأجراء۔

☆ **حیوانات کے ساتھ رحمدلی ومہربانی:**

اسلام دینِ رحمت ہے، اوراس کی رحمتوں کا فیضان صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام میں حیوانات تک کے ساتھ حسنِ سلوک اوررحمت ومہربانی کاحکم دیا گیاہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادہے: (بَینَمَا رَجُلٌ یَمشِي فَاشتَدَّ عَلَیهِ العَطَشُ فَنَزَلَ بِئراً فَشَرِبَ مِنهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَبِکَلبٍ یَلهَثُ یَأکُلُ الثَّرَیٰ مِنَ العَطَشِ، فَقَالَ: لَقَد بَلَغَ هذَا مِثلَ الَّذِي بَلَغَ بِي، فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أمسَکَهُ بِفِیهِ، ثُمَّ رَقِیَ فَسَقَیٰ الکَلبَ، فَشَکَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَلَهُ) (۱) ترجمہ: (ایک بارایک شخص راستے میں چلا جارہا تھا کہ اسے پیاس نے ستایا، وہ پانی پینے کی غرض سے کنویں پر گیا، پانی پینے کے بعد وہاں اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے ہانپ رہاہےاورکنویں کے قریب گیلی مٹی چاٹ رہاہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ شخص سوچنے لگا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پیاس کی شدت کی وجہ سے میراجوحال تھااس بیچارے کتے کا بھی وہی حال ہے۔ اورپھراس نے اپنے موزے میں پانی بھرااوراسے منہ میں دبائے ہوئے اوپر چڑھتاہوا کنوئیں سے باہرآیااوراس کتے کووہ پانی پلایا، اس پراللہ کی طرف سے اس کے اس عمل کی قدردانی کے طورپراس کیلئے مغفرت کافیصلہ کرلیا گیا)

جبکہ اس کے برعکس ایک بارآپ ﷺ نے ایک عورت کے بارے میں فرمایا کہ: (عُذِّبَت اِمرأةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتهَا حَتَّیٰ مَاتَت جُوعاً) (۲)

ترجمہ: (ایک عورت کوایک بلی کی وجہ سے [جہنم کے] عذاب میں ڈال دیا گیاہے، کیونکہ

(۱) بخاری[۳۶۶۳] باب رحمۃ الناس والبہائم ☆ مسلم[۲۲۴۴] باب فضل ساقی البہائم ......۔
☆ ابن حبان[۵۴۴] ☆ موطا مالک[۱۶۶۱] ☆ احمد[۸۸۶۱][۱۰۷۱۰][۱۰۷۶۲] ☆ ابوداؤد[۲۵۵۰]
(۲) ☆ بخاری[۲۲۳۶] باب فضل سقی الماء۔ نیز: بخاری[۳۱۴۰] نیز: [۳۲۹۵] باب قول اللہ تعالیٰ:

اس نے اس بلی کو قید کر دیا تھا، اور پھر اسی قید کی حالت میں ہی بھوک کی وجہ سے وہ مر گئی)

☆...... قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی گئی گذشتہ تمام تفصیل سے اصل مقصود یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس بارے میں مکمل خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنے کی شدید ضرورت ہے کہ جس اللہ پر ہمارے دلوں میں ایمان ہے وہ اللہ رحمٰن اور مہربان ہے، جس قرآن پر ایمان ہے وہ بھی رحمت ہے، اسی طرح نبی ﷺ بھی رحمت ہیں، جس جنت کی طلب اور آرزو ہے وہ بھی رحمت ہے، مگر اس کے باوجود ہمارے دل آپس میں ایک دوسرے کیلئے اگر رحمدلی وہمدردی کے جذبات سے خالی ومحروم ہوں تو یقیناً یہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہوگی' اور یہ تو بڑی محرومی وبدبختی کی بات ہوگی، بلکہ یہ تو یقیناً جرمِ عظیم ہوگا۔

۞۞۞

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

وبث فیہا من کل دابّۃ۔ ☆مسلم[۹۰۴] نیز: مسلم[۲۲۴۲][۲۲۴۳] باب تحریم قتل الہرۃ۔ نیز: مسلم[۲۶۹۱]

☆ابن حبان[۵۴۶] نیز[۵۶۲۱][۵۶۲۲] ذکر وصف عذاب ہٰذہٖ المرأۃ التی ربطت الہرۃ حتیٰ ماتت۔

☆ابن ماجہ[۱۲۶۵] باب ماجاء فی صلاۃ الخوف۔

☆نسائی[۱۴۸۲] نیز[۱۴۹۶] باب القول فی السجود فی صلاۃ الکسوف۔

☆احمد[۶۴۸۳][۶۷۶۳][۷۵۳۸][۷۶۳۵][۸۱۸۶][۹۸۹۲][۱۰۰۳۵][۱۰۲۱۱][۱۰۵۰۸]
[۱۰۵۹۲][۱۴۴۵۷][۱۴۶۴۲][۱۵۰۶۰][۲۷۰۰۸][۲۷۰۰۹]

البتہ بعض روایات میں اس حدیث کی ابتداء اس طرح ہے: (دَخَلَت اِمرَأَۃٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ ....)

''حسد: بدترین خصلت''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بنی نوعِ انسان پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے صدیوں سے گمراہی وجہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی اور سسکتی انسانیت کی صلاح وفلاح کی خاطر اپنے پیارے اور محبوب ترین بندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بشیر ونذیر اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک مقصد ''تزکیۂ نفوس'' (یا ''اصلاحِ باطن'') بھی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (۱) ترجمہ: (یقیناً اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی' اور پاک کرتا ہے ان کو' اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت، حالانکہ وہ تو اس سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے)

اس آیت میں ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ یعنی: ''اور پاک کرتا ہے ان کو'' کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (أي يأمُرُهم بِالمَعرُوفِ وَ يَنهَاهُم عَنِ المُنكَرِ لِتَزكُوا نُفُوسُهُم وَ تَطهُرمِنَ الدَّنَسِ وَ الخُبث) (۲) یعنی: ''رسول اللہ ﷺ ایمان والوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں' تاکہ ان کے دل ہر قسم کی برائی سے پاک وصاف ہوجائیں''۔

(۱) آل عمران[۱۶۴] (۲) تفسیر ابن کثیر صفحہ:۴۳۳۔جلد:۱

غرضیکہ ہر مسلمان کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ولازمی ہے کہ وہ ظاہری نظافت وطہارت کے ساتھ ساتھ باطنی وروحانی نظافت وطہارت کا بھی اہتمام والتزام کرے، اوراس کا دل ودماغ ' اس کا ذہن ' اوراس کی سوچ کفروشرک ' معصیت وضلالت ' حسد ' کینہ ' بغض وعداوت وغیرہ ہرقسم کی نجاست وناپاکی سے پاک وصاف ہو۔

☆ حسد کی تعریف:

عربی لغت میں ''حسد'' کے معنیٰ یوں بیان کئے گئے ہیں: (تَمَنِّي أن تَتَحَوَّلَ اِلَيهِ نِعمَتُهٗ أو أن يُسلَبَهَا) (۱) یعنی: ''کسی کے پاس موجود کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت کاش کسی طرح اس کی بجائے مجھے مل جائے، ورنہ یہ کہ یہ نعمت اُس شخص سے بھی چھن جائے''۔ یعنی کسی کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھکر یہ حسرت وآرزو کرنا کہ کاش یہ چیز کسی طرح اس شخص کی بجائے مجھے مل جائے ' اوراگرایسا ممکن نہیں توکم ازکم یہ کہ یہ چیز اس شخص کے پاس بھی نہ رہے، جس طرح میں اس نعمت سے محروم ہوں اسی طرح یہ شخص بھی اس سے محروم ہوجائے۔

علماء نے ''حسد'' کی تعریف اس طرح بیان کی ہے: (تَمَنِّي زَوَالِ مَا أنعَمَ اللّٰهُ بِهٖ عَلىٰ عَبْدٍ مِن نِعْمَةِ دِينٍ أودُنيَا) یعنی: ''کسی کے پاس اللہ کی عطاء کردہ کوئی دینی یادنیاوی نعمت کے بارے میں اس بات کی حسرت وآرزو کرنا کہ یہ شخص کسی طرح اس نعمت سے محروم ہوجائے''۔

اسی مکروہ ومذموم ترین جذبہ وخواہش کا نام ''حسد'' ہے۔

(۱) المعجم الوسیط، صفحہ: ۱۷۲، جلد: ۱۔ بعض کتبِ لغت میں حسد کی تعریف مختصراً اس طرح کی گئی ہے: (تَمَنِّي زَوَالِ النِّعمَةِ مِنَ المَحسُودِ) یعنی: محسود کے بارے میں یہ آرزو رکھنا کہ اس کے پاس موجود نعمت کا خاتمہ ہوجائے۔

البتہ یہ خواہش کہ'' فلاں شخص کے پاس جونعمت ہے وہ اس کے پاس موجود و برقرار رہے اوراسی جیسی نعمت اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی عنایت فرمادیں'' یہ چیز''حسد''میں شامل نہیں۔

☆حسد کی مذمت میں چند احادیث:

اس بارے میں مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں' تاکہ حسد کی قباحت مزید واضح ہوسکے:

☆(اِيَّاكُم وَ الحَسَدَ، فَاِنَّ الحَسَدَ يَأكُلُ الحَسَنَاتِ كَمَا تَأكُلُ النَّارُ الحَطَبَ) (۱) ترجمہ:(حسد سے بچو' کیونکہ حسد نیکیوں کواس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کوکھاجاتی ہے)

☆ (لَاتَبَاغَضُوا، وَلَاتَحَاسَدُوا، وَلَاتَدَابَرُوا، وَكُونُواعِبَادَاللّٰهِ اِخوَاناً) (۲) ترجمہ:(ایک دوسرے کیلئے دل میں بغض وکینہ نہ رکھو' باہم حسد نہ کرو' آپس میں بے تعلق نہ رہو' اوراللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ)

☆(لَايَجتَمِعُ فِي جَوفِ عبدٍ الاِيمَانُ وَالحَسَدُ) (۳) ترجمہ:(کسی بندے کے دل میں ایمان اورحسد دونوں چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں)

یعنی اگر دل میں ایمان ہوگا تو وہاں حسد کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہوگی،اوراگر دل میں حسد پیدا

(۱)ابوداؤد[۴۹۰۳]باب فی الحسد۔☆ابن ماجہ[۴۲۱۰]

(۲)☆بخاری[۵۷۲۶]باب ماینہیٰ عن التحاسدوالتدابروقولہ تعالیٰ:ومن شرحاسداذاحسد۔

☆مسلم[۲۵۵۹]باب تحریم التحاسدوالتباغض۔☆ابن حبان[۵۶۶۰]☆موطامالک[۲۶۱۵]

☆ابن ماجہ[۳۸۴۹]باب الدعاء بالعفووالعافیۃ۔☆ترمذی[۱۹۳۵]باب ماجاءفی الغیبۃ۔☆احمد[۵][۱۷]

(۳)ابن حبان[۴۶۰۶]ذکرنفی اجتماع الغبارفی سبیل اللہ وفیح جہنم فی جوف مسلم۔

ہوگیا تو پھر وہاں ایمان باقی نہیں رہے گا۔

☆(لَایَـزالُ الـنَّاسُ بِخَیرٍ مَا لَم یَتَحَاسَدُوا) (۱) ترجمہ:(لوگ سلامت رہیں گے' تاوقتیکہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں)یعنی اگر ہم یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہماری زندگی سلامتی اور خیر وعافیت کے ساتھ بسر ہو' تو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ہمیں حسد سے مکمل گریز کرنا چاہئے ، کیونکہ یہ حسد ایسی مکروہ ومذموم خصلت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان بہت سی مصائب ومشکلات میں مبتلا ہوجاتا ہے، بلکہ تمام معاشرہ ہی افراتفری وانتشار' اور پھر بالآخر انحطاط وزوال کا شکار ہوجاتا ہے۔

☆حسد سے پاک انسان کیلئے جنت کی خوشخبری:

☆ عـن أنـس بـن مـالك رضى اللّه عنه قال: کُنّا جُلُوساً مَعَ النَّبِيّ ﷺ فَـقَـال: یَطلُعُ الآنَ عَلَیکُم رَجُلٌ مِن أهلِ الجَنَّةِ ، فَطَلَعَ رَجُلٌ مِنَ الأنصَارِ تَـنـطُفُ لِـحیَتُـهٗ مِن وَضُوئهٖ، قَدعَلَّقَ نَعلَیهِ بِیَدِهِ الشِّمَالِ ، فَلَمَّا کَانَ الغَدُ قَالَ النَّبِيّ ﷺ مِثلَ ذَلِكَ ، فَطَلَعَ ذلِكَ الرَّجُلُ مِثلَ المَرَّةِ الأولیٰ، فَلَمَّا کَان الیَـومُ الثَّـالِـثُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مثلَ مَقَالَتِهٖ أیضاً، فَطَلَعَ ذلِكَ الرَّجُلُ عَلیٰ مِثلِ حَالِهِ الأوَّلِ، فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ ﷺ تَبِعَهٗ عَبدُ اللّه بن عَمرٍو ، فَقَالَ اِنِّي لَاحَیـتُ أبِـي فـأقُسَمتُ أنِّي لَاأدخُلُ عَلَیهِ ثَلَاثاً، فَاِن رَأیتَ أن تُؤوِیَنِي حَتّیٰ تَمضِیَ، فَعَلتَ، قَالَ: نَعَم، قَالَ أنس: فَکَانَ عَبدُ اللّهِ یُحَدِّثُ أنَّهٗ بَاتَ مَعَهٗ تِلكَ الثَّلَاثَ اللَّیَالِي، فَلَم یَرَهٗ یَقُومُ مِنَ اللَّیلِ شَیئاً، غَیرَ أنَّهٗ اِذَا تَعَارَّ

(۱) مجمع الزوائد (عن ضمرۃ بن ثعلبۃ) جلد:۸،صفحہ:۷۸۔نقلاً عن الطبرانی۔
نیز:الترغیب والترہیب[۴۳۷۸]بحوالہ طبرانی۔

تَـقَـلَّـبَ عَـلـىٰ فِـرَاشِـهٖ ذَكَرَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، وَكَبَّرَحَتّٰى لِصَلَاةِ الفَجرِ، قَالَ عَبـدُاللّٰـه: غَيـرَأنِّي لَم أسمَعهُ يَقُولُ اِلّاخَيراً، فَلَمَّا مَضَتِ الثَّلَاثُ اللَّيَالِي وَكِـدتُ أن أحتَقِرَ عَمَلَهٗ قُلتُ: يَاعَبدَ اللّٰه! لَم يَكُن بَينِي وَبَينَ أبِي غَضَبٌ وَلَاهُـجـرَةٌ ، وَلٰكِنِّي سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: يَطلُعُ الآنَ عَـلَـيـكُم رَجُلٌ مِن أهلِ الجَنَّةِ ، فَطَلَعَت أنتَ الثَّلَاثَ المَرَّاتِ، فَأرَدتُ أن آوِيَ اِلَيكَ فَأنظُرَمَا عَمَلُكَ فَأقتَدِىَ بِكَ، فَلَم أرَكَ عَمِلتَ كَبِيرَعَمَلٍ، فَمَا الَّـذِي بَـلَـغَ بِكَ مَـا قَـالَ رَسُـولُ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ: مَا هُوَ اِلَّامَا رَأيتَ، فَلَمَّا وَلَّيـتُ دَعَـانِـي فَقَال: مَا هُوَ اِلَّامَارَأيتَ ، غَيرَأنِّي لَاأجِدُ فِي نَفسِي لِأحَدٍ مِـنَ الـمُسـلِـمِيـنَ غِشّاً، وَلَاأحسُدُ أَحَداً عَلىٰ خَيرٍ أعطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ، فَقَالَ عَبدُ اللّٰهِ: هٰذِهِ الَّتِي بَلَغَت بِكَ)(۱)

ترجمہ:(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جوکہ اہلِ جنت میں سے ہے۔ چنانچہ انصار میں سے ایک صاحب اندر داخل ہوئے ، جن کی داڑھی سے تازہ وضوء کی وجہ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے،اورانہوں نے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتا تھاما ہوا تھا۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، یعنی رسول اللہ ﷺ نے وہی الفاظ دہرائے'اورتب بھی وہی صاحب اسی حالت میں دکھائی دیئے۔ تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور پھر وہی صاحب اسی کیفیت میں نمودار ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان [انصاری شخص]

(۱)احمد[۱۲۷۲۰] جلد:۳، صفحہ:۱۶۶۔☆الترغیب والترہیب، فضل التخلی عن الحسد، جلد:۳۔ صفحہ:۵۴۹۔

کے تعاقب میں روانہ ہوئے [تا کہ ان کے جنتی ہونے کا سبب معلوم کر سکیں] اور ان سے کہا کہ میری اپنے والد سے کچھ رنجش ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے میں نے یہ قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک گھر نہیں جاؤں گا، لہٰذا اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز تک مجھے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دیدیں۔ انہوں نے اس بات کو منظور کرلیا۔ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ تین راتیں ان کی معیت میں گذاریں، اور ان کی کیفیت یہ دیکھی کہ وہ رات کے وقت تہجد کیلئے نہیں اٹھتے ، البتہ نیند کے دوران جب بھی ذرہ سی ان کی آنکھ کھلتی اور وہ کروٹ بدلتے تو اللہ کا ذکر اور تسبیح وغیرہ پڑھتے ، فجر تک یہی کیفیت رہتی۔ البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے کلمۂ خیر کے سوا اور کچھ نہیں سنا [یعنی انہوں نے ہمیشہ صرف اچھی بات ہی کہی]۔ جب اسی کیفیت میں تین راتیں گذر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے (۱) تب میں نے ان پر اپنا راز ظاہر کردیا کہ میری اپنے والد کے ساتھ کوئی رنجش وغیرہ نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین روز مسلسل یہ بات سنی کہ: ''ابھی تمہارے سامنے ایسا شخص آنے والا ہے کہ جو اہلِ جنت میں سے ہے''۔ اور تینوں دن مسلسل آپ ہی نمودار ہوئے، اس لئے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں آپ کے ساتھ رہوں' تا کہ آپ کے معمولات کا مشاہدہ کرسکوں اور پھر میں خود بھی انہی معمولات کو اپناؤں۔ مگر [تعجب ہے کہ] میں نے آپ کو کوئی خاص بڑا عمل انجام دیتے ہوئے تو دیکھا نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی؟۔ وہ کہنے لگے کہ: ''میرے پاس تو بس یہی کچھ ہے جو تم دیکھ چکے ہو''۔ یہ سن کر جب میں واپس روانہ ہونے لگا تو انہوں نے مجھے آواز دی اور کہنے لگے کہ:

---

(۱) یعنی قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے بارے میں یہ خیال پیدا ہونے لگے کہ یہ صاحب کوئی بہت زیادہ مجاہدہ یا کوئی خاص عبادت تو انجام دیتے نہیں' پھر کس طرح اہلِ جنت میں سے ہوگئے......؟

''ہاں! ایک بات یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کدورت اور بغض وکینہ نہیں رکھتا، نیز یہ کہ اللہ نے جس کسی کو کوئی اچھی چیز عطاء کی ہو تو میں کبھی اس سے حسد نہیں کرتا''۔ یہ بات سن کر عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ: ''یہی تو وہ صفت ہے جس کی وجہ سے آپ کو یہ بلندترین مقام نصیب ہوا ہے'')۔

☆حسد کی تباہ کاریاں:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حسد انتہائی خطرناک' بدترین اور مہلک ترین جذبہ ہے اوراس کے اثراتِ بد یقیناً لامحدود ہیں۔

چنانچہ اگر غوروفکر کیا جائے تو یہی حقیقت آشکارا ہوکر رہیگی کہ انسانی معاشرے میں اکثروبیشتر جرائم کا اصل محرک یہی جذبۂ سیاہ ہی ہے۔حسد کی وجہ سے بھائی بھائی آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے ہیں، باہمی الفت ومحبت کی جگہ نفرت وعداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں، دوستی دشمنی میں تبدیل ہوجاتی ہے، تاریخِ عالم گواہ ہے کہ حسد کی وجہ سے بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں برباد ہوگئیں، پُررونق بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہوگئیں، جس معاشرے کے افراد میں حسد جیسی مکروہ ومذموم خصلت پائی جاتی ہو وہ معاشرہ انحطاط وزوال کا شکار ہوجاتا ہے، اس کی دیواروں میں شگاف پڑجاتے ہیں، بنیادیں کھوکھلی ہوجاتی ہیں، رفتہ رفتہ اس معاشرے اور ملک وملت کی تمام عمارت زمین بوس ہوجاتی ہے اوراس طرح اجتماعی موت واقع ہوجاتی ہے۔

☆...... امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ سورۃ الفلق کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (الحسد أوّل ذنبٍ عُصِی اللّٰہ بہٖ في السّماء، وأوّل ذنبٍ عُصِی اللّٰہ بہٖ في الأرض، فحسد ابلیسُ آدمَ ، وحسد قابیلُ ھابیلَ) یعنی: ''حسد وہ اولین گناہ ہے جس

کے ذریعے آسمان میں اللہ کی نافرمانی کی گئی، اور حسد ہی وہ اولین گناہ ہے جس کے ذریعے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی گئی، [آسمان میں] ابلیس نے آدم [علیہ السلام] سے حسد کیا، اور [زمین میں] قابیل نے ہابیل سے حسد کیا''۔(۱)

ابلیس نے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا' انہیں جنت سے نکلوایا' اور پھر خود بھی مردود وملعون ہو کر جنت سے نکلا، اور وہاں سے نکلتے وقت اس نے یہ عہد کیا کہ اولادِ آدم سے انتقام لینے کیلئے وہ قیامت تک ہر انسان کو صراطِ مستقیم سے منحرف وبرگشتہ کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا رہیگا، تا کہ جس طرح وہ خود جنت سے محروم ہوا ہے اسی طرح اولادِ آدم کی بھی زیادہ سے زیادہ تعداد کو جنت سے محروم کر کے جہنم کا ایندھن بنادیا جائے۔

لہٰذا جب بھی کوئی انسان اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنی آخرت برباد کرتا ہے تو وہ درحقیقت ابلیس کے اسی جوشِ انتقام کا نشانہ بننے کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، اور اس تمامتر مصیبت کا اصل اور بنیادی سبب یہی ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا۔

☆......اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کر کے سب سے پہلا انسانی خون بہایا اور اس روئے زمین پر فتنہ وفساد' قتل وغارتگری اور انسانی خون بہانے کی قبیح ترین رسم ڈالی، چنانچہ آج تک اس دنیا میں فتنہ وفساد' قتل وغارتگری اور خونریزی کا سلسلہ جاری ہے، اس تمامتر مصیبت وبربادی کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔

(۱) الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) میں سورۃ الفلق کی آیت ''ومن شر حاسدٍ اذا حسد'' کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

☆......اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کوان کے بھائیوں نے ستایا' تکلیفیں پہنچائیں' مارا پیٹا' قتل کرنے کی سازش اورکوشش کی' ویران اورتاریک کنوئیں میں پھینک دیا' جہاں سانپ' بچھو' دوسرے زہریلے حشرات الارض کی بہتات تھی،اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بازار میں غلام بنا کرفروخت کردیئے گئے،اور پھر قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں،ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لختِ جگر کی جدائی اورگم شدگی کے غم میں سالہا سال تک روتے رہے، یہاں تک کہ کثرتِ گریہ کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی،اس تمامتر مصیبت وپریشانی کا اصل سبب بھی یہی تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں نے حسد کیا۔

☆......اسی طرح اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ آتَیْنَاهُمُ الکِتَابَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَ هُمْ﴾ (۱) ترجمہ:(وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطاء کی ہے وہ انہیں [یعنی حضرت محمد ﷺ کو] پہچانتے ہیں' جیسا کہ وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو)

یعنی یہ یہود ونصاریٰ جس طرح اپنے بیٹوں کوخوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں' یا کوئی بھی انسان جس طرح اپنی اولاد کوبغیر کسی شک وشبہہ اوربغیر کسی دقت یا تردد کے خوب اچھی طرح اوریقینی طور پر جانتا اور پہچانتا ہے' بالکل اسی طرح یہ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ رسول اللہ ﷺ کواورآپؐ پرنازل شدہ کتاب' نیز آپؐ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی حقانیت اورصداقت کوخوب اچھی طرح جانتے اورسمجھتے ہیں،لیکن اس کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتے،اورنہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ مزید یہ کہ دوسروں کوبھی

(۱)البقرۃ[۱۴۶]

راہِ حق سے گمراہ وبرگشتہ کرنے کے درپے رہتے ہیں،اورمسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ سے ان کی یہی خواہش وکوشش رہی ہے کہ کسی طرح انہیں بھی صراطِ مستقیم سے برگشتہ کردیاجائے اوردینِ برحق یعنی اسلام کی نعمت سے انہیں محروم کردیاجائے......جیسا کہ قرآن کریم میں ان کی اس مذموم خواہش کا تذکرہ ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الحَقُّ﴾ (۱) ترجمہ:(اہلِ کتاب میں سے اکثروبیشترلوگ اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعددوبارہ کفرکی طرف لوٹادیں' حسدکی وجہ سے جو اِن کے دلوں میں ہے'بعداس کے کہ ان پرحق خوب واضح ہوچکا)

نیزقرآن کریم میں ان اہلِ کتاب کےاسی حسدکے بارے میں ارشادہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلىٰ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (۲)

ترجمہ:(کیایہ اہلِ کتاب حسدکرتے ہیں لوگوں [مسلمانوں] سے اس بات پرکہ اللہ نے ان پراپنافضل فرمایا)

غرضیکہ یہ یہودونصاریٰ دینِ اسلام کی حقانیت وصداقت سے بخوبی اورقطعی واقفیت کے باوجوداسے قبول کرنے کی بجائے روزِاول سے ہی اسلام اورمسلمانوں کونیست ونابود کردینے پرکمربستہ ہیں، ابتدائے اسلام ہی سے انہوں نے اسلام اورپیغمبرِ اسلام کے خلاف سازشوں کاسلسلہ شروع کردیا،کبھی رسول اللہ ﷺ کوشہیدکرنے کی کوشش کی ،کبھی آپ ﷺ پرجادوکیا،کبھی آپ ﷺ کے کھانے میں زہرملایا،اس طرح یہ لوگ ہمیشہ ہی

(۱)البقرۃ[۱۰۹] (۲)النساء[۵۴]

رسول اللہ ﷺ کیلئے جسمانی وروحانی' نیز ظاہری وباطنی قسم کی اذیتوں اور پریشانیوں کا سبب بنتے رہے۔

اور پھر عہدِ رسالت کے بعد بھی یہ اہلِ کتاب مسلمانوں کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں ہی مصروف رہے، صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، اسپین میں نہایت سفاکی وبیدردی کے ساتھ لاکھوں مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا، اور یہی صورتِ حال آج کے اس مہذب وترقی یافتہ دور میں بھی دنیا کے مختلف خطوں میں دیکھی جاسکتی ہے......!!

اگر غور کیا جائے تو یقیناً یہ حقیقت واضح ہوجائیگی کہ اس تمامتر مصیبت وآفت کا اصل اور حقیقی سبب بھی (قرآن کے فیصلے مطابق) یہی ہے کہ یہ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں۔

حسد کی تباہ کاریوں کے بارے میں یہ محض چند مثالیں درج کی گئی ہیں جن سے اس بات کا صحیح اندازہ ہوجانا چاہئے کہ یہ جذبۂ سیاہ انسانیت کیلئے کس قدر خطرناک اور تباہ کن ہے۔

حاسد کیلئے دینی ودنیاوی خسارہ:

☆ شیطان سے مماثلت:

حاسد انسان کو اپنی بدبختی کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہئے کہ قرآن کریم میں مُعوّذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں جس طرح شیطان اور اس کے چیلوں کے شر سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے' بعینہٖ اسی طرح حاسد کے شر سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، گویا کہ حاسد کا شر انسانیت کیلئے شیطان کے شر سے کم خطرناک نہیں ہے، بالفاظِ دیگر حاسد شخص بھی انسانیت کیلئے اسی قدر خطرناک ہے کہ جس

قدر شیطان خطرناک ہے۔

☆تمام نیکیوں کا ضیاع:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(الحَسَدُ يَأكُلُ الحَسَنَاتِ كَمَا تأكُلُ النَّارُ الحَطَبَ) (۱) ترجمہ:(حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے)

لہٰذا حاسد انسان کو چاہیۓ کہ وہ اپنے آپ پر رحم کرے اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی نیکیاں ضائع اور برباد کرنے سے باز رہے۔

☆غیبت اور چغلی کا سبب:

حاسد انسان جس کسی سے حسد کرتا ہے جگہ جگہ اس کی غیبت اور چغلی کرتا پھرتا ہے اور اس کے عیوب بیان کرتا ہے، حالانکہ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَيلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَة﴾ (۲) ترجمہ:(ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کیلئے بربادی ہے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لَايَدخُلُ الجَنَّةَ نَمَّام) (۳)

ترجمہ:(چغل خور انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: (مَــرَّ رَسُــولُ الــلّٰـهِ ﷺ عَـلـىٰ قَبـرَينِ فَقَالَ : اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِير ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَـكَانَ يَمشِي بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَاالآخَرُ فَكَانَ لَايَستَتِرُ مِن بَولِهِ) وفي رواية : (وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لَايَستَنزهُ مِن بَولِهِ) (۴)

(۱)ابوداؤد، باب فی الحسد [۴۹۳۰] ابن ماجہ [۴۲۱۰] (۲)الہمزۃ [۱]

(۳)مسلم [۱۰۵] باب بیان غلظ تحریم النمیمۃ۔ نیز: احمد [۲۳۳۷۳] (۴)حاشیہ آئندہ صفحہ پر......

ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ ایک باردوقبروں کے قریب سے جب گذرے تو آپؐ نے فرمایا:(اس وقت یہ دونوں قبروں والے عذاب میں مبتلا ہیں،حالانکہ جس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں وہ[بظاہر]کوئی خاص بہت بڑی وجہ نہیں ہے(۱)ان میں سے ایک شخص تو[اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ]چغلیاں کیا کرتا تھا،جبکہ دوسرا شخص پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کیا کرتا تھا)۔

☆ایذاءرسانی:

حاسدانسان ہمیشہ مختلف حیلوں‘تدبیروں اورسازشوں کے ذریعے اپنے محسودکواذیت وتکلیف اورگزندونقصان پہنچانے کی جدوجہدوکوشش میں مشغول رہتاہے،حالانکہ رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (اَلـمُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ) (۲)
ترجمہ:(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں)

☆نفرت پھیلانا:

حاسدانسان ہمیشہ اٹھتے بیٹھتے دوسروں کی عیب جوئی کرکے معاشرے میں نفرت‘ نفاق اورانتشار پھیلاتاہے،حالانکہ رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (وَالَّـذِي نَـفسِي بِيَـدِهٖ لَاتَدخُلُوا الجَنَّةَ حَتَّى تُؤمِنُوا، وَلَاتُؤمِنُوا حَتَّى تُحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُم عَلىٰ

بقیہ:حاشیہ صفحہ گذشتہ:

(۴)بخاری[۱۳۱۲]باب ماجاءفی عذاب القبر من الغیبۃ والبول۔مسلم[۲۹۲]باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ۔
(۱)یعنی وہ کوئی ایسی بہت بڑی مشکل بات نہیں تھی کہ جس سے بچنا ان دونوں کیلئے بہت مشکل کام تھا،بلکہ وہ توبہت ہی معمولی اورآسان سی بات تھی کہ اگریہ اس سے بچنا چاہتے توبسہولت بچ سکتے تھے،مگرانہوں نے اس سے بچنے کی فکراورکوشش ہی نہیں کی،جس کے نتیجہ میں اب یہ دونوں اپنی اپنی قبرمیں بڑے عذاب میں مبتلا ہیں۔
(۲)بخاری[۱۰]باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔☆مسلم[۴۱][۴۲]

أمرٍ اِذَا فَعَلتُمُوهُ تَحَابَبتُم؟ أفشُوا السَّلَامَ بَينَكُم) (۱) ترجمہ:(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے،تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ تم مؤمن نہ بن جاؤ،اورتم مؤمن نہیں بن سکتے تاوقتیکہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا برتاؤ نہ کرنے لگو،کیا میں تمہیں نہ بتادوں ایک ایسی چیز کہ اگرتم اسے اپنالوتو باہم محبت کرنے لگوگے؟ آپس میں ایک دوسرے کوزیادہ سے زیادہ سلام کیا کرو)۔

☆اپنے ہی مفادات کی بربادی:

حاسدانسان معاشرے میں نفرت کے بیج بوتاہے‘جس کی وجہ سے پورے معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہونے لگتی ہیں،اور پھر رفتہ رفتہ تمام معاشرہ اورملک زوال وانحطاط کا شکار ہوجاتاہے،لہٰذا حاسدانسان کوغورکرناچاہئے کہ وہ خودبھی تواسی معاشرے کاہی فرداورحصہ ہے کہ جس کی تباہی کا وہ خودسبب بن رہاہے،اورجب وہ معاشرہ اورملک وملت ہی سلامت نہ رہےتو پھراس کے بعداس حاسدکوکہاں ٹھکانہ نصیب ہوگا؟لہٰذاحاسدانسان درحقیقت خوداپنے ہی مفادات کادشمن ہےاوراپناہی آشیانہ نذرِآتش کردینے کے درپے ہے۔

☆صحت کی بربادی:

حاسدانسان دوسروں کی نعمتیں دیکھ کریہ تمنا کرتاہے کہ کسی طرح وہ ان نعمتوں سے محروم ہوجائیں۔چونکہ یہ حاسددوسروں کاتو کچھ بگاڑنہیں سکتا‘ لہٰذاخودہی حسدکی اس آتشِ سوزاں میں ہمیشہ جلتارہتاہے،ہروقت اداس اور پریشان رہتاہے،جس کے لازمی نتیجہ کے طورپروہ متعددجسمانی ونفسیاتی امراض کاشکارہوجاتاہے،محاورہ مشہورہے: (النّارُ تَأكُلُ

(۱)مسلم[۵۴]باب بیان أنہ لایدخل الجنۃ الاالمؤمنون......،☆ابن حبان[۲۳۶]ابن ماجہ[۶۸][۳۶۹۲] ☆ترمذی[۲۶۸۸]باب ماجاءفی افشاءالسلام☆احمد[۱۴۱۲]

نَفسَها اِن لَم تَجدُ مَا تَأكُلُهُ) یعنی: ''آگ کو جب کوئی چیز جلانے کیلئے نہیں ملتی تو وہ خود اپنے آپ کو ہی جلا کر ختم کر دیتی ہے''۔

بعینہٖ اسی طرح حاسد انسان دوسروں کی نعمتوں اور ان کی مسرتوں کو دیکھ کر ''خودسوزی'' کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے، اپنا سکون اور اپنی صحت برباد کرتا ہے، اور یوں وہ خود اپنے آپ پر' نیز اپنے ان بچوں پر بھی ظلم کرتا ہے کہ جنہیں اس کی اشد ضرورت ہے۔

☆ **اللہ کی تقسیم پر اعتراض:**

اس دنیا میں جس کسی انسان کو جو کوئی بھی نعمت میسر ہے در حقیقت اسے وہ اللہ کی طرف سے ملی ہے، کسی کو کسی نعمت سے نوازنے میں' اور کسی کو محروم رکھنے میں کیا حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے؟ یہ اللہ ہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ البتہ مسلمان کیلئے اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کی ہر تقسیم اور اس کے ہر فیصلے کو دل وجان سے درست تسلیم کرے اور اس پر راضی و مطمئن رہے، بلکہ یہ چیز تو خود اللہ پر ایمان ہی کے مفہوم میں شامل ہے۔(۱)

جبکہ اس کے برعکس حاسد انسان دوسروں کے پاس موجود اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ کر کے اور ان کی خوشحالی و آسودگی کو دیکھ کر غمگین اور ناراض ہوتا ہے، گویا کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس تقسیم پر خوش نہیں ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ کیسا مسلمان ہے کہ جسے ''اللہ کی تقسیم'' پر اعتراض ہے......؟

☆......خصوصاً جبکہ یہ بھی ایک اٹل اور نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا

(۱)''اللہ پر ایمان'' کے ضمن میں ہی اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' پر ایمان بھی شامل ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب: ''اسلامی عقائد'' از: مؤلف۔

میں جس کسی انسان کے پاس جو کچھ بھی خوشحالی وفراوانی اور مسرت وشادمانی کا سامان موجود ہے' کوئی ضروری نہیں کہ وہ واقعی اللہ کی طرف سے اس کیلئے بطورِ انعام واحسان ہی ہو......! کیونکہ یہ دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤمن وکافر' صالح وفاسق سب ہی کو عطاء فرماتا ہے، کسی کو بطورِ انعام' کسی کو بطورِ امتحان' جبکہ کسی کو یہی نعمتیں بطورِ وبالِ جان بھی دی جاتی ہیں، یعنی یہی نعمتیں اس کیلئے سکون واطمینان کے فقدان اور راحت وآرام کی تباہی وبربادی کا سامان بن جایا کرتی ہیں، بالفاظِ دیگر یہی نعمتیں اس کیلئے عذاب ثابت ہوتی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بظاہر آسودہ وخوشحال نظر آنے والے اس انسان کی زندگی اور اس کے شب وروز خود اس انسان سے بھی بدتر ہوں کہ جو اس کی اس خوشحالی وآسودگی کی وجہ سے حسد میں مبتلا ہے اور اپنا دین وایمان' اپنی دنیا وآخرت نیز اپنی صحت وتندرستی برباد کرنے پر آمادہ وکمربستہ ہے......!!

لہٰذا کسی کے پاس محض ظاہری نعمتیں اور آسائشیں دیکھ کر ''حسد'' جیسی بدترین خصلت' مہلک ترین عادت' بلکہ قبیح ترین آفت میں مبتلا ہو کر خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی دنیا وآخرت' اپنی صحت وتندرستی برباد کرنا' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے خالق ومالک اور محسن ومنعم کو ناراض کرنا اور اس کے غیظ وغضب کو دعوت دینا کہاں کی دانشمندی ہے......؟

☆......مزید یہ کہ یہ بات بھی تو عین ممکن ہے کہ اس محسود (یعنی جس سے حسد کیا جارہا ہے) کی یہ دنیاوی کامیابی' جاہ ومنصب اور خوشحالی وآسودگی' نیز اس کے پاس موجود دیگر تمام نعمتیں حرام وناجائز ذرائع سے حاصل شدہ ہوں، ایسے میں بظاہر نعمت نظر آنے والی یہ تمام چیزیں تو آخرکار یقیناً اس کیلئے عذاب اور وبالِ جان ہی ثابت ہوں گی، اور قبر میں یہ تمام چیزیں سانپ اور بچھو بن کر اسے ڈسینگی......!!

لہٰذاان ''سانپوں''اور''بچھوؤں'' سے دوری وسلامتی اور عافیت ونجات پرتو خلوصِ دل کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کاشکراداکرناچاہئے...... نہ یہ کہ اس عافیت وسلامتی پر رنج وملال اوراحساسِ محرومی وافسردگی کااظہارکیاجائے......!!

حسد کا علاج:

گذشتہ سطور میں''حسد'' جیسی بدترین خصلت اورمہلک ترین اخلاقی 'روحانی اورنفسیاتی مرض کے تذکرہ کے بعداب سوال یہ ہے کہ اس آفت سے حفاظت ونجات کیلئے کیا تدبیراختیارکی جائے؟

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں اس اہم ترین سوال کاجواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں درجِ ذیل امورکااہتمام والتزام کیاجائے:

(۱)...... حاسدانسان کوچاہئے کہ وہ اس بارے میں سنجیدگی سے غوروفکرکرے کہ اسے جوتھوڑی بہت نیک اعمال کی توفیق ہوجاتی ہے'اگراس کے یہ تمام نیک اعمال (رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق)اس کی اس بری خصلت (یعنی حسد) کی وجہ سے ضائع ہوتے رہیں' توکیااس سے بڑھ کرکوئی بدنصیبی ہوسکتی ہے......؟

(۲)......حاسدانسان کودنیامیں رنج وغم اورافسردگی وپریشانی' نیزآخرت میں بھی بربادی وناکامی ہی نصیب ہوتی ہے،لہٰذااسے غورکرناچاہئے کہ اس کی اس بری خصلت کی وجہ سے محسودکاتوکچھ بھی نہیں بگڑتا،البتہ اس کی یہ خصلت خوداس کیلئے یقیناًانتہائی مضراورتباہ کن ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی توپھریہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ انسان خوداپنے ہی ہاتھوں اپناہی نقصان اوراپنی ہی بربادی کاسامان کرتاچلاجائے......؟

(۳)......حاسد انسان کو چاہیۓ کہ وہ خود اپنے سے بلند مقام ومرتبہ اور زیادہ حیثیت یا مال ودولت رکھنے والوں کو دیکھ کر غمگین' پریشان اور بیمار ہونے اور بس ہمیشہ کڑھتے رہنے کی بجائے ان لوگوں کو دیکھا کرے جو مال ودولت اور مقام ومرتبے میں اس سے کم حیثیت رکھتے ہوں، تاکہ ان کے مسائل' پریشانیوں اور دشواریوں کا نظارہ ومشاہدہ کر کے اسے خود اپنے پاس موجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں پر شکرادا کرنے کی توفیق ہو، اس طرح اسے احساسِ محرومی اور ذہنی کرب واذیت سے نجات' نیز روحانی مسرت وآسودگی حاصل ہوگی، جیسے کہ ایک شخص اپنا جوتا گم ہوجانے پر غمگین اور پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جو اپنے پاؤں سے ہی محروم تھا، تب اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکرادا کیا کہ جوتا گم ہوگیا تو کوئی بات نہیں، الحمدللہ پاؤں تو صحیح سلامت ہیں۔

(۴)......حاسد کو چاہیۓ کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر افسردہ وغمگین ہونے اور اس کے زوال کی تمنا کرنے کی بجائے اسی جیسی نعمت اللہ سے اپنے لئے بھی طلب کرے، اللہ کے خزانے میں کوئی کمی تو نہیں ہے، اگر وہ چیز اللہ کے علم میں اس کیلئے بہتر اور مفید ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی عطاء فرمادیں گے، ورنہ یہ کہ اللہ کے ہر کام میں یقیناً حکمت ومصلحت پوشیدہ ہے، ہر بندے کی بہتری اور اس کے نفع ونقصان کے بارے میں خود بندے سے بھی بڑھ کر اللہ کو علم ہے، کیونکہ بندوں کا علم ناقص اور اللہ کا علم کامل ہے،، لہٰذا بندے کیلئے اپنی کسی پسندیدہ چیز سے دوری ومحرومی میں بھی درحقیقت اس کیلئے خالقِ کائنات اور علام الغیوب کی طرف سے یقیناً خود بندے کیلئے ہی کوئی خوبی وبہتری ہی مقصود ہے۔

(۵)......حاسد کو چاہیۓ کہ وہ کسی دوسرے کے پاس موجود کسی نعمت کو دیکھ کر افسردہ وغمگین ہونے اور حسد جیسی بدترین خصلت کا شکار ہوکر دنیا وآخرت کی بربادی مول لینے کی بجائے

خوداپنے اندربھی وہی عمدہ اوصاف' نیزمحنت ومشقت کا جذبہ'طلبِ صادق' سچی لگن اورتڑپ پیداکرے کہ جس کی بدولت اُس محسودکو یہ مقام ومرتبہ' یہ ترقی اوریہ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ جس طرح قابیل نے جب ہابیل کوقتل کی دھمکی دی توجواب میں ہابیل نے کہا کہ:﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (۱) یعنی:(بیشک!اللہ توپرہیزگاروں سے ہی قبول فرماتا ہے)۔

مقصد یہ کہ قابیل کی طرف سے قتل کی دھمکی کے جواب میں ہابیل نے اسے یوں کہا کہ تم مجھ سے حسد کرنے اوراس کے نتیجہ میں مجھے قتل کردینے کی بجائے وہی خوبی یعنی تقویٰ' پرہیزگاری اورللٰہیت اپناؤ کہ جس کی بدولت مجھے یہ مقام ومرتبہ حاصل ہواہے۔(۲)

☆...... مذکورہ بالاتمام باتیں توحاسد سے متعلق تھیں کہ وہ اس مکروہ ترین عادت اورقبیح ترین خصلت سے بچنے کیلئے کیا تدابیراختیارکرے۔

☆ حاسد کے شر سے کس طرح بچا جائے؟

جہاں تک محسودکاتعلق ہے کہ اسے حاسد کے شر سے محفوظ ومأمون رہنے کیلئے کیا کرنا چاہئے؟ تواس بارے میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ:

(۱)......تمام شرعی احکام وتعلیمات' نیزاسلامی اخلاق وآداب کی مکمل پابندی کی جائے۔

(۲)......سورۃ الاخلاص اورمُعوّذتین یعنی سورۃ الفلق اورسورۃ الناس' نیزآیۃ الکرسی کی بکثرت تلاوت کااہتمام والتزام کیاجائے۔

(۳)......جس شخص کے بارے میں اندیشہ ہوکہ اس کے مزاج میں حسدپایاجاتاہے' بلاضرورت اس کے سامنے اپنے پاس موجودنعمتوں کااظہاریاتذکرہ نہ کیاجائے۔

(۱)المائدۃ[۲۷] (۲)جیسا کہ اردو میں محاورہ مشہور ہے:''محنت کر،حسد نہ کر''۔

(۴)...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحت وتندرستی' عزت وشہرت' جاہ ومنصب' مال ودولت' یااورکسی بھی شکل میں جوبھی نعمت عطاء کررکھی ہو' اس پرفخر وغرور' تکبر' خودپسندی' دوسروں کے ساتھ بدسلوکی اوران کی تحقیروتذلیل کی بجائے حتیٰ الامکان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شکرگذاری واحسان مندی' نیزاس کے سامنے عجزوانکساراوراس کی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک کاراستہ اختیارکیاجائے۔

(۵)......اپنے اعزہ واحباب اورقرب وجوارمیں مقیم افرادمیں سے ناداروں اورحاجت مندوں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی اوراعلیٰ ظرفی کامظاہرہ کیاجائے اورحتیٰ الامکان ان کے ساتھ حسنِ سلوک کامعاملہ کیاجائے، نیزخلوصِ نیت کے ساتھ' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر وقتاً فوقتاً ان کی مالی مددواعانت بھی کی جائے ،تاکہ ان کے دلوں میں احساسِ محرومی یاحسدکے جذبات پیدانہوسکیں ،ان شاءاللہ اس کانتیجہ یہ ہوگاکہ وہ ایسے شخص سے حسد' اوراس کی خوشحالی وآسودگی کے زوال کی آرزوکرنے کی بجائے اسے اپنامحسن اورخیرخواہ تصورکریں گے اوراس کیلئے مزیدخیروبرکت اورترقی وخوشحالی کی دعاء کرتے رہیں گے۔

زبان کی حفاظت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو پیدا فرمایا، اسے عدم سے وجود بخشا، اور پھر اپنے فضل وکرم سے اسے بیشمار نعمتوں سے نوازا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا﴾ (۱) ترجمہ: (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے)

ابنِ آدم پر اس کے خالق ومالک اور منعم ومحسن کی طرف سے جو بیشمار احسانات وانعامات ہیں ان میں سے ایک بہت بڑا احسان ''قوتِ گویائی'' ہے۔ یعنی خالقِ کائنات نے انسان کو زبان کی شکل میں ایک انتہائی گراں قدر نعمت عطاء فرمائی، اور پھر اس زبان کے ذریعے اسے بولنے کی قوت عطاء فرمائی، تاکہ وہ اپنا مدعیٰ بیان کر سکے اور مافی الضمیر کا اظہار کر سکے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (۲) ترجمہ: (رحمٰن نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اور اسے بولنا سکھایا)

☆...... یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ فطری طور پر انسان کا مزاج یہ ہے کہ اس کے دل میں ہمیشہ اپنے محسن کیلئے انتہائی عزت واحترام کے جذبات موجزن رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، بلکہ اسے اس کی نافرمانی کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی قیمتی چیز بطورِ تحفہ یا انعام دیتا ہے' تو تحفہ یا انعام وصول کرنے

(۱) ابراہیم [۳۴] نیز: النحل [۱۸] (۲) الرحمٰن [۱-۴]

والے اس شخص میں اگر حیاء ومروت ہوتو اسے ضرور اس بات کا لحاظ اور احساس ہوگا کہ میں اپنے اس محسن کی دی ہوئی اس چیز کو اس کی مرضی ومنشاء کے خلاف استعمال نہ کروں، بلکہ ہمیشہ صرف اسی طریقے کے مطابق ہی استعمال کروں جو میرے منعم ومحسن کی خواہش اور اس کی مرضی، نیز اس کی طرف سے آمدہ تعلیمات وہدایات کے عین مطابق ہو۔

☆......اس انسانی فطرت کو سمجھ لینے کے بعد اب اس بارے میں بھی غور وفکر کیا جائے کہ جب انسان کیلئے یہ ''زبان'' اس کے خالق ومالک کی طرف سے بہت ہی بڑی نعمت اور احسانِ عظیم ہے، تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس نعمت کو صرف انہی طریقوں کے مطابق ہی استعمال کرے جو اس کے محسن کی مرضی ومنشاء اور اس کی طرف سے نازل شدہ ہدایات وتعلیمات کے مطابق ہوں، جن میں انسان کیلئے اپنے اس منعم ومحسن کی خوشنودی ورضامندی کا سامان ہو، نیز جن میں خود بولنے والے کیلئے، یا دوسروں کیلئے کسی فتنہ وفساد اور آفت ومصیبت کا اندیشہ نہ ہو، بلکہ سب ہی کیلئے عافیت وسلامتی اور خیر وخوبی کا پیغام ہو۔

☆......چنانچہ اس موضوع (یعنی: ''انسان کی گفتگو'') کی اسی نزاکت واہمیت کی بناء پر ہی قرآن وحدیث میں انسان کو جابجا ''زبان'' کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کے غلط استعمال سے مکمل اجتناب کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً﴾ (۱) ترجمہ: (لوگوں سے ہمیشہ خوش اسلوبی سے بات کیا کرو)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُل لِعِبَادِي يَقُولُواْ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ

(۱) البقرۃ[۸۳]

بَیۡنَھُمۡ اِنَّ الشَّیۡطَانَ کَانَ لِلاِنۡسَانِ عَدُوّاً مُّبِیۡناً) (۱) ترجمہ: (اورمیرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں' کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے، بیشک شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوۡلُوا قَوۡلاً سَدِیۡداً﴾ (۲) ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور درست بات کہو)

یعنی انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ایسی درست' مناسب' اور سچی بات کہا کرے جس میں خود اس کیلئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی عافیت وسلامتی کا سامان ہو، اور ہر ایسی بات سے مکمل گریز کرے جس میں فتنہ وفساد' آفت ومصیبت' یا کسی بھی قسم کی پریشانی کا احتمال ہو۔

نیز ارشاد ہے:﴿مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ﴾ (۳) ترجمہ: (انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے) یعنی انسان کی زبان سے ادا ہونے والا ہر ایک ایک لفظ اس کے نامۂ اعمال میں محفوظ کرنے کیلئے ہمہ وقت اس کے ہمراہ ایک فرشتہ مستعد وتیار رہتا ہے، لہٰذا انسان کیلئے ضروری ہے کہ اپنی زبان سے ایک ایک لفظ ادا کرتے وقت خوب غور وفکر کرے، اور اس کے ذہن میں ہمیشہ اپنی ہر ہر بات کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس بیدار رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰہِ وَالیُومِ الآخِرِ فَلیَقُلۡ خَیراً أو لِیَصۡمُتۡ) (۴) ترجمہ: (جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہئے کہ [ہمیشہ] اچھی بات کہا کرے، ورنہ خاموش رہا کرے)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (اِنَّ العَبۡدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالکَلِمَۃِ مِن سَخَطِ اللّٰہِ لَا یُلۡقِي لَھَا بَالاً

(۱) الاسراء/بنی اسرائیل[۵۳] (۲) الاحزاب[۷۰] (۳) ق[۱۸] (۴) بخاری[۵۶۷۲]

يَهوِي بِهَا فِي جَهَنَّم) (۱) ترجمہ: (بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہتا ہے جواللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے، اگرچہ اس [انسان] کی نظر میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، مگر یہی بات اس کیلئے جہنم میں جا گرنے کا سبب بن جاتی ہے)

☆......''زبان'' یا بالفاظِ دیگر انسان کی گفتگو کی اس قدر اہمیت اور اس کی نزاکت کے پیشِ نظر اس سلسلہ میں اسلامی آداب وتعلیمات کا علم وادراک اور اس بارے میں شعور وآگاہی ہر مسلمان کیلئے انتہائی ضروری ولازمی ہے۔ ان آداب وتعلیمات کی رو سے انسان کیلئے اپنی زبان کے استعمال کے سلسلہ میں درجِ ذیل امور سے اجتناب کا مکمل اہتمام والتزام ضروری ولازمی ہے:

(۱) فضول گفتگو:

فضول اور بلاضرورت گفتگو ناپسندیدہ عادت اور مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی جن صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک یہ صفت بھی ہے کہ: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور وہ فضول اور بیہودہ کاموں سے منہ موڑے رکھتے ہیں) اس آیت میں ''لغو'' کے معنیٰ ومفہوم میں یقیناً فضول گفتگو بھی شامل ہے، لہٰذا فضول گفتگو سے اجتناب ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی مفہوم اور یہی تقاضا ہے: (مِن حُسنِ اِسلَامِ المَرءِ تَركُهُ مَالَا يَعنِيهِ) (۳) ترجمہ: (انسان کیلئے بہتر مسلمان ہونے کی علامات میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرے جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو)۔

(۱) بخاری [۶۱۱۳] الرقاق (۲) المؤمنون [۳] (۳) ترمذی [۲۳۱۷] احمد [۱۷۳۲] ابن حبان [۲۲۹]

نیزارشادِنبوی ﷺ ہے:(لَاتُكثِرُوا الكَلَامَ بِغَيرِذِكرِاللّٰهِ تَعَالىٰ، فَإنَّ كَثرَةَ الكَلَامِ بِغَيرِذكرِاللّٰهِ تَعَالىٰ قَسوَةٌ لِلقَلبِ، وَإنَّ أبعَدَالنَّاسِ مِن رَحمَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ : القَلبُ القَاسِي) (۱) ترجمہ:(اللہ کے ذکر کے سوادوسری باتیں ضرورت سے زیادہ نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ کے ذکر کے سوا کثرتِ کلام سے دل سخت ہوجاتا ہے،اوراللہ کی رحمت سے سب سے زیادہ دوراورمحروم وہی شخص رہتا ہے جس کا دل سخت ہو)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک باررسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:مَا النَّجَاۃ؟ یعنی(ہرقسم کی آفتوں اور پریشانیوں سے)سلامتی ونجات حاصل کرنے کیلئے کیا تدبیراختیارکی جائے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشادفرمایا:(أَمسِكْ عَلَيكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيتُك، وَابْكِ عَلىٰ خَطِيئَتِكَ) (۲) ترجمہ:(اپنی زبان کوسنبھال کررکھو،تمہیں تمہاراگھرکافی ہوجائے(۳)اوراپنے گناہوں پررویاکرو) (۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(المُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لسَانِهٖ وَيَدِهٖ) (۵) ترجمہ:(مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اورجس کے ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں)

بسیارگوئی یعنی زیادہ بولناانسان کی ناپختگی وناسمجھی کی دلیل ہے،جبکہ اس کے برعکس خاموشی

(۱)ترمذی[۲۴۱۱] (۲)ترمذی[۲۴۰۶]باب ماجاءفی حفظ اللسان۔

(۳)یعنی بلاضرورت اپنے گھرسے باہرگلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتے رہنے سے پرہیزکیاجائے۔
نیزاس کایہ معنیٰ بھی بیان کیاگیاہے کہ انسان کوچھوٹابڑاقیمتی یامعمولی جیسابھی گھرنصیب ہووہ اسی پرراضی وقانع رہےاوردوسروں کے گھروں کی طرف نہ دیکھاکرے۔

(۴)یعنی گناہوں سے بچنے کی کوشش کے باوجوداگرفطری انسانی کمزوری کے باعث کبھی کوئی گناہ سرزدہوجائے تواس پرخوش ہونے یااس پراصرارکی بجائے جلدازجلدخلوصِ دل کے ساتھ توبہ واستغفارکااہتمام کیاجائے۔

(۵)بخاری[۱۰]باب من سلم المسلمون من لسانهٖ ويدهٖ ۔نیز:مسلم[۴۱]

اور کم گوئی یقیناً عقلمندی وسمجھداری کی نشانی ہے۔

مثال مشہور ہے: اِذا تَمّ عقلُ المَرءِ نَقَصَ کَلَامُهٗ یعنی: ''انسان کی عقل جب پختہ ہوجاتی ہے تو اس کی گفتگو کم ہوجاتی ہے''۔ نیز مثال مشہور ہے: مَن سَکَتَ سَلِمَ، وَمَن سَلِمَ نَجَا یعنی: ''جو شخص خاموش رہا وہی سلامت رہا' اور جو سلامت رہا اسی نے نجات پائی''۔ نیز: اِذا کَانَ الکَلَامُ مِن الفِضَّةِ فَالسُّکُوتُ مِنَ الذَّھَبِ یعنی: ''انسان کی گفتگو اگر چاندی کی طرح قیمتی ہے' تو اس کی خاموشی یقیناً سونے کی طرح قیمتی ہے''۔

لہٰذا ''کثرتِ کلام'' یعنی فضول اور بلاضرورت گفتگو سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ یہ عادت انسان کیلئے کسی بھی وقت کسی بڑی آفت ومصیبت کا سبب بن سکتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس کم گوئی میں انسان کیلئے عافیت وسلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔ کسی کا شعر ہے:

ایک خاموشی سے ٹلتی ہیں ہزاروں مشکلات
جو رہا خاموش' سمجھو مل گئی اس کو نجات

جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر کسی صورت واپس نہیں آسکتا' بندوق سے نکلی ہوئی گولی واپس نہیں ہوسکتی' بعینہٖ اسی طرح جو بات ایک بار زبان سے نکل گئی وہ کسی صورت واپس نہیں آسکتی۔ لہٰذا انسان کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان سے کوئی بھی لفظ ادا کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ لیا کرے، جیسا کہ اردو میں محاورہ مشہور ہے: ''پہلے سوچو، پھر تولو، پھر بولو''۔ نیز کسی دانشمند کا قول ہے کہ: ''اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو' مگر زبان بند رکھو''۔ شاعر کہتا ہے:

مَا اِن نَدِمتُ علَیٰ سُکُوتِي مَرَّةً وَلَقَد نَدِمتُ عَلَیٰ الکَلَامِ مِرَارَا

یعنی آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے اپنی ''خاموشی'' پر افسوس ہوا ہو، البتہ زندگی میں ایسے

مواقع بارہا آئے کہ جب مجھے اپنے ''بولنے'' پر انتہائی ندامت اور حسرت کا سامنا کرنا پڑا۔
نیز کسی کا شعر ہے:

اِحفَظْ لِسَانَكَ أَيُّهَا الاِنسَانُ لَا يَلدَغَنَّكَ هٰذا الثُّعبَانُ

ترجمہ: (اے انسان! اپنی زبان کو خوب سنبھال کر اور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا کرو، تا کہ کسی روز یہ ''سانپ'' تمہیں ڈس نہ لے۔

نیز کسی کا شعر ہے:

يَمُوتُ الفَتَىٰ مِن عَثرَةٍ بِلِسَانِهٖ وَلَيسَ يَمُوتُ المَرءُ مِن عَثرَةِ الرِّجْلِ

ترجمہ: (بعض اوقات کوئی نوجوان شخص ٹھوکر لگنے کی وجہ سے موت کے منہ میں جا پہنچتا ہے۔ حالانکہ وہ ٹھوکر اسے پاؤں سے نہیں' بلکہ زبان سے لگی ہوتی ہے (یعنی انسان کیلئے پاؤں میں لگنے والی ٹھوکر کی بنسبت زبان کی ٹھوکر بہت زیادہ خطرناک' مہلک' اور جان لیوا ثابت ہوا کرتی ہے)۔

لہٰذا جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت اور سلامتی و نجات مطلوب ہو اس کیلئے فضول گفتگو سے بہر صورت اجتناب اور مکمل گریز انتہائی ضروری ہے۔

(۲) کثرتِ مزاح:

''کثرتِ مزاح'' یعنی باہمی ہنسی مذاق اگر معقول حد کے اندر ہو تو یقیناً اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بعض اوقات تو کسی کی دلجوئی کیلئے ہنسی مذاق مطلوب و محمود ہے، البتہ اس موقع پر شرعی آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ ہنسی مذاق میں بھی مبالغہ آمیزی اور دروغ گوئی سے اجتناب کیا جائے، نیز ایسی بات سے گریز کیا جائے جس میں کسی کی دل آزاری کا اندیشہ ہو۔ جبکہ اگر ہنسی مذاق کے موقع پر ان شرعی آداب کو پسِ پشت ڈال دیا جائے، یا

''حدِ اعتدال'' کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو یقیناً ایسی ہنسی مذاق سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ حیادار اور باوقار ہو، جبکہ ضرورت سے زیادہ ہنسی مذاق یقیناً وقار کے منافی ہے۔

نیز ضرورت سے زیادہ اور بے موقع ہنسی مذاق میں بعض اوقات زبان سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے کہ متکلم کو اس کی اہمیت ونزاکت کا احساس نہیں ہوتا، لیکن وہی بات مخاطب کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہوجاتی ہے......! اور پھر تعلقات میں خوشگواری کی بجائے تلخی وکشیدگی کا عنصر نمایاں ہونے لگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

جِراحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الالتِيَامُ وَلايَلتَامُ مَا جَرَح اللِّسَانُ

یعنی: ''نیزوں کے زخم تو کبھی نہ کبھی بھر ہی جاتے ہیں، لیکن زبان کے زخم کبھی نہیں بھرتے، بلکہ ہمیشہ تازہ ہی رہتے ہیں......''۔

نیز مثال مشہور ہے: لکلّ شئ بَذرٌ، وبَذرُ العَدَاوة : المِزاح یعنی: ''ہر چیز کا ایک بیج ہوا کرتا ہے، اور باہمی نفرت وعداوت کا بیج ضرورت سے زیادہ ہنسی مذاق ہے''۔

چنانچہ مشاہدہ یہی ہے کہ بسا اوقات محض باہمی ہنسی مذاق میں اور بس کھیل ہی کھیل میں کسی کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے اچانک صورتِ حال یکسر تبدیل ہوجاتی ہے، قہقہوں اور مسکراہٹوں سے بھرپور محفل دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ کارزار کا نقشہ پیش کرنے لگتی ہے۔

لہٰذا ''کثرتِ مزاح'' یعنی ضرورت سے زیادہ فضول ہنسی مذاق سے اجتناب ضروری ہے۔ بلکہ یہ بات تو خاص طور پر ذہن نشیں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جس کسی کے ساتھ جس قدر نازک اور حساس نوعیت کے تعلقات ہوں' اس کے ساتھ فضول ہنسی مذاق سے اسی قدر

گریز ضروری ہے، تاکہ ان حساس اور نازک تعلقات میں کبھی کسی ناگواری یا تلخی کا کوئی عنصر شامل نہونے پائے۔

(۳) جھوٹ: (۱)

یقیناً ''سچ'' ہر فضیلت کا منبع اور ہر خیر وخوبی کا سرچشمہ ہے، جبکہ اس کے برعکس جھوٹ ہر خرابی کی اصل اور ہر برائی کی جڑ ہے۔ جھوٹ کی قباحت وشناعت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں ''صدق'' کے بالمقابل ''نفاق'' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح وثابت ہوتی ہے کہ ''صدق'' ایمان کی علامت' دنیاوآخرت میں سعادت مندی اور صلاح وفلاح کا سبب ہے۔ جبکہ ''جھوٹ'' کفر ونفاق کی علامت اور دنیاوآخرت میں بربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِم وَ يُعَذِّبَ الْمُنَافِقِيْنَ اِنْ شَـاءَ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْراً رَّحِيْماً﴾ (۲) ترجمہ: (تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے' اور منافقوں کو اگر چاہے تو سزا دے' یا ان کی توبہ قبول فرمائے' یقیناً اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار منافق کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: (آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَاِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ) (۳) ترجمہ: (منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے گا جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کریگا تو

(۱) ''جھوٹ'' کی قباحت وشناعت کے بارے میں مزید تفصیل ''صدق'' کی فضیلت واہمیت کے بیان میں صفحہ: ۲۱ پر ملاحظہ ہو۔ (۲) الاحزاب [۲۴]

(۳) بخاری [۳۳] باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری: [۲۵۳۶] [۲۵۹۸] [۵۷۴۴]۔ مسلم [۵۹] باب بیان خصال المنافق۔ ترمذی [۲۶۳۱] باب ماجاء فی علامۃ المنافق۔ احمد [۸۶۷۰]

وعدہ خلافی کرے گا،اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو اس میں خیانت کرے گا)۔

(۴)غیبت:

''غیبت'' سے مراد ہے: ''کسی کی غیرموجودگی میں اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا جواسے ناگوار محسوس ہو''۔ (۱)

یہاں یہ حقیقت ہمیشہ ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ فطری طور پر انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ اس بات کو قطعاً قبول نہیں کرتا کہ اس کی غیرموجودگی میں اس کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہی جائے۔

نیز یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جب بھی کسی کی غیرموجودگی میں اس کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہی جاتی ہے تو قانونِ قدرت یہی ہے کہ آج یا کل' جلد یا بدیر' کبھی نہ کبھی یہ بات ضرور اُس شخص تک پہنچ کر ہی رہیگی،اوراس وقت اس بات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوچکی ہوں گی، کہنے والے نے معمولی سی کوئی بات کہی،اور پہنچانے والے نے خوب بڑھا چڑھا کر بات پہنچائی، کہنے والے نے ہلکے پھلکے انداز میں کچھ کہا،مگر پہنچانے والے کا انداز یقیناً مختلف ہوگا، کہنے والے کی نیت میں شاید کوئی فساد نہو،جبکہ پہنچانے والا کسی اورنیت سے یہ بات پہنچائیگا...... اور پھر صورتِ حال بہت نازک اورخطرناک ہوجائیگی، بڑے مسائل پیدا ہوں گے،رنجشوں اورتلخیوں کا ایک طوفان برپا ہوجائیگا، باہمی تعلقات میں خوشگواری کی بجائے تلخی وبدمزگی کی آمیزش ہوجائیگی،محبتیں نفرتوں میں بدل

(۱)ملاحظہ ہوحدیث:أتدرون ماالغيبة؟ قالوا: اللّٰه ورسولهٗ أعلم، قال ﷺ : ذكرکَ أخاك بما يكره...... (مسلم:۲۵۸۹) باب استحباب العفووالتواضع ۔

جائینگی،طبیعتوں میں بدمزاجی وکدورت آجائیگی،انسانی رشتوں کی عمارت منہدم ہونے لگے گی......!!

اور پھر نتیجہ کیا ہوگا؟صحت کی خرابی،سکون واطمینان کا فقدان،اور بالآخر دنیاوآخرت کی بربادی......!!

لہٰذااس بارے میں اسلامی تعلیمات' نیز حکمت ودانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ اگر کسی کو کسی کی کوئی بات' یااس میں موجودکوئی عادت یااس کی کوئی حرکت ناپسند ہوتو کسی تیسرے شخص کے سامنے اس بارے میں کسی قسم کے تذکرہ یاتبصرہ کی بجائے براہِ راست خوداسی سے اس بارے میں گفتگوکرلی جائے،اورگفتگوکرتے وقت انداز خالصۃً ناصحانہ ہو،ہمدردی اور خلوص نمایاں ہو،تحقیر وتذلیل مقصودنہو،جس طرح معالج اپنے مریض کے ساتھ مکمل ہمدردی ومحبت اورشفقت وخلوص کا اظہار کرتا ہے،اس کی تحقیر وتذلیل نہیں کرتا،اس کے علاج کے سلسلہ میں اس سے حاصل شدہ معلومات یااس کے رازوں کی تشہیر نہیں کرتا......!

نیز جس طرح والدین اپنے کسی بچے میں موجودکسی اخلاقی عیب کی وجہ سے اسے محلے میں یاخاندان اور برادری والوں کے سامنے رسوااور بدنام نہیں کرتے، بلکہ وہ تواس کی پردہ پوشی کی ہرممکن کوشش کرتے ہیں اورانتہائی محبت وخلوص اورشفقت وہمدردی کے ساتھ اس کی اصلاح کی فکروجستجو میں مشغول رہتے ہیں۔بعینہٖ اسی طرح کسی بھی مسلمان میں موجودکسی عیب' یااس کی کسی ناپسندیدہ عادت یاحرکت پراس کی تحقیر وتذلیل اوردوسروں کے سامنے اس کی تشہیرکی بجائے اسے براہِ راست خلوت میں مناسب طریقہ سے تنبیہ کردی جائے،اندازناصحانہ ہو' ناقدانہ نہو۔اس طرح باہمی تعلقات میں کوئی خرابی وبدمزگی پیدانہیں ہوگی،نہ ہی کسی رنجش یاتلخی کااندیشہ رہے گا،ارشادِربانی:﴿أُدۡعُ اِلیٰ سَبِیۡلِ

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (۱) (یعنی: ''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کوحکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے'') سے مطابقت بھی ہوجائیگی، فریضۂ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کی ادائیگی' نیز رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل بھی ہوجائیگی: (مَن سَتَرَ مُسلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يومَ القِيامَةِ) (۲) ترجمہ: (جس نے [دنیامیں] کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی' اللہ تعالیٰ [قیامت کے روز] اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے)۔

اس معاملہ کی اس قدر اہمیت ونزاکت' یا بالفاظِ دیگر ''غیبت'' کی اس قدر قباحت وشناعت اوراس کے بیشمار مفاسداور بدترین نتائج کی وجہ سے ہی قرآن وحدیث میں اس سے مکمل اجتناب کی نہایت ہی سختی کے ساتھ تاکید کی گئی ہے اوراس کے انجامِ بد سے ڈرایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَا يَغْتَب بَعضُكُم بَعضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأكُلَ لَحمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ......﴾ (۳) ترجمہ: (اورتم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیاتم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کواس سے گھن ہی آئے گی......)

یعنی قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے غیبت کرنے والے کواس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جواپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔حالانکہ فطرتِ سلیمہ کا تقاضا تو یقیناً یہی ہے کہ فوت شدہ بھائی کی مناسب طریقہ سے تجہیز وتکفین کے بعداسے جلدازجلد مکمل عزت واحترام کے ساتھ اس کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچادیا جائے، تاکہ اس کی لاش کسی بھی قسم

(۱) النحل [۱۲۵]

(۲) بخاری [۲۳۱۰] مسلم [۲۵۸۰] بعض روایات میں: سَتَرَهُ اللّٰه في الدنيا والآخرة کے الفاظ ہیں۔

(۳) الحجرات [۱۲]

کی بے حرمتی سے محفوظ وسلامت رہے۔

لیکن اس کے برعکس اگرکوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچ نوچ کرکھانا شروع کردے تو یقیناً یہ انتہائی بے حسی' سفاکی' اورسنگدلی کا مظاہرہ ہوگا۔بعینہٖ اسی طرح ''غیبت'' کرنے والاشخص بھی اللہ کی نظر میں گویا کہ اپنے بھائیوں کا گوشت نوچ نوچ کرکھانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے،اوراس طرح وہ اپنی بے حسی اورسنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا انسان انتہائی بے حس اورسنگدل ہونے کے علاوہ مزید یہ کہ ''بزدل'' بھی ہے۔کیونکہ اگراس میں ہمت وشجاعت ہوتی تو یقیناً وہ اپنے مردہ بھائی کی بجائے کسی زندہ انسان کا گوشت کھا کردکھاتا،اورتب وہ زندہ انسان اپنادفاع کرتا،اپنی حفاظت کاانتظام کرتا، بلکہ شایدکوئی مناسب جوابی کارروائی بھی کرتا......لیکن اسے کسی زندہ انسان کا گوشت کھانے کی جرأت تو ہوئی نہیں' اسی لئے مردہ کا گوشت نوچ رہاہے،اس سے بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص اس انتہائی مکروہ ومذموم اورقبیح ترین حرکت (یعنی مردہ بھائی کا گوشت کھانے) کے علاوہ مزید قابلِ ملامت ومذمت اس لئے بھی ہے کہ اس میں ایک اور بری صفت بھی موجود ہے،اوروہ ہے:''بزدلی''۔بعینہٖ اسی طرح ''غیبت''میں مبتلاشخص بھی مزید قابلِ ملامت ومذمت اس لئے بھی ہے کہ وہ ''بزدل'' بھی ہے۔کیونکہ اگروہ بہادرہوتااوراس میں ہمت وشجاعت ہوتی توکسی کے بارے میں پیٹھ پیچھے باتیں بنانے کی بجائے اس کی موجودگی میں اوراس کے سامنے بات کرتا،اورتب وہ اپنی حفاظت کا کوئی انتظام کرتا،کوئی صفائی پیش کرتا،حاضرین کے سامنے درست اوراصل حقیقتِ حال واضح کرتا، بلکہ شایدوہ اس کے خلاف کوئی مناسب جوابی کارروائی بھی کرتا......یہی اس آیت کامفہوم ہے۔

غیبت کے مرتکب شخص کی خسّت ودنائت' نیز آخرت میں اس کیلئے انجامِ بداور عبرتناک سزا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو: (لَمّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بأقوَامٍ لَهُم أظفَارٌ مِن نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُم وَصُدُورَهُم ، فَقُلتُ مَن هٰؤلَاءِ يَا جِبرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤلَاءِ الَّذِينَ يأكُلُونَ لُحُومَ النّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أعْرَاضِهِم) (۱) ترجمہ: (معراج کے موقع پر میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے ناخن تانبے کے تھے' جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے، میں نے کہا کہ: ''اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ [جبریل نے] کہا کہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے ہیں'')(۲)

☆...... یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی کے سامنے کسی کی غیبت کرتا ہے تو عموماً ہر سلیم الطبع انسان اس غیبت کرنے والے کے بارے میں فوراً ہی یہ رائے قائم کرلیتا ہے کہ یقیناً یہ شخص حاسد' کینہ پرور' کم ظرف' سازشی اور تنگدل قسم کا انسان ہے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا شخص خود ہی مخاطب کی نظروں سے گرجاتا ہے اور اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے۔

کہہ رہا تھا شورِدریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے' اتنا ہی وہ خاموش ہے

لہٰذا جس کسی کو اپنی عزت وآبرو کا کچھ احساس ہو' اسے چاہئے کہ دوسروں کے سامنے کسی کی غیبت کرکے خود اپنے آپ کو ذلیل ورسوانہ کرے اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت وآبرو کی

(۱) احمد [۱۳۳۶۴]۔ابوداؤد [۴۸۷۸] باب فی الغیبۃ۔ (۲) یعنی لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور اس طرح ان کی عزتیں پامال کیا کرتے ہیں۔غور طلب بات ہے کہ سورۃ الحجرات میں وارد مضمون کی طرح یہاں اس حدیث میں بھی غیبت کرنے والے کو انسانوں کا گوشت کھانے والے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

بربادی کا سامان نہ کرے۔کیونکہ دولت' صحت وغیرہ' غرضیکہ دنیا کی ہرنعمت چھن جانے کے بعددوبارہ مل سکتی ہے۔لیکن عزت وہ واحد چیز ہے جوایک بارختم ہوجانے کے بعد دوبارہ کبھی نہیں مل سکتی۔مثال مشہور ہے کہ: ''پہاڑ سے گرنے کے بعدانسان دوبارہ اٹھ سکتاہے،لیکن نظروں سے گرنے کے بعددوبارہ کبھی نہیں اٹھ سکتا''۔

☆......البتہ اہلِ علم کے بقول بعض صورتوں میں ''غیبت'' کی اجازت ہے۔اس سلسلہ میں اگرچہ اہلِ علم نے کافی تفصیل بیان کی ہے(۱) تاہم مختصرتذکرہ درجِ ذیل ہے:

(الف): جب کسی انسان کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی یا کسی قسم کی حق تلفی ہوئی ہو' وہ حصولِ انصاف کی غرض سے کسی ایسے شخص کے سامنے ظالم کے بارے میں شکوہ وشکایت کرے کہ جس سے اسے یہ امید ہوکہ یہ شخص میری دادرسی کرسکتا ہے' اور مجھے انصاف دلاسکتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الجَھرَ بِالسُّوءِ مِنَ القَولِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ (۲)

ترجمہ: (برائی کےساتھ آواز بلند کرنے والے کواللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا،مگر مظلوم کواجازت ہے)۔

(ب): کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی تعلق یارشتہ قائم کرناچاہتاہے،مثلاً ازدواجی رشتہ' کاروباری شراکت' یالین دین' یاکسی بھی قسم کا کوئی معاملہ کرناچاہتاہے،اوراس بارے میں تحقیق وجستجو کےطور پراوراپنی تسلی واطمینان کی غرض سے اس نے کسی سے مشورہ طلب کیا،اورجس سے مشورہ طلب کیا گیاہے وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہوکہ جس کسی کے بارے میں مشورہ طلب کیا گیاہے وہ اچھا انسان نہیں ہے، لہٰذا یہ رشتہ یاتعلق کسی صورت مناسب نہیں ہےاوراس میں مشورہ طلب کرنے والے شخص کیلئے سراسرخسارے اور بربادی

(۱)تفصیل کیلئے ریاض الصالحین میں ''باب مایُباح من الغیبۃ'' (باب ۲۵۶) ملاحظہ ہو۔ (۲)النساء[۱۴۸]

کا قوی امکان ہے۔ایسے میں اس شخص کو چاہئے کہ مشورہ طلب کرنے والے کو دینی یا دنیوی خسارے اور بربادی سے بچانے کی غرض سے مکمل ایمانداری کے ساتھ درست اور صحیح مشورہ دے اور اپنی دانست کے مطابق اسے اصل اور حقیقی صورتِ حال سے آگاہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (الْمُسْتَشَارُ مُؤتَمَن) (۱) یعنی: ''جس کسی سے مشورہ طلب کیا جائے وہ [اس چیز کو اپنے ذمے امانت تصور کرتے ہوئے] مکمل ایمان داری کے ساتھ مشورہ دے''۔

(ج): کسی بچے کی اصلاح کی غرض سے اس کے والدین سے اس کی شکایت کرنا' تاکہ والدین بروقت کوئی تادیبی کارروائی یا مناسب اقدام کر سکیں۔

(د): بعض اہلِ علم کے بقول ایسے فاسق وفاجر افراد کی غیبت بھی مباح ہے کہ جن کا فسق وفجور ظاہر ومعروف ہو، جنہیں اپنے فسق وفجور پر شرمندگی وندامت کی بجائے فخر اور ناز ہو، اور وہ اپنے فسق وفجور کو مخفی وپوشیدہ رکھنے کی کوشش کی بجائے خود ہی اس کا اعلان وبیان اور تشہیر کرتے پھرتے ہوں۔

البتہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی لغویات وخرافات سے بہرحال اجتناب ہی کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ﴾ (۲) (یعنی: ''اور وہ فضول اور بیہودہ کاموں سے منہ موڑے رکھتے ہیں) نیز ارشادِ نبوی ﷺ: (مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ) (۳) (یعنی: ''انسان کیلئے بہتر مسلمان ہونے کی علامات میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرے جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو'') کا بھی یہی تقاضا ہے۔

(۱) ترمذی[۲۸۲۲] (۲) المؤمنون[۳] (۳) ترمذی[۲۳۱۷] احمد[۱۷۳۲]

(۵) نمیمہ:

''نمیمہ'' سے مراد ہے: ''چغلی''، یعنی لوگوں کے دلوں میں باہم منافرت' تفریق' عداوت' اور بغض وکینہ جیسے خطرناک ومہلک ترین جذبات پیدا کرنے اور انہیں آپس میں لڑانے کی غرض سے اِدھر اُدھر باتیں پہنچانا، جسے اردو میں عام طور پر ''لگائی بجھائی کرنا'' کہا جاتا ہے۔ اس قبیح ترین حرکت کی وجہ سے معاشرے میں باہمی محبت والفت اور ایک دوسرے کیلئے عزت واحترام اور نیک جذبات کی بجائے دلوں میں کینہ' بغض وعداوت' اور نفرتوں کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں، جس کے نتیجے میں قربتیں دوریوں میں بدل جاتی ہیں، رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، اور خاندان ٹوٹنے اور بکھرنے لگتے ہیں۔

چونکہ یہ قبیح عادت انسانی معاشرے کیلئے انتہائی مضر ہے اور اس کے نقصانات بیشمار ہیں' اسی لئے اسلام میں اس سے باز رہنے کی حد درجہ تاکید وتلقین کی گئی ہے، بلکہ اس قبیح حرکت کے مرتکب انسان کیلئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ''عذابِ قبر'' کی خبر دی گئی ہے۔

حدیث ملاحظہ ہو:

☆عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: (مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلیٰ قَبرَینِ فَقَالَ : اِنَّهُمَا لَیُعَذَّبَانِ ، وَمَا یُعَذَّبَانِ فِي کَبِیر ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَکَانَ یَمشِي بِالنَّمِیمَةِ، وَأَمَا الآخَرُ فَکَانَ لَایَستَنزِهُ مِن بَولِهٖ) (۱)

ترجمہ: (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دو قبروں کے قریب سے جب گذرے تو آپؐ نے فرمایا: (اس وقت یہ دونوں قبروں والے عذاب میں مبتلا ہیں، حالانکہ جس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں وہ [بظاہر] کوئی خاص بہت بڑی وجہ

(۱) بخاری [۲۱۵] کتاب الوضوء، باب ماجاء فی غسل البول۔ نیز [۵۷۰۵] کتاب الأدب، باب الغیبۃ۔

نہیں ہے، ان میں سے ایک شخص تو[اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ]چغلیاں کیا کرتا تھا، جبکہ دوسرا شخص پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا تھا)(۱) (۲)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ : المَشَّاؤونَ بِالنَّمِيمَةِ ، المُفَرِّقُونَ بَينَ الأَحِبَّةِ ، البَاغُونَ لِلبُرَءَاءِ العَنَتَ) (۳) ترجمہ:(اللہ کے تمام بندوں میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو کہ [لوگوں کے درمیان]چغلیاں کرتے پھرتے ہیں، باہم محبت کرنے والوں میں جدائی اور دوریاں پیدا کرتے ہیں، اور بیگناہوں پر جھوٹا الزام لگانے کیلئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں)۔

☆...... اس سلسلہ میں مزید یہ بات بھی یادرکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ کسی کی زبانی دوسروں کی چغلی یا غیبت سُن کر خوش ہونے یا اسے محض کھیل تماشا یا تفریحِ طبع کا ذریعہ سمجھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہی شخص جو آج ہمارے سامنے دوسروں کے عیوب بیان کر رہا ہے کل ضرور بضرور دوسروں کے سامنے ہمارے عیوب بھی بیان کریگا۔ مثال مشہور ہے: مَن نَمّ لَكَ نَمّ عَلَيكَ یعنی تمہارے سامنے دوسروں کی چغلی کرنے والا یہاں سے اٹھکر جب کسی دوسری محفل میں جائیگا تو یقیناً وہاں تمہاری چغلیاں کرے گا۔

(۱)اس حدیث میں کسی روایت میں: لا یستنزہ اور کسی میں: لا یستبرئ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جبکہ ایک اور روایت میں: لا یستتر کے الفاظ ہیں، جو کہ ''ستر'' سے ہے، یعنی وہ شخص پیشاب کرتے وقت لوگوں کی نگاہوں سے چھپنے کا اہتمام نہیں کیا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو: دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین۔از: محمد بن علان الصدیق الشافعی۔ج:۸۔ص:۲۹۔باب تحریم النمیمہ۔

(۲) یعنی وہ کوئی ایسی بہت بڑی مشکل بات نہیں تھی کہ جس سے بچنا ان دونوں کیلئے بہت مشکل کام تھا، بلکہ وہ تو بہت ہی معمولی اور آسان سی بات تھی کہ اگر یہ اس سے بچنا چاہتے تو بسہولت بچ سکتے تھے، مگر انہوں نے اس سے بچنے کی فکر اور کوشش ہی نہیں کی، جس کے نتیجہ میں اب یہ دونوں اپنی اپنی قبر میں بڑے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۳)احمد[۱۸۰۲۷]

ہر کہ عیبِ دگراں پیشِ تو آورد وشمرد — بے گماں عیبِ تو پیشِ دگراں خواہد برد

☆...... یہاں ضمناً یہ تذکرہ بھی مناسب رہیگا کہ دراصل اسلام میں جسمانی وروحانی ہرقسم کی نجاستوں سے پاک وصاف رہنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔جیسا کہ اس حدیثِ مذکور میں ان دونوں افراد میں سے ایک کے بارے میں عذابِ قبر میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ ظاہری اور جسمانی طہارت وصفائی کا اہتمام نہیں کرتا تھا،جبکہ دوسرے شخص کے بارے میں وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ روحانی یا اندرونی نجاست میں مبتلا تھا۔لہٰذا مسلمان کیلئے ظاہری وباطنی ہرقسم کی نجاست سے پاکیزگی وصفائی کا اہتمام والتزام اورفکروجستجو ضروری ولازمی ہے۔یہی مضمون اس ارشادِ ربانی کا بھی ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے توبہ کرنے والوں کواور پاک وصاف رہنے والوں کو)۔

بلکہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ بعثت کے تذکرہ وبیان کے ضمن میں ایک اہم ترین مقصد ''تزکیہ'' بھی بیان کیا گیا ہے۔(۲)

لہٰذا جس کسی کو دنیاوآخرت میں عافیت اورسلامتی ونجات مطلوب ہواس کیلئے ہرقسم کی فضول اورلغو گفتگو سے بہرصورت اجتناب اورمکمل گریز انتہائی ضروری ہے۔

(۶)طعن وتشنیع:

مسلمان کو یہ حقیقت یادرکھنی چاہئے کہ دوسروں پرلعن طعن کرنا،ان کا مذاق اڑانا،انہیں تماشا بنانا،ان کی عزت وآبروکو پامال کرنا،اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ سب انتہائی مکروہ

(۱)البقرۃ[۲۲۲]

(۲) ﴿لَقَد مَنَّ اللّٰهُ عَلىٰ المُؤمِنِينَ .... وَيُزَكِّيهِم ....﴾ آل عمران[۱۶۴]

اور قبیح ترین عادات ہیں۔

حجۃ الوداع کے یادگار موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اہلِ ایمان کوخطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:(انّ دِمَاءَ کُم وأموالَکُم وأعرَاضَکُم حَرَامٌ عَلَیکُم کَحُرمَةِ یَومِکُم هذا ، فِي بَلَدِکُم هذا ، وفِي شَهرِکُم هذا) (۱) ترجمہ:''تمہارا خون' تمہارا مال' اورتمہاری عزت وآبرو باہم ایک دوسرے کیلئے اسی طرح قابلِ احترام ہے کہ جس طرح یہ آج کا دن' یہ جگہ' اور یہ مہینہ قابلِ احترام ہے)

مقصد یہ کہ ہر مسلمان کے دل میں جس طرح یومِ عرفہ' حرمِ مکہ' اورحج کے مقدس ترین مہینے کی اہمیت وعزت پیوست اورراسخ وثابت ہے' بعینہٖ اسی طرح دلوں میں باہم ایک دوسرے کی جان ومال اورعزت وآبروکی بھی اہمیت ہواورایک دوسرے کیلئے عزت واحترام کے مضبوط جذبات ہوں اور پھر باہم رویہ وسلوک بھی انہی جذبات کے تابع ہو۔

اسی طرح ارشادِنبوی ﷺ ہے:(کُلُّ المُسلِمِ عَلیٰ المُسلِمِ حَرامٌ : عِرضُهٗ وَمَالُهٗ وَدَمُـــهٗ) (۲) ترجمہ:(ایک مسلمان کیلئے دوسرے مسلمان کا سبھی کچھ حرام ہے: اُس کی عزت وآبرو بھی' اس کا مال بھی' اوراس کا خون بھی)۔

لہٰذا مسلمانوں میں باہم طعن وتشنیع ، تمسخر وتضحیک' استہزاء' سب وشتم' فحش گوئی' نیز ایک دوسرے کی عیب جوئی جیسی ان قبیح ترین عادات سے اجتناب از حد ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿ویلٌ لِکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَة﴾ (۳) ترجمہ:(بربادی ہے ہر عیب چننے والے' طعنہ دینے والے کیلئے)

اس آیت کے مفہوم میں دوسروں کوتمسخر وتضحیک کا نشانہ بنانا' مذاق اڑانا' زبان سے کسی کولعن

(۱) بخاری[۶۷] باب قول النبی ﷺ: رُبّ مبلّغ أوعیٰ من سامع (۲) ترمذی[۱۹۲۷] (۳) ہمزۃ[۱]

طعن اور ذلیل و بے عزت کرنا' ہاتھ پاؤں یا آنکھ کے اشارے سے یا کسی بھی شکل میں کسی کا مذاق اڑانا یا نقل اتارنا' دوسروں کے عیوب کی تلاش میں لگے رہنا اور پھر معاشرے میں یا برادری میں انہیں رسوا اور شرمسار کرنا' عزت وآبرو کو پامال کرنا......وغیرہ......سب ہی کچھ شامل ہے۔

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَومٍ عَسَىٰ أَن يَّكُونُوا خَيراً مِّنهُم......﴾ (۱) ترجمہ: (اے ایمان والو! کوئی ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، عین ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں)

یعنی مذاق اڑانے کی وجہ عموماً یہ ہوا کرتی ہے کہ مذاق اڑانے والا خود کو افضل اور اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر و کمتر تصور کرتا ہے، اسلئے وہ دوسروں کا مذاق اڑاتا ہے اور انہیں رسوا اور بے عزت کرتا ہے۔اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ تمہیں کیا خبر کہ درحقیقت کون بہتر ہے اور کون کمتر؟ کون اعلیٰ ہے اور کون ادنیٰ؟ اس بات کا حقیقی علم تو فقط اللہ ہی کو ہے، عین ممکن ہے کہ جس کسی کو تم حقیر و کمتر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑا رہے ہو' اللہ کے نزدیک وہ تم سے افضل و بہتر ہو، اور اس کا مقام و رتبہ تم سے بڑھ کر ہو...... لہٰذا باہم ایک دوسرے کو تمسخر و تضحیک کا نشانہ نہ بناؤ، اور ایک دوسرے کی عزت اچھالنے سے باز رہو۔

اسی مذکورہ بالا آیت میں آگے مزید ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُم وَلَا تَنَابَزُوا بِالأَلْقَابِ﴾ ترجمہ: (آپس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو' اور باہم ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکارو)

(۱) الحجرات [۱۱]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَيسَ المُؤمِنُ بِاللَعّانِ، ولَاالطعَّان، ولَاالفَاحِشُ وَلَاالبَذِئ) (۱) ترجمہ: (مؤمن لعن طعن' اور فحش وبیہودہ گفتگو کرنے والا نہیں ہوسکتا)
اس بارے میں مزید درجِ ذیل باتیں خوب سمجھنے اور ذہن نشیں کر لینے کی ضرورت ہے۔

☆......انسان خطاء کا پتلا ہے، ہر انسان میں یقیناً کوئی نہ کوئی عیب تو ضرور ہوگا، ایسا انسان تو اس دنیا میں کوئی بھی نہیں کہ جس میں اخلاقی یا جسمانی کوئی بھی عیب یا نقص نہو، یا جس سے زندگی بھر کبھی کوئی بھی خطاء یا لغزش سرزد نہ ہوئی ہو۔ ہر خطاء اور ہر عیب سے پاک تو فقط اللہ ہی کی ذات ہے۔ مثال مشہور ہے: من طلب أخاً بلا عيبٍ بقي بلا أخٍ یعنی اس دنیا میں جس کسی کو کسی ایسے بھائی کی تلاش ہو جس میں کوئی بھی عیب یا خامی نہو' تو ایسا شخص یقیناً بغیر بھائی کے ہی رہ جائیگا۔ یعنی اتنی بڑی دنیا میں زندگی بھر کی تلاش وجستجو اور تگ ودو کے باوجود ایسا کوئی انسان نہیں مل سکے گا جو اخلاقی یا جسمانی ہر قسم کے عیوب ونقائص سے مکمل خالی اور پاک ہو۔

لہٰذا ہر انسان کی سوچ یہ ہونی چاہئے کہ اگر کسی شخص میں مجھے کوئی عیب نظر آتا ہے تو یقیناً خود مجھ میں بھی کوئی نہ کوئی عیب تو ہوگا، بلکہ شاید بہت سے عیوب ہوں، محاورہ مشہور ہے کہ: وفيك عيوبٌ وللنّاس أعين یعنی عیوب ونقائص تو خود تم میں بھی موجود ہیں' اور دیکھنے والوں کی آنکھیں بھی سلامت ہیں۔ لہٰذا دوسروں کے عیوب پر طعن وتشنیع ' تمسخر وتضحیک' اور ان کی تشہیر کی بجائے اگر ہم ان کی پردہ پوشی کریں اور خاموشی اختیار کریں تو دوسرے بھی ہمارے عیوب پر خاموشی' پردہ پوشی اور درگذر کا رویہ اختیار کریں گے، اور اس طرح ہم خود بھی سکون واطمینان کی زندگی بسر کرسکیں گے......اور دوسرے بھی چین کی زندگی

(۱) ترمذی [۱۹۷۷] باب ماجاء فی اللعنۃ۔

جی سکیں گے...... یوں معاشرے میں امن وامان اور سکون واطمینان کی فضاء برقرار رہیگی۔ جبکہ اس کے برعکس اگر ہم نے دوسروں کے عیوب کی تشہیر کرکے انہیں اذیت پہنچائی' معاشرے میں' محلے اور برادری میں انہیں رسوا اور بدنام کیا' تو یقیناً وہ بھی ایسا ہی کوئی جوابی یا انتقامی اقدام کریں گے، تب زندگی اجیرن ہو جائیگی اور سکون واطمینان غارت ہو جائیگا۔

☆...... اس بارے میں مزید ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہنے اور پھر ان کی تشہیر اور معاشرے میں ان کی تحقیر وتذلیل کی بجائے انسان کی نظر ہمیشہ خود اپنے عیوب پر رہنی چاہئے، اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش کی جائے، اپنے انجام' اپنی قبر اور اپنی آخرت کو یاد کیا جائے، اللہ کی عدالت میں خود اپنے حساب وکتاب اور اپنے بارے میں جوابدہی کا احساس ذہن میں تازہ رہے اور ہمہ وقت یہی فکر دامن گیر رہے، دوسروں کی فکر چھوڑ دے۔

شاعر کہتا ہے:

اَلمَرءُ اِن کَانَ عَاقِلاً وَرِعاً   أشغَلَهٗ عَن عُیُوبِ النّاسِ وَرَعُه

کَمَا السّقِیمُ المَرِیضُ یُشغِلُهٗ   عَن وَجَعِ النّاسِ کُلّهِم وَجَعُه

یعنی: ''عقلمند اور پارسا انسان دوسروں کی عیب جوئی سے ہمیشہ باز رہتا ہے۔ جس طرح کسی درد میں مبتلا مریض اپنے درد کی وجہ سے دوسروں کے درد سے بے خبر رہتا ہے''۔

یعنی جس کسی کو خود اس کے اپنے مرض نے بدحال کر رکھا ہو اور اپنے درد نے تڑپا رکھا ہو...... اسے دوسروں کے درد کا ہوش کہاں ہوگا......؟ شاعر کہتا ہے:

نہ تھی عیب کی جب ہمیں اپنی خبر   رہے ڈھونڈتے غیروں کے عیب وہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر   تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

نیز کسی کا شعر ہے:

اوروں پہ معترض تھے لیکن، جب آنکھ ہم نے کھولی
خود اپنے دل میں ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

☆......نیز یہ بات بھی ذہنوں میں رہے کہ اس دنیا میں اگر کسی انسان میں موجود کسی اخلاقی یا جسمانی عیب پر جو کوئی اسے طعنہ دیگا' وہ یہ بات یاد رکھے کہ آج یا کل' جلد یا بدیر' کبھی نہ کبھی ضرور وہ خود یا اس کے گھر کا کوئی فرد اسی عیب میں مبتلا ہو کر رہیگا۔یہی قانونِ قدرت ہے، جو کہ اٹل ہے اور پتھر پر لکیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لَاتَـغتَـابُوا المُسلِمِينَ وَلَاتَتَّبِعُوا عَورَاتِهِم ، فَإِنّهٗ مَـنِ اتّبَـعَ عَـورَاتِهِم يَتَّبِعُ اللّٰهُ عَورَتَهٗ، وَمَن يَتّبِعِ اللّٰهُ عَورَتَهٗ يَفضَحُهٗ فِي بَيتِهٖ) (۱) ترجمہ:(مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو'اور نہ ہی ان کے عیوب تلاش کیا کرو، کیونکہ جو کوئی ان کے عیوب تلاش کرے گا' اللہ اس کے عیوب تلاش کرے گا' اور اللہ جس کے عیوب تلاش کرے گا اسے اس کے گھر میں ہی رسوا کر کے ہی چھوڑیگا)

یعنی اللہ سے تو کسی کا کوئی عیب پوشیدہ نہیں ہے،لہٰذا مقصد یہ کہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہنے والے انسان کے ساتھ اللہ کی طرف سے ''ستاری''اور اس کی ''پردہ پوشی'' کی بجائے اس کی ذلت ورسوائی کے اسباب پیدا کر دیئے جائیں گے،خواہ وہ ذلت ورسوائی کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دے اور اپنے گھر میں بند ہو کر بیٹھ جائے،مگر اس کے

(۱)ابوداؤد[۴۸۸۰]ترمذی[۲۰۳۲]باب ماجاء فی تعظیم المؤمن۔نیز:احمد[۱۹۷۹۱][۱۹۸۱۶][۲۲۴۵۵]
البتہ بعض روایات میں لَاتَـغتَـابُـوا المُسلِمِينَ کی بجائے لَا تُـؤذُوا المُسلِمِينَ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔نیز بعض روایات میں وَلَاتَتَّبِعُوا کی بجائے وَلَا تَتَتَبَّعُوا (یعنی :"اتّباع" کی بجائے:"تتبُّع")اسی طرح بعض روایات میں يَفضَحُهٗ فِي بَيتِهٖ کی بجائے يَفضَحُهٗ في جَوفِ رَحلِهٖ کے الفاظ ہیں۔

باوجود وہ ذلیل ورسوا ہوکر ہی رہے گا۔

یہی قانونِ قدرت اخلاقی عیب کے علاوہ کسی جسمانی نقص یا عیب پرطنز وتمسخر کے سلسلہ میں بھی ذہن نشیں رہنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: (لو سَخِرتُ من کلبٍ لخشیتُ أن أُحَوّل کلباً) (۲) یعنی: ’’میں تو اس خوف سے کبھی کسی کتے کا بھی مذاق نہیں اڑاتا کہ کہیں مجھے بھی کتا ہی نہ بنادیا جائے‘‘۔

☆......لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اس بارے میں اسلامی تعلیمات وہدایات کی مکمل پیروی کرتے ہوئے دوسروں کی عیب جوئی، طعن وتشنیع اور تمسخر وتضحیک سے باز رہے، اور خود اپنے آپ پر، نیز اپنے اہل وعیال پر رحم کرے۔ ورنہ قدرت کے بنائے ہوئے اس اٹل قانون کے مطابق جلد یا بدیر یہی نتیجہ ظاہر ہوکر رہے گا کہ: ’’جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور......!‘‘ اور تب حسرت وندامت کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آسکے گا اور وہ خود دنیا کے سامنے نشانِ عبرت بن کر رہ جائے گا......!!!

☆......☆......☆

(۱) ترمذی [۲۵۰۵] (۲) قرطبی، تفسیر سورۃ الحجرات، آیت:۱۱۔

''تکبر'' سے اجتناب

''تکبر'' اور ''غرور'' سے مراد ہے: ''خودکودوسروں سے افضل، اعلیٰ وارفع سمجھنااور دوسروں کواپنے مقابلہ میں کمتر، حقیر وذلیل تصور کرنا، جس طرح ابلیس نے خودکوحضرت آدم علیہ السلام سے افضل وبرتر سمجھتے ہوئے یوں کہا کہ: ﴿أنَـا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ (۱) یعنی: ''میں تو اس سے بہتر ہوں''۔

''تکبر'' سے اجتناب کی ضرورت واہمیت اس بات سے ہی بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم میں ابلیس کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿أَبىٰ وَاسْتَكْبَرَوكَانَ مِنَ الكَافِرِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہوگیا)

گویا تکبر وغرور شیطانی عمل ہے، لہٰذا مؤمن کیلئے بہرصورت اس سے مکمل اجتناب ضروری ولازمی ہے۔

نیز ''تکبر'' کی قباحت وشناعت درجِ ذیل آیات کی روشنی میں بھی ملاحظہ ہو:

ارشادِ ربانی ہے: ﴿سَأَصْرِفُ عَـن آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِيْ الأَرْضِ بِغَيْرِ الـحَقِّ﴾ (۳) ترجمہ: (میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿اِنَّـهٗ لَايُـحِـبُّ الـمُسْتَـكْبِـرِيْـنَ﴾ (۴) ترجمہ: (یقیناً وہ [اللہ] تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

(۱) الاعراف[۱۲] نیز: ص[۷۶] (۲) البقرۃ[۳۴] (۳) لاعراف[۱۴۶]
(۴) النحل[۲۳]

نیزارشادہے:﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (۱)
ترجمہ:(اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر مغرور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے)

نیزارشادہے:﴿أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (۲)
ترجمہ:(کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟)

نیزارشادہے:﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا)

نیزارشادہے:﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولاً﴾ (۴) ترجمہ:(اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے)

یعنی انسان تکبر اور فخر وغرور کی وجہ سے خواہ کتنا ہی اِترا کر اور اکڑ کر چلے' نیز اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر خوب زور زور سے پاؤں مار کر دیکھ لے' مگر یہ کہ وہ اپنے پاؤں سے یا اپنی مغرورانہ چال سے زمین کو پھاڑ تو سکتا نہیں ۔اسی طرح خواہ وہ کتنا ہی تن کر' سر اٹھا کر' اور گردن لمبی کر کے چل لے' مگر یہ کہ اللہ کے بنائے ہوئے پہاڑوں کے برابر لمبائی کو وہ نہیں پہنچ سکتا......تو پھر اس مغرورانہ چال سے کیا فائدہ......؟

اور یہ تکبر محض مغرورانہ چال تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ انسان کی گفتگو' لب ولہجہ' رفتار وگفتار' دوسروں کے ساتھ اس کے معاملات' اہلِ خانہ' عزیز واحباب' دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اس کا رویہ وسلوک وغیرہ ...... ان تمام امور میں کبر وغرور سے اجتناب ضروری ہے۔

(۱)غافر/مؤمن[۳۵] (۲)الزمر[۶۰] (۳)النحل[۲۹]
(۴)الاسراء/بنی اسرائیل[۳۷]

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:﴿وَلَاتُصَعِّر خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَاتَمْشِ فِيْ الْأَرْضِ مَرَحاً اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (۱) ترجمہ:(لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پُھلا (۲) اور زمین پر اِترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ (۳) ترجمہ:(اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر)

یعنی ایسی چال سے گریز کیا کیا جائے جس سے مال ودولت' جاہ ومنصب' طاقت وقوت' حسن وجمال' یا اور کسی بھی وجہ سے دوسروں کے سامنے تکبر اور فخر وغرور کا اظہار ہوتا ہو۔

نیز اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان نہ تو بہت تیز چلے' او نہ ہی بہت سست رفتاری کا مظاہرہ کرے، بلکہ اپنی چال میں اعتدال پیدا کرے۔ کیونکہ بلاضرورت تیز چلنا شرف اوروقار کے منافی ہے، جبکہ مؤمن کو ہر معاملہ میں ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے جو کہ شرف اوروقار کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ نیز بہت تیز چلنے میں گر جانے' خود اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو کوئی چوٹ لگ جانے یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ بھی ہے۔اس کے برعکس بہت آہستہ چلنے میں بھی یہ قباحت ہے کہ اس طرح دوسرے راہ گیروں کیلئے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ نیز بلاوجہ سست رفتاری میں بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، لہٰذا جب اللہ نے صحت وتندرستی جیسی انمول اور گراں قدر نعمت سے نوازا ہو تو بلاوجہ بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا یقیناً بہت بڑی ناشکری ہے۔

نیز بہت آہستہ چلنے میں مغروروں اور متکبروں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، کیونکہ اکثر مغرور

(۱) لقمان[۱۸] (۲) یعنی جب کوئی دوسرا تم سے ہمکلام ہو تو تکبر اور غرور کی وجہ سے اس سے اپنا منہ نہ پھیرو۔
(۳) لقمان[۱۹]

ومتکبرقسم کے لوگ بھی اکڑ کراور اِترا اکرآ ہستہ آ ہستہ چلتے ہیں، گویا کہ گن گن کرقدم رکھ رہے ہوں، اس طرح تکبر وتصنع کے ذریعہ وہ دوسروں پر اپنا امتیاز جتانا چاہتے ہیں۔
متکبر انسان کو یہ قانونِ قدرت ہمیشہ یادرکھنا چاہئے کہ تکبر وغرور' خود پسندی' اور خودنمائی کا یقینی انجام دنیاوآخرت میں ذلت ورسوائی اور ہلاکت وبربادی ہے۔
ایک حدیثِ قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: (اَلكِبرِيَاءُ رِدَائي، وَالعَظَمَةُ اِزارِي، فَمَن نَازعَنِي وَاحِداً مِنهُمَا ، أَلقَيتُهُ فِي جَهَنَّمَ) (۱) ترجمہ: (بڑائی میری چادر ہے، اور عظمت میری ازار ہے، جو شخص مجھ سے ان کو چھیننا چاہے گا' میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا) یعنی ''عظمت وکبریائی'' محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا جوکوئی اس صفت کو اپنانے کی کوشش کرے گا وہ اپنے لئے خود جہنم کا سامان کرے گا۔
نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَايَدخُلُ الجَنَّةَ مَن كَانَ فِي قَلبِهٖ مِثقَالُ ذَرَّةٍ مِن كِبرٍ) (۲) ترجمہ: (وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبروغرور ہو)

☆...... ''کبروغرور'' کے برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر تواضع اور عجز وانکسار کو اپنا شیوہ وشعار بنانے والوں کیلئے قرآن وحدیث میں اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے جنت کی خوشخبری اور دنیاوآخرت میں کامیابی' اور عزت ورفعت کی نوید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں قارون کی سرکشی' تکبر اور طغیان کے نتیجہ میں ہلاکت وبربادی کے تذکرہ کے بعد' تواضع وانکسار کا راستہ اختیار کرنے والوں کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف

(۱) ابن ماجہ [۴۱۷۴] [۴۱۷۵] ابن حبان [۵۶۷۱] احمد [۷۳۷۶] وغیرہ
(۲) مسلم [۹۱] کتاب الایمان، باب تحریم الکبر۔

سے انعام' آخرت کی کامیابی اور عمدہ انجام کا تذکرہ وبیان ہے۔
ارشادِ ربانی ہے:﴿تِلْكَ الدَّارُ الآخِرَةُ نَجعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَايُرِيْدُونَ عُلُوّاً فِيْ الأَرْضِ وَلَافَسَاداً وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انہی کیلئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی' بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ ہی فساد کی چاہت رکھتے ہیں، اور آخرت کی بھلائی تو پرہیزگاروں کیلئے ہے)
اسی طرح قرآن کریم میں اللہ کے خاص بندوں کی صفات وعلامات کے تذکرہ وبیان کے ضمن میں ایک یہ صفت بھی مذکور ہے:﴿وَعِبَادُ الرَّحمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُونَ عَلَىٰ الأَرضِ هَوْناً﴾ (۲) ترجمہ:(رحمٰن کے [سچے] بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں)
نیز قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کو مؤمنین کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے پیش آنے اور تواضع وانکسار اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَن اتَّبَعَكَ مِنَ المُؤْمِنِيْنَ﴾ (۳) ترجمہ:(آپ ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں شامل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں)
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَازَادَ اللّٰهُ عَبداً بِعفوٍ اِلّا عِزّاً، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ اِلّا رَفَعَهُ اللّٰهُ) (۴) ترجمہ:(جب کوئی بندہ [کسی سے انتقام کی بجائے اسے] معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ وترقی عطاء فرماتے ہیں، نیز جو کوئی اللہ کی رضامندی کیلئے تواضع وانکسار اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید رفعت وبلندی عطاء فرماتے ہیں)۔

(۱) القصص[۸۳] (۲) الفرقان[۶۳] (۳) الشعراء[۲۱۵]
(۴) مسلم[۲۵۸۸] کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب العفو والتواضع۔

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ أَوحَیٰ اِلَيّ أن تَوَاضَعُوا، حَتّیٰ لَایَفْخَرَ أَحَدٌ عَلیٰ أَحَدٍ، وَلَایَبغِي أَحَدٌ عَلیٰ أَحَدٍ) (۱) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے کہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آیا کرو، کوئی کسی کے سامنے فخر وغرور کا مظاہرہ نہ کرے، اور نہ ہی کوئی کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کرے)

☆...... یہاں یہ بات بھی ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ کبر وغرور، فخر ومباہات، خود پسندی وخودنمائی، اور حبِ جاہ جیسی مکروہ ومذموم ترین صفت وعادت محض فساق وفجار یا دنیا کے طلبگاروں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات بہت سے اصحابِ علم وفضل اور عابد وزاہد قسم کے لوگ بھی شیطان کی اس شاطرانہ چال اور اس کے بچھائے ہوئے اس دلفریب وخوشنما جال میں پھنس کر اپنی تمامتر متاع سے محروم ہوجاتے ہیں اور اپنی محنت وریاضت برباد کر بیٹھتے ہیں۔

غرورِ زہد نے سکھلا دیا ہے زاہد کو — کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

اس قسم کے عباد وزہاد کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو معاملہ ہو اور ان کیلئے جو فیصلہ ہو، وہ تو ایک الگ اور مستقل پریشانی کا سبب ہے ہی، اس کے علاوہ مزید یہ کہ وہ خلقِ خدا کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں اور جگ ہنسائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

اس کی مزید تفصیل اس طرح سمجھ لینی چاہئے کہ انسانوں کی دراصل دو قسمیں ہیں: دنیا کے طلبگار اور دین کے طلبگار۔ دنیا کے طلبگاروں کو تو شیطان مال وزر کی ہوس، نیز نفسانی وجسمانی خواہشات میں مشغول ومنہمک رہنے کا حکم دیتا ہے۔ جبکہ دین کے طلبگاروں کی بربادی کیلئے وہ حُبِ جاہ، کبر وغرور، ریاکاری، خود پسندی وخودنمائی جیسے ہتھکنڈے استعمال

(۱) مسلم [۲۸٦۵] کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا۔

کرتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات کسی شخص کے علم وفضل اورتقویٰ وزہد کی وجہ سے لوگ اسے انتہائی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اوراس کیلئے دیدہ ودل فرشِ راہ کئے رکھتے ہیں۔ لیکن اس تقویٰ وزہدٗ نیز عزت اورقدر ومنزلت ہی کے ذریعہ شیطان اس کی رسوائی وبربادی کا انتظام اس طرح کرتا ہے کہ اس کے دل میں کبروغرورٗ خود پسندی‘ ریاء اورحبِ جاہ جیسے مذموم ومکروہ جذبات ڈال دیتا ہے، اور پھر یہی چیز اس کیلئے بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ مزید یہ کہ اس قسم کا انسان بعض اوقات اپنی اس قدر ومنزلت پر اللہ کی شکرگذاری اور عجز وانکسار کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے مزید قدر ومنزلت کی ہوس میں کوئی ایسی بات یا ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی تمامتر عزت یکسر خاک میں مل جاتی ہے اوراسے خفت اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

☆...... نیز اس کی مثال اس طرح بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی ادارے میں متعدد ملازمین کام کرتے ہوں، ان میں سے کچھ افراد ایسے ہوں کہ جن کی مہارت وقابلیت اورکارکردگی کا معیار بہت اعلیٰ نہو، بس گذارے لائق ہو، البتہ مجموعی طور پر متعلقہ افسرانِ بالا ان سے مطمئن ہوں...... جبکہ اسی ادارے میں کوئی بہت ہی لائق وفائق انسان بھی موجود ہوٗ جس کی کارکردگی باقی تمام افراد کے مقابلہ میں نہایت ہی عمدہ واعلیٰ ہو، اور ہر طرف اس کی شہرت اور بڑی قدر ومنزلت ہو، نیز یہ شخص اٹھتے بیٹھتے ہر موقع پر ہمیشہ افسرانِ بالا کے سامنے اپنی قابلیت ومہارت اورحسنِ کارکردگی کی داستانیں بیان کرکے ان سے خوب داد وتحسین بھی وصول کرتا رہتا ہواوران کا محبوب ومقرب اورنورِنظر بنا ہوا ہو...... مگراس قدر ومنزلت‘ عزت افزائی اورآفرین وداد وتحسین پر اللہ کا شکرادا کرنے اوربس اپنے کام سے کام رکھنے کی بجائے یہ شخص ہمیشہ افسرانِ بالا کے سامنے اپنے دوسرے ساتھیوں کے پست

معیار کی خوب تشہیر بھی کرتا چلا جاتا ہو اور ان کی تحقیر و تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا ہو......اس کی اس حرکت کی وجہ سے یقیناً نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ رفتہ رفتہ اس کے افسرانِ بالا اس کی اس مکروہ عادت اور مذموم خصلت کی وجہ سے اس سے بیزار بلکہ متنفر ہو جائیں گے، اور پھر صورتِ حال یکسر تبدیل ہو جائے گی' یہ شخص اپنی تمام تر مہارت' صلاحیت' اور قابلیت و لیاقت' نیز محنت و جاں فشانی اور حسنِ کارکردگی کے باوجود مکروہ اور ناپسندیدہ قرار پائیگا، اور ہر کوئی اس سے کنارہ کشی اور گلو خلاصی کی کوشش کریگا۔ جبکہ اس کے دوسرے ساتھی نسبتاً اپنے پست معیار کے باوجود پسندیدہ قرار دیئے جائیں گے......کسی نے درست کہا ہے کہ: ''غرور کا سر نیچا''۔

☆ ......کبر و غرور' خود پسندی' خودنمائی' جھوٹی عزت اور سستی شہرت کی طلب' نیز حُبِ جاہ وغیرہ کی مذمت میں گذشتہ سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اگر چہ ہر مہذب و مثقف انسان ان تمام باتوں کا مکمل علم و ادراک اور اس بارے میں خوب آگاہی و شعور اور واقفیت و معرفت رکھتا ہے' اور بچپن سے ہی اس قسم کی باتیں درسی و غیر درسی کتب میں بکثرت اس کی نظر سے گذرتی رہتی ہیں اور سماعت سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ انسان اکثر و بیشتر ان باتوں سے غافل رہتا ہے، اور جب کبھی وہ اپنے علم و فضل اور مقام و مرتبہ کے باوجود خود پسندی کے جذبہ سے مجبور ہو کر ایسی کوئی نامناسب حرکت کر بیٹھتا ہے اور اس کے نتیجے میں اسے ذلت و خفت اٹھانا پڑتی ہے' تب اسے بچپن میں پڑھی ہوئی وہ تمام باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ لیکن ''اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت......'' لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان باتوں کو گاہے بگاہے پڑھتا اور سوچتا رہا کرے اور اس چیز کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل کر لے۔

''غصہ''؛دین ودنیا کا خسارہ:

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی علامات وصفات کے تذکرہ وبیان کے ضمن میں ارشاد ہے:
﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (۱)
ترجمہ:(وہ غصہ پی جانے والے اورلوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں،اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت فرماتا ہے)

نیز ارشادِربانی ہے:﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الاِثْمِ وَالفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُوْنَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوروہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت [بھی] معاف کردیتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضرہوااورگذارش کی کہ:اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔آپ ﷺ نے جواب میں ارشادفرمایا:(لَا تَغْضَبْ) یعنی: ''غصہ نہ کیا کرو''۔اس شخص نے متعدد بار اپنی یہی گذارش دہرائی،اور ہر بار رسول اللہ ﷺ نے اسے یہی وصیت فرمائی۔(۳)

اس حدیث کی روشنی میں ''غصہ'' کی قباحت وشناعت' نیز انسان کیلئے اس سے اجتناب کی ضرورت واہمیت واضح وثابت ہوتی ہے۔

☆......حقیقت یہ ہے کہ غصہ انسان کی عقل کا' نیز اس کی صحت کا دشمن ہے،کیونکہ:

☆......زیادہ غصہ دکھانے والا انسان خطرناک اورمہلک قسم کے جسمانی' نفسیاتی' ذہنی' اوراخلاقی وروحانی امراض وآفات کا شکار ہوکر جلد ہی راہیِ ملکِ عدم ہوجاتا ہے۔

(۱) آل عمران[۱۳۴] (۲) الشوریٰ[۳۷] (۳) بخاری[۵۷۶۵] کتاب الأدب۔

☆......زیادہ غصہ دکھانے والا انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی خانہ بربادی کا سامان کرتا ہے، کیونکہ اس کے اس غصیلے اور درشت مزاج کی وجہ سے گھر میں آئے دن تلخ کلامی اور نوک جھونک ہوتی رہتی ہے' جس کے نتیجے میں اکثر وبیشتر طلاق تک نوبت جا پہنچتی ہے اور پھر اس کا گھر برباد اور اس کے بچے در بدر ہو جاتے ہیں۔

☆......غصہ دکھانے والا انسان کبھی ترقی نہیں کرسکتا، کبھی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، کبھی کوئی اعلیٰ مقام ورتبہ حاصل نہیں کرسکتا، کیونکہ جب وہ روز روز غصہ دکھائیگا تو ملازمت سے برطرف کردیا جائیگا۔ مثال مشہور ہے: لَا یَنَالُ العُلا مَن طَبعُهُ الغَضَبُ یعنی زیادہ غصہ دکھانے والا انسان کبھی کسی بلند مقام ومرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆......غصہ دکھانے والا انسان کبھی کامیاب تاجر نہیں بن سکتا، کیونکہ اس کے ہر روز کے اس غصے اور تلخ کلامی ودرشت روئی کی وجہ سے گاہکوں کے ساتھ اس کے تعلقات متأثر ومجروح ہوں گے جس کی وجہ سے اس کے کاروبار پر بھی یقیناً منفی وناخوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

☆......غصہ دکھانے والا انسان جب جوش میں ہوش کھو بیٹھتا ہے تو جائز وناجائز' حلال وحرام اور خیر وشر کی تمیز وتفریق کو بھلا کر ایسی ناپسندیدہ' نامناسب' نامعقول' غیر مہذب اور غیر شائستہ حرکتوں اور کارروائیوں میں مبتلا ومشغول ہو جاتا ہے جو اس کیلئے دینی ودنیاوی خسارے' تباہی وبربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب بنتی ہیں۔

☆......لہٰذا یہ غصہ انسان کی صحت کا دشمن' اس کی عقل کا دشمن' اس کے دین کا دشمن' اس کی دنیا کا دشمن' اور اس کی آخرت کا دشمن ہے، نیز اس میں انسان کیلئے دونوں جہانوں میں سراسر خسارے اور نقصان ہی کا سامان وانتظام ہے۔

مثال مشہور ہے کہ: ''غصے کی ابتداء ہمیشہ حماقت سے' اور انتہاء ہمیشہ ندامت پر ہوتی ہے''۔

☆...... ''غصے'' کے انہی لامحدود دینی و دنیاوی مفاسد ونقصانات کی وجہ سے قرآن وحدیث میں اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں صبر وتحمل' بردباری' ضبطِ نفس' عفوودرگذر' رواداری ووسعتِ قلبی اور احترامِ انسانیت جیسی اعلیٰ صفات وعادات کو اپنانے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (۱) ترجمہ: (جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ (۲) ترجمہ: (اور جو کوئی صبر کرلے اور معاف کردے' یقیناً یہ تو بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اِدفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (۳) ترجمہ: (برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے' ایسا ہو جائیگا جیسے دلی دوست)

یعنی انتقام کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اگر برائی کا بدلہ اچھائی اور احسان کے ساتھ دیا جائے تو اس کی برکت سے باہمی نفرتوں اور بغض وعداوت' نیز اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تمام مشکلات وآفات' بے سکونی' ذہنی کوفت اور اعصابی تناؤ وغیرہ سے نجات نصیب ہو جائیگی، اور صرف یہی نہیں، بلکہ وہ شخص جو کل تک بدترین دشمن اور قتل وغارت گری وخوں ریزی پر آمادہ تھا، آج وہ بہترین دوست بلکہ مددگار بن جائیگا، یہ اللہ کی طرف سے وعدہ ہے

(۱) الشوریٰ [۴۰] (۲) الشوریٰ [۴۳] (۳) حٰم السجدۃ [۳۴]

البتہ جذبۂ صادق' یقینِ کامل اور خلوصِ دل کے ساتھ آزمائش شرط ہے......!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَازادَ اللّٰہُ عَبْداً بِعفُوٍ اِلّا عِزّاً) (۱)

ترجمہ: (جب کوئی بندہ [کسی سے انتقام کی بجائے اسے] معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں ترقی واضافہ عطاء فرماتے ہیں)

اسی طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (لَیسَ الشَّدِیدُ بِالصُّرعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِیدُ الَّذِي یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِندَ الغَضَبِ) (۲) ترجمہ: (وہ شخص طاقتور نہیں جو اپنے مقابل کو پچھاڑ دے، طاقتور تو دراصل وہ ہے جو غصے کے وقت خود اپنے آپ کو قابو میں رکھے)

☆احتیاطی تدابیر:

غصے کی اس قدر قباحت وشناعت' اس کے دینی ودنیاوی مفاسد ونقصانات' نیز اس کے تباہ کن نتائج واثرات کے تذکرہ وبیان کے بعد اب یہ بات غور طلب ہے کہ اس آفت ومصیبت سے حفاظت ونجات کیلئے کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں؟

اس سلسلے میں یقیناً اسلامی تعلیمات وہدایات موجود ہیں' جن کی روشنی میں درجِ ذیل باتیں یاد رکھنے کی ضرورت ہے:

(۱)......انسان کو جب غصہ آنے لگے تو اسے یہ بات سوچنی چاہئے کہ اللہ نے انسان کو کتنی اچھی شکل وصورت سے نوازا ہے، لیکن اسے جب غصہ آتا ہے تو اس کی شکل کس قدر بگڑ جاتی ہے، گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں، آنکھیں باہر کو اُمڈ آتی ہیں، سانس اکھڑنے لگتی ہے، ہوش وحواس غائب ہوجاتے ہیں، منہ سے مغلظات اور غیر مہذب وناشائستہ کلمات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے......لہٰذا انسان کو اس بارے میں غور کرنا چاہئے کہ ابھی تک تو میری

(۱) مسلم [۲۵۸۸] باب استحباب العفو والتواضع ۔ (۲) بخاری [۵۷۶۳] کتاب الأدب، الحذر من الغضب

شکل اچھی خاصی ہے، حاضرینِ محفل میں میری عزت بھی ہے، لیکن اب اگر میں غصہ دکھاؤں گا تو میری یہ اچھی خاصی شکل بگڑ جائیگی، لوگوں کا ایک مجمع اکٹھا ہوجائیگا، اور میں ان سب کے سامنے ایک تماشا بن کر رہ جاؤں گا......! لہٰذا میں خود اپنے ہی ہاتھوں خود کو دنیا کے سامنے تماشا کیوں بناؤں......؟

(۲)...... یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ ضرورت سے زیادہ اور بے موقع ہنسی مذاق میں اکثر وبیشتر کوئی ایسی بات ہوجاتی ہے جوکسی کو ناگوار گذرتی ہے، اور پھر وہ بات غصے اور تلخی ورنجش کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ لہٰذا فضول اور بے موقع ہنسی مذاق سے حتیٰ الامکان گریز کیا جائے۔

(۳)...... غصے کا اصل سبب اور محرک عموماً تکبر اور غرور ہوا کرتا ہے۔ انسان جب خود کو بڑا اور افضل، اور دوسروں کو حقیر وکمتر سمجھتا ہے تبھی بات بات پر وہ دوسروں پر برستا اور بگڑتا ہے اور ہمیشہ غصہ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے غصے کے عین جوش اور عروج کے موقع پر اسے کسی ایسے انسان کے روبرو لا کھڑا کیا جائے جو مقام ومرتبے یا شان وشوکت میں اس سے بڑھ کر ہو، تو اس کا سارا غصہ فوراً ہی غائب ہوجائیگا......! لہٰذا انسان کو اپنی عام زندگی اور روزمرہ کے معاملات میں تکبر وغرور جیسی شیطانی صفت سے بچنا چاہئے اور اس کے برعکس خوش اخلاقی، تواضع، عجز وانکسار جیسی عمدہ عادات وصفات اور اعلیٰ اخلاق کو اپنانا چاہئے۔ تاکہ اس کی بدولت وہ غصے جیسی مکروہ وتباہ کن عادت سے محفوظ و مامون رہ سکے۔

(۴)...... انسان کو جب اپنی طبیعت میں غصے کے برے اثرات محسوس ہونے لگیں تو اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وقدرت، اس کے قہر وغضب اور اس کی شانِ جباری وقہاری...... نیز اس کے مقابلے میں اپنی کمزوری وناتوانی کا اپنے ذہن میں خوب استحضار واستدارک

کرنا چاہیے۔

(۵)...... جب کسی پر غصہ آئے تو مار پیٹ یا جذبۂ انتقام کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی بجائے رحمت وہمدردی' اورعفوودرگذر جیسی عمدہ عادات وصفات کی طرف راغب ہونا چاہئے ،اوراس موقع پراس کا اندازِفکر یہ ہونا چاہئے کہ اگر یہ شخص میرا مجرم اورقصوروار ہے تو میں خودبھی تو اللہ کا مجرم اور قصوروار ہوں، کیونکہ مجھ سے بھی تو یقیناً کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی گناہ تو ضرور سرزد ہوا ہوگا، کیونکہ تمام گناہوں اور خطاؤں سے پاک تو کوئی بھی نہیں ہے...... لہٰذا اپنے مجرم اور گناہگار کو یہ سوچ کر معاف کردینا چاہئے کہ شاید اس طرح اللہ بھی مجھے معاف فرمادے......!!

ارشادِربانی ہے:﴿وَلیَعفُوا وَلیَصفَحُوا ، أَلَاتُحِبُّونَ أنْ یَغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُورٌ رَّحِیمٌ﴾ (۱) ترجمہ:(معاف کردینا اور درگذر کرلینا چاہئے،کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف فرمادے؟ اللہ تو قصوروں کو معاف فرمانے والا' مہربان ہے)

یعنی اگر ہم اپنے لئے اللہ سے معافی کے خواہشمند اور مغفرت کے طلبگار ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم بھی دوسروں پر بگڑنے' برسنے اور غصہ دکھانے کی بجائے انہیں معاف کردیا کریں۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ:(یَارَسُولَ اللّٰہ! مَاذَا یُبَاعِدُنِي مِن غَضَبِ اللّٰہِ عَزّ وَجَلّ؟) یعنی:''اے اللہ کے رسول! میں اللہ کے غصے سے بچنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشادفرمایا: (لَاتَغْضَبْ) یعنی:''دوسروں پر غصہ نہ کیا کرو''۔(۲)

مقصد یہ کہ جو کوئی دوسروں کے سامنے بلاوجہ غصہ دکھانے سے باز رہے گا، اللہ کے غضب

(۱) النور[۲۲] (۲) احمد[۲۶۳۵]

اور غصے سے بھی وہی محفوظ وسلامت رہے گا۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: اِرحَمُوا مَن فِي الأَرضِ يَرحَمُكُم مَّن فِي السَّمَاءِ) (۱)

ترجمہ: (تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا)

شاعر کہتا ہے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہربان ہوگا' عرشِ بریں پر

(۶)...... غصے کے وقت انسان کو کچھ بولنے کی بجائے مکمل خاموشی اختیار کرلینی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذَا غَضِبَ أَحَدُكُم فَلیَسكُتُ) (۲)

ترجمہ: (تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وہ خاموش رہے)

کیونکہ غصے کی شدت اور حدت کے وقت جب انسان مخبوط الحواس ہوجاتا ہے اور اپنی زبان سے ہرزہ سرائی کا سلسلہ شروع کردیتا ہے' ایسے میں عین ممکن ہے کہ کسی بھی لمحے اس کی زبان سے کوئی ایسی بیہودہ' نامناسب اور خطرناک قسم کی بات نکل جائے کہ جس کے برے اثرات بہت دوررس ہوں اور اس کے نتائج نہایت تباہ کن ہوں...... اور پھر صورتِ حال ایسا رخ اختیار کرلے کہ جو: ''لمحوں نے خطا کی تھی' صدیوں نے سزا پائی ہے'' کا مصداق بن جائے......!

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت وہدایت پر عمل پیرا رہتے ہوئے غصے کے وقت حتیٰ الامکان خاموشی اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۷)...... غصے کے وقت انسان کے خون میں نیز اس کے مزاج میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے، ایسے میں جسم میں جس قدر حرکت زیادہ ہوگی اسی قدر یہ حرارت بھی بڑھتی جائیگی......

(۱) ترمذی[۱۹۲۴] باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین (۲) احمد[۲۱۳۶]

کیونکہ حرکت کی وجہ سے حرارت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔لہٰذا غصے کے وقت انسان کو چاہئے کہ حرکت سے **مکمل** اجتناب کرے، اگر کھڑا ہوتو بیٹھ جائے، بیٹھا ہوا ہوا تو لیٹ جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذَا غَضِبَ أَحَدُکُم وَهُوقَائِمٌ فَلیَجلِس، فَاِن ذَهَبَ عَنهُ الغَضَبُ وَ اِلّا فَلیَضطَجِع) (۱) ترجمہ: (تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے' اگر وہ کھڑا ہوتو بیٹھ جائے، اگر تب بھی غصہ ختم نہ ہو' تو لیٹ جائے)

نیز یہ کہ غصے کی حالت میں آرام وسکون سے ایک جگہ بیٹھے رہنے کی بجائے انسان اگر کھڑا ہوگا تو پھر شاید فریقین باہم تلخ کلامی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی طرف پیش قدمی بھی شروع کردیں، جس کے نتیجے میں شاید وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب پہنچ جائیں کہ تلخ کلامی سے بڑھ کر نوبت دست درازی تک پہنچ جائے، اور پھر باہم دست وگریباں بھی ہوجائیں......اس کے بعد نہ جانے نوبت کہاں تک جا پہنچے اور کیا مصیبت برپا ہوجائے......؟

(۸)......غصے کے وقت انسان کے خون نیز اس کے جسم اور مزاج میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے، اور حرارت آگ کی خاصیت ہے۔شیطان بھی آگ ہی سے بنا ہوا ہے۔لہٰذا غصے کے وقت انسان پر شیطانی اثرات غالب آجاتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس سے ایسی مذموم اور نازیبا قسم کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں اور وہ اس قدر درندگی وسفا کی کا مظاہرہ اور ایسے ہولناک اور وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کرگذرتا ہے کہ جن کا وہ اپنی عام زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا......لہٰذا ان شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کیلئے غصے کے وقت شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی جائے۔

(۱) احمد [۲۱۳۸۶] ابن حبان [۵۶۸۸]

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی نظر دو آدمیوں پر پڑی جو کہ باہم لڑائی جھگڑے میں مشغول تھے، ان میں سے ایک کا غصے کی شدت کی وجہ سے برا حال تھا، آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: (اِنّي لَأعْلَمُ كَلِمَةً لوقَالَها ذَهَبَ عنهُ الشَّيطَانُ) یعنی: ''میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر اس وقت یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اسے شیطان سے نجات نصیب ہوجائیگی''۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کلمہ: أعُوذُ بِاللّه من الشّيطانِ الرّجيم ہے۔ (۱)

(۹)......نیز غصے کے وقت چونکہ انسان کے مزاج میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ آگ کی خاصیت ہے، اور شیطان بھی آگ ہی سے بنا ہوا ہے، آگ کو بجھانے کیلئے پانی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا شیطانی اثر کی اس آگ کو بجھانے کیلئے وضوء کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ الغَضَبَ مِنَ الشَّيطَانِ، وَاِنَّ الشَّيطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ، وَاِنَّمَا تُطفَأُ النَّارُ بِالمَاءِ، فَاِذَا غَضِبَ أَحَدُكُم فَليَتَوَضَّأ) (۲)

ترجمہ: (غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہٰذا تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وضوء کرلیا کرے)۔

(۱) احمد [۲۷۲۴۹] (۲) احمد [۱۸۰۱۴]

''صبر'': دنیاوآخرت میں کامیابی کاراز:

انسان کیلئے دونوں جہانوں میں صدموں اور پریشانیوں سے نجات اور کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہونے کیلئے ''صبر'' کی عادت اپنانا انتہائی ضروری ہے۔مثال مشہور ہے: مَن صَبَرَ ظَفَرَ یعنی: کامیابی تو بس اسی کونصیب ہوئی جس نے صبر کیا۔

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِینَ﴾ (۱) ترجمہ: (یقیناً اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) لہٰذا قابلِ غور بات ہے کہ جس کسی کو اللہ کی معیت ونصرت نصیب ہوجائے تو یقیناً اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے......؟

نیز ارشادِ ربانی ہے:﴿اِنَّمَا یُوَفَّیٰ الصّابِرُونَ أَجرَھُم بِغَیرِ حِسَابٍ﴾ (۲) ترجمہ: (بے شک صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پوارا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَالَّذِینَ صَبَرُوا ابتِغَآءَ وَجہِ رَبِّھِم وَأَقَامُوا الصَّلَاۃَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقنَاھُم سِرّاً وَّعَلَانِیَۃً وَّ یَدرَأُونَ بِالحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ أُولٓئِکَ لَھُم عُقبَیٰ الدَّار......﴾ (۳) ترجمہ:(اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کیلئے صبر کرتے ہیں' اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں' اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں' انہی کیلئے عاقبت کا گھر ہے......)

☆صبر کی اقسام:

اہلِ علم نے صبر کی چند اقسام بیان کی ہیں' جن کا مختصر تذکرہ کچھ اس طرح ہے:

(۱)البقرۃ[۱۵۳] (۲) الزمر[۱۰] (۳) الرعد[۲۲]

(۱) صبر علی الطاعۃ:

یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت اورتمام اسلامی احکام وتعلیمات پرعمل کے معاملہ میں سستی وتغافل یاپس ہمتی کی بجائے مکمل اہتمام والتزام اورصبروثبات سے کام لینا۔

☆......مثلاً روازانہ پانچ وقت کی نمازکی ادائیگی کے بارے میں اگرغورکیاجائے تویہ حقیقت واضح ہوجائیگی کہ یقیناًیہ انتہائی کٹھن اوردشوارکام ہے(۱) زندگی بھرہرروزپانچ باروضوءکرنا،کبھی اپنی نینداورآرام کوقربان کرنا،کبھی تجارت' دکانداری' یادفترکوچھوڑنا،کبھی یاروں دوستوں کی محفل جمی ہو' یاکوئی کھیل کود' یادلچسپی کاکوئی اورمشغلہ عروج پرہو' ایسے میں ''اللہ اکبر'' کی صداسنتے ہی سب کچھ چھوڑچھاڑکراوردنیاکےتمام مشغلوں اوردلچسپیوں سے منہ موڑکرچپ چاپ مسجدکی طرف چل دینا......راستے میں گرمی ہویاسردی' تپتی ہوئی دھوپ ہویاطوفان اورآندھی' اندھیراہویاروشنی......بہرصورت مسجدکی طرف اپنایہ سفرزندگی بھرصبح وشام دن کے اجالوں میں اوررات کے اندھیروں میں اسی طرح جاری وساری رکھنا...... یقیناًاس کیلئے ''صبر'' ناگریزہے۔

☆......اسی طرح زندگی بھرہرسال ماہِ رمضان میں روزے کے دوران صبح سے شام تک مسلسل بھوکاپیاسارہنا''صبر'' کےبغیرممکن نہیں۔

☆......حج کے موقع پراپنے وطن اورگھرسے دوری' عزیزواحباب سے جدائی' سفرکی صعوبت ومشقت' راحت وآرام نیزروپے پیسے کی قربانی ......اورپھروہاں مناسک کی ادائیگی کےدوران قدم قدم پرتکلیفوں' مشقتوں' اورخلافِ مزاج باتوں کوخندہ پیشانی سے

---

(۱)جیساکہ نمازکے بارے میں خودارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ......﴾ [البقرۃ:۴۶]یعنی:(یہ چیزشاق ہے' مگر[اللہ کا] ڈررکھنے والوں پر......)

برداشت کرنا...... یقیناً یہ سب کچھ ''صبر'' کے بغیر ممکن نہیں۔

☆ ......اسی طرح زندگی بھر ہر سال ''زکوٰۃ'' کی ادائیگی' اپنی محنت وجاں فشانی اورخون پسینے کی کمائی کسی جبر یا زیادتی کے بغیر خالصۃً برضا ورغبت' چپ چاپ اور خاموشی کے ساتھ کسی مسکین کے حوالے کردینا...... یقیناً اس کیلئے بہت بڑی ثابت قدمی اور ''صبر'' کی ضرورت ہے۔

(۲) صبر عن المعصیۃ:

یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی اور تمام معاصی ومنکرات کی آلودگی سے اپنا دامن بچائے رکھنے کی خاطر ''صبر وثبات'' کا مظاہرہ کرنا۔ خصوصاً دورِ حاضر میں جبکہ قدم قدم پر فحاشی ومنکرات کا ایک سیلاب ہے، طاغوتی قوتوں نے انسان کو راہِ حق سے گمراہ وبرگشتہ کرنے کیلئے قدم قدم پر خوشنما جال پھیلا رکھے ہیں......حلال آمدنی کے ذرائع محدود ومسدود' جبکہ حرام مال ہر طرف سے خود بخود اُمڈتا چلا آرہا ہے......! ایسے میں مالِ حرام کی اس دلدل سے خصوصاً ' نیز دیگر تمام معاصی ومنکرات کی آلودگیوں سے عموماً اپنا دامن بچائے رکھنا یقیناً انتہائی ''صبر آزما'' کام ہے۔

(۳) اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' پر صبر:

یعنی زندگی کے اس سفر میں پیش آنے والے مختلف تکلیف دہ حالات اور پریشان کن امور پر ''صبر'' سے کام لینا، اور یہ سوچ رکھنا کہ تقدیر میں لکھی ہوئی پریشانیوں سے تو کسی صورت فرار ممکن نہیں، اور ''تقدیر'' بنانے والا اللہ ہے۔ لہٰذا ان پریشانیوں میں بھی یقیناً اللہ کے علم میں بندے کیلئے کوئی حکمت ومصلحت ہی ہوگی جسے وہی بہتر جانتا ہے' ہم نہیں جانتے، کیونکہ اللہ کا علم کامل ہے اور ہمارا علم ناقص ہے۔

☆…… یہاں یہ بات یادرکھنے کی ضرورت ہے کہ مؤمن کو ہمیشہ اللہ سے عافیت وسلامتی ہی طلب کرتے رہنا چاہئے اور یہ دعاء ہونی چاہئے کہ اللہ اسے ہرقسم کے ابتلاء اورآزمائش سے محفوظ ومامون ہی رکھے۔لیکن اس کے باوجوداگرکوئی آزمائش پیش آہی جائے تواسے اللہ کی مرضی وتقدیرسمجھ کرصبروثبات سے کام لیناچاہئے۔

ارشادِربانی ہے:﴿وَ اصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِن عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ (۱)

ترجمہ: (اورجومصیبت تم پرآجائے اس پرصبرکرنا،یقیناًیہ بہت ہی تاکیدی کاموں میں سے ہے)

یعنی تکلیفوں اورمصیبتوں پرصبرکرنابہت ہی بڑااوراہم ترین کام ہےاوراللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سےاس کی خاص تاکیدکی گئی ہے۔

☆……دوسری بات یہ کہ انسان کوہمیشہ اس بارے میں غوروفکرکرناچاہئے کہ اللہ کی طرف سے ابتلائات اورآزمائشوں کا سلسلہ توحضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی جاری رہا۔

خودرسول اللہ ﷺ افضل الخلائق اورسیدالانبیاء والمرسلین ہونے کے باوجودپیدائشی یتیم تھے،زندگی بھرآنکھیں باپ کی صورت دیکھنےکوترستی رہیں،اس کے بعدمحض چھ برس کی عمر میں انسانی آبادی سے دورویران وبیابان مقام پرپہاڑیوں اورٹیلوں کے درمیان اپنی معصوم نگاہوں سے ماں کواس فانی دنیاسے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوتے دیکھا۔آپؐ کی چارصاحبزادیوں میں سے تین کی وفات عین جوانی کی عمرمیں آپؐ کی حیات میں ہی ہوگئی۔ آپؐ کی عمرمبارک جب اکسٹھ برس ہوئی تب صاحبزادےابراہیم کی ولادت ہوئی،لیکن یہ

(۱)لقمان[۱۷]

صاحبزادہ جب اٹھارہ ماہ کی عمر کو پہنچا اوراس کی معصوم مسکراہٹوں سے گھر کے آنگن میں بہار آنے لگی، تب آپؐ کے اس معصوم لختِ جگر اور نورِ نظر نے ایک روز خود آپؐ کی گود مبارک میں ہی آخری ہچکی لی اور ہمیشہ کیلئے داغِ مفارقت دے گیا، اور یہ منظر دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے......اس کے علاوہ کفار ومشرکین، نیز یہود ومنافقین کی طرف سے مسلسل جسمانی وذہنی تکلیفوں اور ایذاء رسانیوں کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہی جاری رہا۔ کبھی پتھر برسا کر لہولہان کیا گیا، کبھی جنگیں مسلط کی گئیں، کبھی دیوانہ، کبھی جادوگر کہا گیا، کبھی کھانے میں زہر ملایا گیا......حتیٰ کہ خالصۃً گھریلو عزت وشرف کو بھی مجروح وداغدار کرنے کی ناپاک جسارت اور گھناؤنی سازش کی گئی......مگر آپؐ ہمیشہ ہی ''صبر وتحمل'' کا پیکر بنے رہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی اس سیرتِ طیبہ میں اہلِ ایمان کیلئے خصوصاً، اور تمام عالمِ انسانیت کیلئے عموماً ''اُسوۂ حسنہ'' ہے۔

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ذہن نشیں رہنا چاہئے: (عَجباً لِاَمرِ المُؤمِنِ اِنَّ اَمرَہ کُلَّه لَه خَیرٌ وَلَیسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلّا لِلمُؤمِنِ، اِن اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیراً لَه وَ اِن اَصَابَتْهُ ضَرّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیراً لَّه) (۱) ترجمہ: (مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی عجیب ہے، کیونکہ اس کیلئے تو ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے اور یہ تو صرف مؤمن ہی کی شان ہے [کسی اور کو یہ نعمت نصیب نہیں] کیونکہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، یوں وہ خوشی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے، اور اس طرح وہ تکلیف بھی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے)

(۱) مسلم [۲۹۹۹] باب لا یُلدغ المؤمن من جحر مرتین۔ ابن حبان [۲۸۹۶] ذکر اثبات الخیر للمسلم الصابر......۔

☆......اس کے علاوہ اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مؤمن کو زندگی بھر ہمیشہ ہی عموماً 'اور تکلیف و پریشانی اور رنج وغم کے موقع پر خصوصاً انابت الیٰ اللہ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط و مستحکم کیا جائے، اسلامی احکام وفرائض وتمام شرعی عبادات ومعاملات' خصوصاً نماز کی مکمل پابندی کی جائے، ذوق وشوق سے اور خوب دل لگا کر توجہ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، ترجمہ ومعانی کو سمجھنے کی کوشش بھی کی جائے، حرام آمدنی سے اجتناب اور رزقِ حلال کیلئے سعی وکوشش کی جائے، کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، خلقِ خدا کو ستانے سے مکمل گریز کیا جائے، تمام معاصی ومنکرات سے بچنے کا پختہ عزم کیا جائے، اللہ سے خوب دعاء وفریاد کی جائے، اسی سے ہی لو لگائی جائے، اسی سے مدد واعانت طلب کی جائے، اوراس کے ذکر کا بکثرت اہتمام والتزام کیا جائے، کیونکہ مؤمن کیلئے دونوں جہانوں میں کامیابی وکامرانی کا راز اللہ کے ذکر میں ہی پوشیدہ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اذکُرُوا اللّٰهَ کَثِیراً لَعَلَّکُم تُفلِحُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور تم اللہ کو بکثرت یاد کیا کرو' تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہوسکے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَ اصبِر وَ مَا صَبرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (۲) ترجمہ: (اور آپ صبر کیجئے، اور بغیر توفیقِ الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے)

یعنی ہر پریشانی کے مقابلے کیلئے (خواہ وہ مالی پریشانی ہو' کوئی گھریلو مشکل ہو' کسی دشمن یا بدخواہ کی طرف سے ظلم وزیادتی کا سامنا ہو' یا کوئی بھی معاملہ ہو......بہرصورت) انسان کو چاہئے کہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ اپنا تعلق مزید مضبوط ومستحکم کرنے کی فکر وجستجو کرے،

(۱) الانفال [۴۵] (۲) النحل [۱۲۸]

اسی پرتوکل کرے،اوراپناہرمعاملہ بس اسی کے حوالے کردے،جس قدراسے دنیازیادہ ستائے' یاکسی بھی معاملے میں اس کی پریشانیوں میں جس قدراضافہ ہو'اسی قدراللہ کے ساتھ اس کی دوستی بڑھتی جائے اوراس کے ساتھ تعلق مضبوط ومستحکم ہوتاچلاجائے...... اوروہ ہمیشہ اس آیت کے معنیٰ ومفہوم میں غوروفکرکرتارہے:﴿وَ أُفَوِّضُ أَمرِي اِلَىٰ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰـهَ بَصِيـرٌ بِالْعِبَـادِ﴾ (۱) ترجمہ:(میں تواپنامعاملہ بس اللہ ہی کے حوالے کرتاہوں،بےشک وہ اپنے بندوں کوخوب دیکھنے والاہے)

نیز:﴿اِنَّمَـا أَشْـكُـوا بَثِّيُ وَحُزنِيُ اِلَىٰ اللّٰهِ﴾ (۲) ترجمہ:(میں تواپنی پریشانیوں اوررنج والم کی فریادصرف اللہ ہی سے کرتاہوں)

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کوخطاب کرتے ہوئے یہ ارشادہے:﴿وَلَـقَـدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعبُد رَبَّكَ حَتّىٰ يَأتِيَكَ اليَقِيْنُ﴾ (۳) ترجمہ:(ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کادل تنگ ہوتاہے،آپ اپنے رب کی تسبیح اورحمد بیان کرتے رہیں،اورسجدہ کرنے والوں میں شامل ہوجائیں،اوراپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کوموت آجائے)

اس آیت کابھی یہی مفہوم ہے کہ انسان اپنے مخالفین کی طرف سے بدسلوکی' یااورکسی بھی وجہ سے جب کسی پریشانی سے دوچارہوجائے توایسے میں ضرورت سے زیادہ رنجیدہ وافسردہ ہونے کی بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ تسبیح وتحمیدکااہتمام کیاجائے اوراس کے ساتھ اپناتعلق مضبوط ومستحکم کرنے کی خوب فکراورجستجوکی جائے۔

(۱)غافر/مؤمن[۴۴] (۲)یوسف[۸٦] (۳)الحجر[۹۷-۹۸-۹۹]

(۴) خلافِ مزاج باتوں پرصبروتحمل:

یہ حقیقت ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اتنی بڑی انسانی آبادی میں محض کوئی دوانسان بھی ایسے نہیں ہوسکتے کہ ہرمعاملے میں جن کا نظریہ بالکل ایک ہی جیسا ہواوران میں مکمل اتفاقِ رائے ہو۔خواہ وہ باپ بیٹا ہوں، حقیقی بھائی ہوں، میاں بیوی ہوں، یا جوکوئی بھی ہوں۔نہ ہی اس دنیامیں کوئی ایساانسان ملے گا کہ پیدائش سے موت تک زندگی کے ہرقدم پراور ہر معاملے میں اس کے تمام امورعین اس کی اپنی مرضی وخواہش کے مطابق طے پاتے ہوں، خواہ وہ کوئی بادشاہ ہویافقیر، امیر ہویاغریب۔(۱)

چنانچہ زندگی کے اس سفرمیں ہرانسان کوقدم قدم پربہت سی خلافِ مزاج باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینے اور ذہن نشیں کرلینے کی اشد ضرورت ہے کہ ہمیشہ صبروتحمل، وسعتِ صدر، رواداری، حلم وبردباری، دوسروں کی رائے کا

(۱) اس موقع پرعبرت کی غرض سے ایک مختصرسے واقعے کا تذکرہ مناسب رہیگا۔ایک بارعید کے موقع پرمیں نے ایک شخص کونمازِظہر کے بعدمسجد میں کافی اداس وپریشان دیکھا۔چونکہ اس سے میرا کچھ تعارف تھااس لئے رسمی دعاءوسلام کے بعدمیں نے اس کی اس اداسی کی وجہ دریافت کی۔جواب میں وہ شخص یوں گویاہوا کہ پاکستان میں گاؤں میں میرا بیٹا ہے جوکہ بہت ہی شریف اورفرمانبردار بھی ہے۔گذشتہ چندسالوں سے مسلسل ایسا اتفاق ہورہا ہے کہ وہ ہرسال عید کے موقع پرمجھ سے یہ فرمائش کرتا ہے کہ میں اس کیلئے کچھ رقم ارسال کروں، تاکہ وہ موٹرسائیکل خریدسکے۔میں اس کی یہ فرمائش ٹال نہیں سکتااس لئے ہرسال یہ وعدہ کرتاہوں کہ اس سال چونکہ مالی حالات درست نہیں ہیں، لہٰذا آئندہ سال عید کے موقع پرضروررقم ارسال کردوں گا۔مگرافسوس کہ ہرسال کی طرح اس سال بھی میں اس کی یہ خواہش پوری نہ کرسکا......حالانکہ وہ میراانتہائی فرمانبردار بھی ہے......!!

دوسرے ہی روزاتفاقاً ایک دعوت میں ایک صاحب کواپنے بیٹے کے بارے میں نہایت ہی افسردگی اورحسرت ویاس کی کیفیت میں اس طرح شکوہ کرتے ہوئے سنا: ''میں نے عید سے ایک روزقبل اپنے بیٹے کوبالکل نئی گاڑی بطورِہدیہ بھجوائی، مگرظالم کواتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ عید کے روزمجھے ٹیلی فون پرہی ''عیدمبارک'' کہہ دیتا......!!!

احترام' ''جیواور جینے دو'' نیز'' کچھ لو' کچھ دو'' کا اصول اپنانا انتہائی ضروری ہے۔ جوکوئی خلافِ مزاج باتوں پرصبر کو اپنا شیوہ وشعار بنائے گا وہی اس دنیا میں سکون واطمینان اور عافیت وسلامتی کے ساتھ جی سکے گا۔اس کے برعکس جوکوئی ہمیشہ بے صبری' تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا مظاہرہ کرے گا وہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی اس عارضی وفانی زندگی کو مزید مشکلات ومصائب اور تلخیوں سے بھرپور بنا دیگا،زندگی بھر خود بھی بے چین وبے سکون رہے گا اور دوسروں کیلئے بھی آفات ومصائب اور پریشانیوں کے اسباب پیدا کرتا رہے گا......!!

(۵) مالی حالات کے معاملہ میں صبر وقناعت:

مال ودولت اور زمین جائیداد کے بارے میں یہ بات یادرکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس دنیا میں انسان اگر صبر وقناعت کو اپنانے کی بجائے ہوسِ زر اور حرص وطمع کا شکار ہوجائے تو پھر زندگی بھر سکون اور مسرت واطمینان کی لذت سے محروم ہی رہے گا۔ ہوسِ زر کا یہ منہ زور اور بے لگام گھوڑا اسے زندگی کے کسی بھی مرحلے پر پڑاؤ ڈالنے یا رکنے اور ستانے کی مہلت ہی نہیں دیگا۔فضول اور غیر ضروری خواہشات یا بے جا تمناؤں کے سراب کے پیچھے زندگی بھر دیوانہ وار دوڑتے دوڑتے وہ موت کی سرحد تک جا پہنچے گا'مگراس کے باوجود متأسف' رنجیدہ وملول اور بے چین وبے سکون ہی رہے گا......!!

ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ المَقَابِرَ﴾ (۱) ترجمہ:(غفلت میں مبتلا کئے رکھا تمہیں زیادتی کی خواہش نے (۲) یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے)

(۱)التکاثر[۱-۲] (۲)یعنی مال ودولت' زمین جائیداد' اورآل واولاد کی کثرت وفراوانی کی تمنا انسان کو زندگی بھر مسلسل غفلت میں مبتلا کئے رکھتی ہے اور وہ اپنے انجام اوراس کیلئے تیاری کی فکر سے غافل وبے خبر رہتا ہے، یہاںتک کہ اپنی آخری منزل یعنی ''قبر'' میں جا پہنچتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی دوافراد ایسے ہوں کہ جن کی مالی ضروریات تقریباایک ہی جیسی ہوں، مگر دونوں کی آمدنی مختلف ہو،ایک کی آمدنی توکم ہو' مگراس کے باوجودوہ خوش وخرم رہتاہو،سفید پوشی پرصبروشکرکواپنا شیوہ وشعار بنارکھاہو،اپنے اہل وعیال کےساتھ ہنسی خوشی زندگی بسرکرتاہو......جبکہ دوسرے شخص کی آمدنی توزیادہ ہو،مگراس کے باوجودوہ ہمیشہ رنجیدہ وملول ہی رہتاہو،اس کے معصوم بچے ہردم اور ہرلحظہ اس کی توجہ' ہمدردی اورمحبت وشفقت کوترستے ہوں......مگروہ ہمیشہ بس روپے پیسے کی کمی اورتنگی کارونا ہی لئے بیٹھارہتا ہو،اوریوں گھرکی فضاءکومکدر' افسردہ اورسوگواربنائے رکھتاہو......ایسی صورتِ حال میں یقیناً یہی کہاجائیگا کہ پہلاشخص اپنی کم آمدنی کے باوجود''امیر'' ہے۔جبکہ یہ دوسراشخص زیادہ آمدنی کے باوجود''فقیر''اور''مسکین''ہی کہلائے گا۔کیونکہ مالداری یاتونگری وخوشحالی کا تعلق مال وزرکی کثرت وفراوانی سےنہیں ہے۔بلکہ اس کاتعلق تو''دل''سے ہے۔ جیسا کہ ارشادِنبویﷺ ہے:(لَیسَ الغِنَیٰ عَن کَثرَةِ العَرَضِ ، وَ لٰکِنَّ الغِنَیٰ غِنَیٰ النَّفسِ) (۱) ترجمہ(مالداری وتونگری ظاہری مال ودولت سےنہیں، بلکہ اصل اورحقیقی مالداری تودل کےاستغناءکانام ہے)

ابلیس نے جنت سے نکلتے وقت اولادِآدم سےانتقام کاجوعزم کیاتھااوراس موقع پراس نے جودھمکیاں دی تھیں'ان میں سے ایک دھمکی یہ بھی تھی جس کاتذکرہ اس آیت میں ہے:﴿وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ ......﴾ (۲) ترجمہ:(میں انہیں گمراہ کرتارہوں گا اورباطل امیدیں دلاتارہوں گا......)

یعنی شیطان کی ہمیشہ خواہش وکوشش یہی رہتی ہے کہ وہ انسان کوفضول تمناؤں اوربے جا

(۱)بخاری[۶۰۸۱] کتاب الرقاق،باب الغنیٰ غنیٰ النفس۔نیز:مسلم[۱۰۵۱] کتاب الزکاة (۲)النساء[۱۱۹]

خواہشات کے جال میں پھنسادے اورزندگی بھراسے دھوکہ وفریب اورمحض خوابوں کی دنیامیں الجھائے رکھے،اوریوں خواہشاتِ نفس کی بندگی وغلامی میں ہی اس کی تمام زندگی بسرہوجائے۔

فضول خواہشات' بے جاتمناؤں اورہوسِ زرمیں مبتلاحریص اورلالچی انسان خواہ کتناہی امیروخوشحال ہوجائے اوردنیابھرکےخزانے اس کے قدموں میں ہوں......مگراس کے باجودوہ زندگی بھربس روتاہی رہے گا،اور پیسے کے پیچھے بھاگ بھاگ کرخودکوہلکان کئے رکھے گا،کیونکہ ''مزید'' کی ہوس اسے کبھی چین سے نہ جینے دے گی۔ایسےانسان کی کیفیت یہ ہوگی کہ مدتوں اورسالوں کسی چیزکےحصول کیلئے روتارہے گا،اورجب وہ چیزاسے مل جائے گی توبس دوچاردن اس کی خوشی منائے گا۔اس کے بعدکسی اورچیزکیلئے روناشروع کردے گا......آخراسی طرح روتے روتے اس کی زندگی توختم ہوجائے گی،مگرخواہشات اورتمناؤں کایہ سلسلہ ختم نہ ہوگا......!!

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(لَــوکَــــانَ لِابــنِ آدَمَ وَادِیَــانِ مِـن مَالٍ لَابتَغیٰ ثَالِثاً ، وَلَا یَملأُ جَوفَ ابنِ آدَمَ اِلّا التُّرَابُ) (۱)

ترجمہ:(ابنِ آدم کواگرمال ودولت سے بھرپوردووادیاں بھی نصیب ہوجائیں' تب بھی وہ تیسری وادی کی تمناکریگا،ابنِ آدم کاپیٹ توبس قبرکی مٹی ہی بھرسکتی ہے)

حریص ولالچی انسان اورمال وزرکاپجاری محض اپنے مفادات کے حصارمیں ہی ہمیشہ کیلئے بندہوکررہ جاتاہے،تمام رشتے ناتے وہ فراموش کردیتاہے،بس پیسہ ہی اس کاباپ ہے، پیسہ ہی اس کی اولادہے،پیسہ ہی اس کامحبوب ہے،پیسہ ہی اس کادین ومذہب ہے......

(۱)بخاری[۶۰۷۳]باب مایُتّقیٰ من فتنۃ المال وقول اللہ تعالیٰ انما أموالکم وأولادکم فتنۃ......نیز:مسلم[۱۰۴۸]

بلکہ پیسہ ہی اس کا خدا ہے...... پیسے کی خاطر وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہوئے دیوانہ وار آگے بڑھنے کی کوشش میں شب وروز تگ ودو میں مشغول رہتا ہے، پیسے کی خاطر حلال وحرام کی تمیز کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے، پیسے کی خاطر کسی بھی لمحہ وہ وحشی درندہ بھی بن سکتا ہے، کسی بڑے جرم کا ارتکاب بھی کرسکتا ہے، بلکہ کسی بے گناہ کا خون تک بہا سکتا ہے...... مگر ایسے انسان کو یہ حقیقت یادرکھنی چاہئے کہ وہ اپنی زندگی بھر کی اس تگ ودو' جدوجہد' دیوانگی وبے چارگی' نیز روپے پیسے کی خاطر درندگی وسفاکی اور جرائم کے ارتکاب کے باوجود ہمیشہ ''مفلس ومسکین'' اور''محتاج وفقیر'' ہی رہے گا، اور زندگی کی آخری سانس تک ''دواور دوچار'' کا یہ چکر اسے کبھی سکون واطمینان کی لذت سے آشنا نہ ہونے دے گا، اور وہ ھل من مزید کی فریاد اپنے ہونٹوں پر لئے ہوئے بےبسی وبے چارگی کے عالم میں اس عارضی وفانی دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوجائے گا، اس کے وارث اس کے چھوڑے ہوئے مال ودولت سے خوب عیش وعشرت اڑائیں گے' جبکہ وہ خود اس دنیا سے بھی روتا ہوا جائے گا' اور اگر اس کا وہ مال حرام ذرائع سے حاصل شدہ ہو' یا اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو' تو یہی مال اسے قبر میں بھی سکون نہ لینے دے گا' بلکہ سانپ اور بچھو بن کر قیامت تک اسے ڈستا رہے گا...... لہٰذا مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ مال ودولت کے معاملے میں ہمیشہ صبر وقناعت سے کام لے، اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ ذہن نشیں رکھے: (مَا أُعطِيَ أَحَدٌ مِن عَطَاءٍ خَيراً وَ أَوسَعَ مِنَ الصَّبرِ) (۱) ترجمہ: (''صبر'' سے زیادہ بہتر اور کشادہ کوئی نعمت کبھی کسی کو عطاء نہیں کی گئی) یعنی ''صبر وقناعت'' ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی اور نعمت کبھی کسی انسان کو نصیب نہیں ہوسکتی۔

(۱) مسلم [۱۰۵۳] کتاب الزکاۃ، باب فضل الصبر والتعفف ۔ یہی حدیث بخاری میں [۶۱۰۵] اس طرح مروی ہے: وَلَن تُعطُوا عَطاءً خَيراً وَ أَوسَعَ مِنَ الصَّبرِ ۔

''شکرگذاری'' مؤمن کی خاص صفت

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کوحکم دیتے ہوئے ارشادفرمایا: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (۱) ترجمہ:(تم مجھے یادکرو، میں بھی تمہیں یادکروں گا،میری شکرگذاری کرواورناشکری سے بچو)

نیزارشادہے:﴿وَ اِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾ (۲) ترجمہ:(اگرتم شکراداکروتووہ [اللہ]اسےتمہارے لئے پسندکرےگا)

حقیقت یہ ہے کہ انسان پراس کے خالق ومالک کے بیشماراحسانات ہیں۔کتنی ہی ایسی نعمتیں ہیں جواللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کومانگے بغیرہی عطاءفرمارکھی ہیں۔اللہ نے ہی انسان کوپیداکیا،زندگی عطاءفرمائی،رزق عطاءفرمایا،صحت وتندرستی سےنوازا،سوچنےسمجھنے کی صلاحیت دی،دیکھنے'سننے'اوربولنےکی قوت دی،یہ دل ودماغ' یہ ہاتھ پاؤں' آنکھیں' ناک' کان' سرسے پاؤں تک اس کاتمام وجودہی اللہ کی طرف سے احسانِ عظیم کامنہ بولتاثبوت ہے۔

قرآن کریم میں ارشادہے:﴿وَ اِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوهَا﴾ (۳) ترجمہ:(اوراگرتم اللہ کی نعمتیں شمارکرناچاہوتوانہیں شماربھی نہیں کرسکتے)

نیزارشادہے:﴿...... وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (۴) ترجمہ:(...... اسی نےتمہارےکان اورآنکھیں اوردل بنائےتاکہ تم شکراداکرو)

(۱)البقرۃ[۱۵۲] (۲)الزمر[۷] (۳)ابراہیم[۳۴] (۴)النحل[۷۸]

اسی طرح ارشاد ہے:﴿أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَاناً وَّ شَفَتَيْنِ ......﴾ (۱)
ترجمہ:(کیا ہم نے اس کی دوآنکھیں نہیں بنائیں؟اور زبان اور ہونٹ نہیں بنائے......؟)
انسان پراللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس تمام کائنات کوانسان کے سامنے مسخر کردیاہے اوراس کی خدمت پرمأمورفرمادیاہے تاکہ انسان اس کائنات سے اپنی ضرورت ومصلحت کے مطابق استفادہ کرسکے۔قرآن کریم میں جابجااسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیاہے۔

ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلَمْ تَرَوا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِيْ الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (۲) ترجمہ:(کیاتم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین وآسمان کی ہرچیز کوتمہارے کام میں لگارکھاہے اورتمہیں اپنی ظاہری وباطنی نعمتیں بھرپوردے رکھی ہیں)

نیزارشادہے:﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزقاً لَّكُم ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي البَحْرِ بِأَمْرِهٖ ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ القَمَرَ دَائِبَيْنِ ، وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اورزمین کوپیداکیاہے،اورآسمان سے بارش برساکراس کے ذریعے سے تمہاری روزی کیلئے پھل نکالے ہیں،اورکشتیوں کوتمہارے بس میں کردیاہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں،اسی نے ندیاں اورنہریں تمہارے اختیارمیں کردی ہیں،اسی نے تمہارے لئے سورج اورچاندکومسخرکردیاہے کہ برابرہی چل رہے ہیں)

(۱)البلد[۸۔۹] (۲)لقمان[۲۰] (۳)ابراہیم[۳۲۔۳۳]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان تمام احسانات اور بیشمار نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خلوصِ دل اور جذبۂ صادق کے ساتھ اپنے خالق و مالک اور محسن و منعم کا شکرگذار بن کر رہے، اور ہر قسم کی ناشکری سے مکمل اجتناب کرے۔

شکرگذاری کی ضرورت واہمیت نیز اس کی فضیلت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث میں جابجا مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے عجز وانکسار' اطاعت وانقیاد اور تشکر وامتنان کا راستہ اپنایا، جبکہ اس کے برعکس فرعون اور قارون وہامان وغیرہ کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سرکشی وطغیانی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرکے اپنی بدبختی کا ثبوت دیا۔

☆......مثلاً قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَينَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْماً وَقَالَا الحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيْرٍ مِنْ عِبَادِهِ المُؤمِنِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور ہم نے یقیناً داؤد اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا، اور دونوں نے کہا: تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے)

اس کے بعد مزید اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں پھر فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذا لَهُوَ الفَضْلُ المُبِيْنُ﴾ (۱) ترجمہ: (بیشک یہ تو بالکل کھلا ہوا فضلِ الٰہی ہے)

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہی پھر یہی تذکرہ ہے کہ وہ اللہ کی

(۱) النمل [۱۵] (۲) النمل [۱۶]

نعمتوں کا مشاہدہ کرکے یوں گویا ہوئے: ﴿...... هٰذا مِن فَضلِ رَبِّي لِيَبلُوَني أَأَشكُرُ أَم أَكفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشكُرُ لِنَفسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾ (۱) ترجمہ:(...... یہ تو میرے رب کا فضل ہے،تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگذاری کرتا ہوں یاناشکری،جوکوئی شکرگذاری کرتاہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے [شکرگذاری] کرتاہے،اورجوناشکری کرے تو میرارب یقیناً غنی [بے پرواہ] اور کریم ہے)

☆......اسی طرح قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ عرصۂ درازاورسالہاسال کی جدائی وگم شدگی کے بعدجب ان کی اپنے والدین اور بھائیوں سے ملاقات ہوئی اوروہ سب یکجا ہوئے تو اس موقع پرحضرت یوسف علیہ السلام نے کسی شکوہ وشکایت یانالہ وفریادکی بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کاشکرادا کرتے ہوئے یوں کہا: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِيْ إِذ أَخرَجَنِي مِنَ السِّجنِ وَ جَآءَ بِكُم مِنَ البَدْوِ مِن بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيطَانُ بَيْنِي وَ بَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّيْ لَطِيفٌ لِمَا يَشَآءُ إِنَّهُ هُوَ العَلِيْمُ الحَكِيْمُ﴾ (۲) ترجمہ:(اُس[اللہ] نے میرے ساتھ بڑاہی احسان کیاجب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا اورآپ لوگوں کوصحراسے لے آیا'اس اختلاف کے بعدجوشیطان نے مجھ میں اورمیرے بھائیوں میں ڈال دیاتھا،میرارب جوچاہےاس کیلئے بہترین تدبیر کرنے والاہے،اوربہت علم وحکمت والاہے)

اس کے بعدآپ علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مزیداحسانات کاتذکرہ کرتے ہوئے جذبۂ احسان مندی وشکرگذاری سے لبریزہوکراپنے رب سے مناجات میں اس طرح مشغول ہوگئے:﴿رَبِّ قَد آتَيْتَنِيْ مِنَ المُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَأْوِيلِ الأَحَادِيثِ

(۱)النمل[۴۰] (۲)یوسف[۱۰۰]

فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِماً وَّ أَلحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (اے میرے رب! تونے مجھے ملک عطاء فرمایا اورتونے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی، اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! توہی دنیاوآخرت میں میرا کارساز ہے، تومجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیکوں میں شامل فرمالے)۔

غورطلب بات یہ ہے کہ والدین سے سالہا سال کی جدائی اوران کیلئے فطری تڑپ' بیقراری وبے چینی کے باوجود اس ملاقات کے موقع پر آپ علیہ السلام نے والدین کے سامنے رورو کر بھائیوں کے مظالم' زہریلے حشرات الارض سے بھرپور اس بھیانک اور ویران وسنسان کنوئیں میں گذرنی والی تکلیف دہ کیفیات' یا بے گناہی وبے قصوری کے باوجود سالہا سال تک جیل خانے میں قیدوبند کی صعوبتوں ومشقتوں کا تذکرہ کرکے رونے اور رلانے کی بجائے محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات وانعامات کا تذکرہ فرمایا اوران احسانات پرانتہائی مؤثر ودلنشیں انداز میں جذبۂ شکرگذاری کا اظہار فرمایا۔

☆...... خاتم الانبیاء والمرسلین' سیدالاولین والآخرین' رسول اللہ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ طویل شب بیداری اورنوافل کے دوران مسلسل قیام کی وجہ سے آپؐ کے قدم مبارک کی جلدمیں شگاف پڑجاتے تھے، نیز قدم مبارک سوج جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت مغیرہ فرماتے ہیں: (قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّیٰ تَوَرَّمَت قَدَمَاه ، فَقِيلَ لَهٗ : غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ ، قَالَ : أَفَلَا أَكُونَ عَبداً شَكُوراً؟) (۲) ترجمہ: (نبی ﷺ رات کو[دورانِ نماز] اس قدر طویل قیام کیا کرتے تھے کہ آپؐ کے قدم

(۱) یوسف[۱۰۱] (۲) بخاری[۴۵۵٦] کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: لیغفر لک اللہ......

مبارک سوج جایا کرتے تھے۔آپ سے عرض کیا گیا کہ:اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمارکھے ہیں؟اس پرآپ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں [اللہ کا]شکرگذار بندہ نہ بنوں؟'')۔

عـن عـائشة رضي اللّه عنها أنّ نبيّ اللّه ﷺ كان يقوم من اللّيل حتّىٰ تتفطّر قدماه ، فقالت عائشة : لم تصنع هذا يا رسول اللّه وقد غفر اللّه لك مـا تـقـدّم مـن ذنبك ومـا تـأخّـر؟ قـال : أَفَلَا أُحِـبُّ أَن أَكُونِ عَبداً شَـكُـوراً؟) (۱) ترجمہ:(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو[دورانِ نماز]اس قدرطویل قیام کیا کرتے تھے کہ آپؐ کے قدموں [کی جلد]میں شگاف پڑجایا کرتے تھے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول!آپ اس قدرمشقت کیوں فرماتے ہیں ......جبکہ اللہ نے تو آپ کے گذشتہ اورآئندہ تمام گناہ معاف فرمارکھے ہیں......؟''آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں شکرگذار بندہ بننا پسند نہ کروں؟'')

☆......گذشتہ سطور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات وانعامات پرحضرات انبیائے کرامؑ علیہم السلام کے طرزِعمل'نیزان کے جذبۂ احسان مندی وشکرگذاری'اپنے خالق ومالک کی اطاعت وفرمانبرداری اورہمہ وقت اس کی حمدوثناء اورتسبیح وتحمید میں مشغول ومنہمک اور رطب اللسان رہنے کے اس تذکرہ کے بعدذرہ ملاحظہ ہوکہ اس طرزِعمل کے برعکس'اللہ کے احسانات وانعامات پرجذبہ تشکروامتنان اوراطاعت وانقیادکی بجائے کفرانِ نعمت' تکبروغرور' فخرومباہات' نافرمانی وروگردانی اورسرکشی وطغیانی کن لوگوں کا شیوہ وشعارہے؟

(۱) بخاری[۴۵۵۷] کتاب التفسیر، باب قولہٖ تعالیٰ:لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر......۔

☆......قرآن کریم میں قارون کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ اللہ نے اسے بے انتہاء مال ودولت اور بے حدوحساب خزانوں اور ہرقسم کی نعمتوں سے نوازا۔لیکن جب اسے یہ نصیحت کی گئی کہ وہ ان نعمتوں اور مال ودولت کی فراوانی وبہتات پرفخر وغرور کی بجائے اپنے محسن ومنعم کی اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اپنائے،اپنی آخرت سنوارنے کی کچھ فکر کرے اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال ودولت اوران خزانوں میں سے کچھ حصہ بندگانِ خدا کی مدد' انسانیت کی فلاح وبہبوداور خدمتِ خلق کی راہ میں خرچ کرے...... تو وہ فوراً ہی مشتعل اورآگ بگولہ ہوگیا،اللہ کی نعمتوں کا یکسرانکارکرتے ہوئے' نیز حددرجہ ناشکری' بے مروتی اور بےحسی وسنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی شروع کردی: ﴿...... اِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ (۱) یعنی :''...... یہ سب کچھ تو میں نے خوداپنے ہی علم اورذاتی دانش وحکمت سے کمایا ہے)

☆...... اسی طرح قرآن کریم میں فرعون کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے جب یہ حکم سنایا کہ وہ اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے سے باز آجائے،ظلم وستم' کشت وخون اورمردم آزاری کا یہ سلسلہ اب بندکردے......تو وہ اس حکمِ خداوندی اورفرمانِ الٰہی کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کی بجائے نافرمانی وروگردانی پر اَڑ گیا،اورفوراً ہی اپنی بےحسی وبدبختی اورحددرجہ سرکشی وطغیانی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے خوداپنی ہی خدائی کادعویٰ کربیٹھا،اوریوں گویا ہوا:﴿...... أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (۲) یعنی:(تم سب کا بڑااورحقیقی رب تو میں خودہی ہوں......)۔

گذشتہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شکرگذاری و

(۱)القصص[۷۸] (۲)النازعات[۲۴]

احسان مندی اوراطاعت وفرمانبرداری انبیاءوصلحاء کا' جبکہ اس کے برعکس ناشکری ونافرمانی اورسرکشی وطغیانی فرعون وقارون اوران کے ہم خیال وہمنواقسم کے لوگوں کا شیوہ وشعار ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابلیس کو جب ملعون ومردود قرار دیتے ہوئے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تو اس وقت اس نے قسم کھائی کہ چونکہ اسے آدم (علیہ السلام) کی وجہ سے جنت سے نکلنا پڑا ہے، لہٰذا وہ اولادِ آدم سے اپنی اس بے عزتی کا انتقام ضرور لے گا، اوراولادِ آدم کو بھی اس جنت سے دوراورمحروم رکھنے کی ہرممکن سعی وکوشش کرے گا، انہیں صراطِ مستقیم سے گمراہ وبرگشتہ کرنے کیلئے ہرطرف سے ان پرحملہ آورہوگا، کبھی سامنے سے کبھی پیچھے سے' کبھی دائیں طرف سے اور کبھی بائیں طرف سے......!!

اورپھرمزید یہ دھمکی بھی دی کہ جس کا تذکرہ قرآن کریم میں اس طرح ہے:﴿وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُم شَاكِرِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(ان میں سے اکثرکوتوشکرگذارنہ پائے گا)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے ابلیس نے اس بات کا عزم کیا کہ:''اے اللہ! ابنِ آدم کے بارے میں اتنا کارنامہ تو میں ضرورانجام دے کرہی رہوں گا کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہوگا کہ آپ کی عطاء کردہ تمامترنعمتوں کے باوجود یہ بس آپ کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے......''۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناشکری کرنے والا انسان دراصل شیطان کے زیرِاثرہے، اپنے خالق ومالک اورمحسن ومنعم کوناراض کررہاہے، اوراپنے بدترین دشمن یعنی شیطان کوخوش کررہاہے۔ اگراسے اللہ کی خوشنودی ورضامندی کی طلب وجستجو ہوتی تو

(۱)الاعراف[۱۷]

وہ یقیناً اس کی ناشکری کی بجائے شکرگذاری واحسان مندی کا راستہ اختیار کرتا، اور اسے اس ارشادِ ربانی کی اہمیت کا احساس ہوتا: ﴿وَ اِن تَشْکُرُوا یَرْضَهُ لَکُمْ﴾ (۱) ترجمہ: (اگر تم شکر ادا کرو تو وہ [اللہ] اسے تمہارے لئے پسند کرے گا)

☆شکر کی حقیقت:

شکر کی حقیقت کے بارے میں درجِ ذیل تین باتوں کو سمجھنا اور پھر انہیں اپنانا ضروری ولازمی ہے:

(۱)...... انسان اپنے پاس موجود کسی بھی نعمت یا خوبی کو اپنا ذاتی کمال اور اپنا استحقاق تصور کرنے اور پھر اس کے بل بوتے پر تکبر وغرور اور خود پسندی وخودنمائی نیز دوسروں کی تحقیر وتذلیل کی بجائے اس نعمت کو خالصۃً اپنے خالق ومالک کی طرف سے عطیہ اور احسان وانعام تصور کرے اور تہِ دل سے اس کی شکرگذاری واحسان مندی بجالائے۔

(۲)...... دل کی گہرائیوں میں رچے بسے ہوئے اس جذبۂ شکرگذاری واحسان مندی کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی انہی جذبات کا اقرار واظہار کیا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (۲) ترجمہ: (اور اپنے رب کی نعمتوں کو تو بیان کرتا رہ)۔

(۳)......شکرگذاری واحسان مندی کے ان جذبات کا اپنی عملی زندگی میں بھی اقرار واظہار کیا جائے، اپنی ہر نقل وحرکت اور ہر قول وفعل میں اس کا عملی ثبوت پیش کیا جائے، ان تمام نعمتوں کو اس منعم ومحسن کی مرضی اور اس کی مقرر فرمودہ حدود وقیود کی مکمل رعایت وپابندی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

(۱) الزمر [۷] (۲) الضحیٰ [۱۱]

خلاصہ یہ کہ شکر محض اس چیز کا نام نہیں کہ انسان اٹھتے بیٹھتے بس اپنی زبان سے ''الحمدللہ'' کا ورد کرتا رہے...... جبکہ اسے اپنے عمل اور سیرت وکردار کی اصلاح کی طرف نہ کوئی توجہ ہو اور نہ ہی کوئی فکر یا جستجو......!!

بلکہ شکر کی حقیقت تو یہ ہے کہ دل بھی جذبۂ شکرگذاری واحسان مندی سے لبریز وسرشار ہو، زبان سے بھی اس کا اقرار واظہار ہو، اور انسان کی تمام زندگی بھی اس محسن کی مرضی، اس کے احکام اور اس کی تعلیمات وہدایات کے مطابق بسر ہو۔

☆شکرگذاری کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے چند مفید نسخے:

(۱)''رزقِ حلال'' کا اہتمام والتزام:

شکرگذاری کی توفیق صرف اسی انسان کو نصیب ہوسکتی ہے جس کا رزق حلال ہو، حرام کھانے والے انسان کو کبھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوگی ، اس طرح وہ ''شکرگذاری'' کے عظیم فوائد وبرکات سے محروم رہے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنتُم إِيَّاهُ تَعبُدُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو)

غور طلب بات ہے کہ اس آیت میں حلال وپاکیزہ رزق کھانے کے حکم کے بعد فوراً ہی اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق تب ہی نصیب ہوسکے گی کہ جب رزقِ حلال کا اہتمام ہو اور رزقِ حرام سے مکمل گریز

(۱) البقرۃ [۱۷۲]

اوراجتناب ہو۔

(۲)اللہ کے عذاب سے حفاظت ونجات کا ذریعہ:

''شکرگذاری'' کا جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے اس بارے میں غوروفکر کرنا چاہئے کہ ہرمسلمان کی یقیناً یہ سب سے بڑی خواہش وآرزو ہے کہ اسے دنیاوآخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے معافی ومغفرت' نیزاس کے عذاب سے نجات وحفاظت نصیب ہوجائے۔اس مقصد کیلئے یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قرآن کریم میں اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے یہ خوشخبری اور یہ وعدہ ہے کہ جب تک وہ صدق واخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہیں گے اورخلوصِ دل سے اُس کا شکر بجالاتے رہیں گے اس وقت تک وہ انہیں عذاب سے محفوظ ومامون رکھے گا۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِراً عَلِيْماً﴾ (۱) ترجمہ:(اللہ تمہیں عذاب دے کرکیا کریگا؟اگرتم شکرگذاری کرتے رہواور باایمان رہو،اللہ بہت قدرکرنے والا اور پوراعلم رکھنے والا ہے)

(۳)خوشحالی وآسودگی میں اضافہ وترقی کا سبب:

یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ ہمیشہ خوب سے خوب ترکی تلاش میں سرگرداں رہتاہے،اپنی ترقی وبہتری کی خاطروہ زندگی بھرتگ ودو میں مشغول ومنہمک رہتاہے۔

اس مقصد کیلئے اسلامی آداب وتعلیمات اورشرعی حدود کے اندررہتے ہوئے انسان جوبھی ترکیب وتدبیر مناسب سمجھے اسے اپنالے۔مگرجونسخہ خوداللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایاہے اسے ضروراختیارکرے،کیونکہ انسان اپنی عقل ودانش کے مطابق ازخودجوبھی طریقہ اختیارکریگا

(۱)النساء[۱۴۷]

اس میں یقیناً نفع ونقصان دونوں ہی چیزوں کا احتمال ہوگا۔جبکہ اس مقصد کیلئے اللہ کا بتایا اور سکھایا ہوا طریقہ تو یقیناً مفید ہی ہوگا اور اس میں کسی خسارے کا کوئی امکان یا اندیشہ ہرگز نہیں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس بارے میں اللہ کا بتایا اور سکھایا ہوا طریقہ کیا ہے؟

اس سوال کے جواب کیلئے اس ارشادِ ربانی میں ذرہ غور کیا جائے:﴿وَاِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (۱) ترجمہ:(اور جب تمہارے رب نے یہ اعلان فرمادیا کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو بیشک میں تمہیں اور زیادہ دوں گا)

لہٰذا اس بات کو خوب یاد رکھا جائے کہ اللہ کی عطاء فرمودہ نعمتوں اور آسودگی وخوشحالی میں مزید ترقی واضافہ اور خیر وبرکت کیلئے اللہ کی شکر گذاری واحسان مندی ضروری ہے۔

(۴)نعمتوں کے تحفظ وبقاء کا ذریعہ:

انسان کیلئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے حالات میں بہتری وترقی کیلئے تگ ودو اور جدوجہد کی بنسبت زیادہ فکر وجستجو اس بات کی کرے کہ جو نعمتیں پہلے سے اسے میسر ہیں کہیں وہ خدانخواستہ ان سے بھی محروم نہ ہوجائے......!!

فرض کیجئے کہ کسی شخص نے کسی کی کوئی مالی اعانت کی‘ یا کوئی چیز اسے دی،اس پر وہ شخص خوشی ومسرت اور جذبۂ شکر ونیازمندی کے اظہار کی بجائے‘ یا کم ازکم یہ کہ خاموشی اختیار کرنے کی بجائے الٹا ناراضگی وناگواری کا اظہار کرے......ایسی صورتِ حال میں اس کی اعانت ومدد کرنے والا شخص یقیناً اسے یہی کہے گا کہ بھائی میری دی ہوئی چیز اگر تمہیں پسند نہیں تو میں اپنی یہ چیز تم سے واپس لے لیتا ہوں‘ تاکہ تمہاری یہ تکلیف وناگواری دور ہوجائے......اور

(۱)ابراہیم[۷]

چونکہ دنیا میں بیشمار ایسے لوگ ہیں جو شدت و بے چینی کے ساتھ اس چیز کے منتظر وطلب گار ہیں......لہٰذا میں ان میں سے کسی کو یہ چیز دے دوں گا تو وہ انتہائی خوش اور شادمان ہو جائے گا......!!

اس مثال سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بعینہٖ یہی صورتِ حال اس انسان کے ساتھ بھی پیش آسکتی ہے جو اپنے خالق ومالک کی شکرگذاری واحسان مندی کی بجائے ہمیشہ شکوہ وشکایت ہی کرتا رہتا ہو......ایسے انسان کو یہ سوچ کر اپنے اس رویے سے اوراس عادت سے باز آجانا چاہئے اور توبہ واستغفار کی فکر کرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو کچھ مجھے نصیب ومیسر ہے' میری ناشکری وناقدری کی وجہ سے اللہ وہ بھی مجھ سے واپس نہ لے لے......!!

(۵) اپنے سے کم حیثیت افراد پر نظر:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (أُنـظُـر اِلَـیٰ مَـن تَـحـتَكَ وَلَا تَنظُر اِلَیٰ مَن فَوقَكَ، فَـاِنَّـهٗ أَجـدَرُ أَن لَا تَـزدَرِي نِـعـمَةَ اللّٰهِ عِندَكَ) (۱) ترجمہ: (ہمیشہ اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے کم حیثیت ہو' جو کوئی تم سے بلند حیثیت ہو اس کی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ، اس طرح تم اپنے پاس موجود اللہ کی نعمتوں کی ناقدری سے بچ سکو گے)۔

لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں یہ اسلامی تعلیم ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ انسان کی نظر ہمیشہ ان لوگوں پر رہے جو مال ودولت' جاہ ومنصب یا اور کسی بھی اعتبار سے اس سے کم حیثیت رکھتے ہوں۔ تاکہ اس طرح اس میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ کیونکہ اس کے برعکس انسان کی نظر اگر اپنے سے بلند مرتبہ ومقام اور زیادہ حیثیت والے افراد پر رہے گی تو اسے کبھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوگی، بلکہ وہ تو الٹا احساسِ محرومی وکمتری کا

(۱) ابن حبان [۳۶۱] ج:۲ ص:۷۶۔

شکار ہوجائے گا، طرح طرح کے وسوسے اسے ستانے لگیں گے، ناشکری کے گناہ اور دنیا وآخرت میں اس کی نحوست ووبال کے علاوہ مزید یہ کہ وہ مخلف ذہنی ونفسیاتی ' نیز اخلاقی امراض میں مبتلا ہوجائے گا، حسد' جلن' چڑچڑاپن' دوسروں کولوٹ لینے اور چھین لینے جیسے جرائم کی طرف رغبت ومیلان اور انتہائی خطرناک قسم کے جذبات ورجحانات اس کے دل ودماغ پر اپنا تسلط جمانے لگیں گے، اور یوں وہ ہمیشہ زندگی بھر بس سلگتا اور جلتا ہی رہے گا......!!

لہٰذا خود سے بلند حیثیت افراد کو دیکھنے کی بجائے ہمیشہ کم حیثیت افراد پر نظر رہے' تاکہ اس طرح دل میں اللہ کی شکرگذاری واحسان مندی کا جذبہ بیدار ہو اور یوں انسان اپنے لئے ہلاکت وبدبختی کا سامان کرنے کی بجائے سعادت مندی اور اللہ کی طرف سے مزید خیر وبرکت اور اس کی رحمتوں اور نوازشوں کا حقدار بن سکے۔

(۶) ''معدوم'' کی بجائے ''موجود'' پر نظر:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَ أَمَّـا بِـنِـعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (۱) ترجمہ:(اور اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتا رہ)

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ''موجود'' کو دیکھے اور معدوم کی فکر چھوڑ دے، یعنی جو نعمتیں اسے نصیب ومیسر ہیں اس کی نظر بس انہی پر رہے' انہیں دیکھ کر وہ خوش ہوتا رہے، اٹھتے بیٹھتے انہی کا تذکرہ کرتا رہے، اور ان کے بارے میں سوچ سوچ کر اور انہی کا تصور کرکے اللہ کا شکرادا کرتا رہے، اور یہ کہ ''معدوم'' کی حسرت اور اس کا غم چھوڑ دے، یعنی جو نعمت اسے میسر نہیں ہے اس کی حسرت کرنے اور اس کے غم میں

(۱) الضحیٰ[۱۱]

رونے دھونے سے باز رہے۔

اس کی مزید وضاحت اس مثال سے ہوجانی چاہئے کہ فرض کیجئے کہ ایک شخص کی جیب میں سوسو روپے کے دونوٹ ہوں، ان میں سے ایک نوٹ اگر کہیں گر جائے یا گم ہوجائے تو اس خسارے پر رنج وافسوس تو یقیناً طبعی وفطری امر ہے، مگر اس رنج وافسوس کو اپنے دل ودماغ پر مسلط نہ کرے، بس اِنّـا لِلّٰہِ وَ اِنّـا اِلَیـہِ رَاجِعُونَ پڑھے اور بے غم ہوجائے، اس خسارے کو بھول جائے، اور یہ سوچ کر خوش رہنے کی کوشش کرے کہ اللہ کا شکر ہے کہ صرف ایک ہی نوٹ گم ہوا ہے، دونوں گم نہیں ہوئے، اگر دونوں ہی گم ہوجاتے تو میں کیا کر لیتا......؟ لہٰذا یہ تو میری خوش قسمتی ہوگئی کہ صرف ایک ہی نوٹ گم ہوا ہے اور دوسرا ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے......!!

اسی طرح فرض کیجئے کہ خدانخواستہ کسی کی گاڑی کا کسی دوسری گاڑی کے ساتھ تصادم ہوجائے تو اسے یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ کا شکر ہے کہ گاڑی کے ساتھ ہی تصادم ہوا ہے، اگر خدانخواستہ کسی ٹرک یا بس یا ریل گاڑی کے ساتھ تصادم ہوجاتا تو کیا بنتا......؟

واقعہ مشہور ہے کہ کسی شخص کا دورانِ سفر کسی مقام پر جوتا گم ہوگیا، جس پر اسے بہت ہی رنج ہوا، نئی جگہ' نیا شہر' اور پھر یہ پردیسی اور مسافر انسان' کچھ اندازہ بھی نہیں کہ اب نیا جوتا کہاں سے مل سکے گا......؟ ایسے میں یہ شخص اداس اور پریشان اور ننگے پاؤں شرمندہ شرمندہ لوگوں کے ہجوم میں جب بازار میں جوتوں کی کسی دکان کی تلاش میں گھوم رہا تھا اور اپنی قسمت کو کوس رہا تھا...... تو ایسے میں اچانک اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کے پاؤں ہی نہیں تھے اور وہ بے چارہ اس قدر رش اور پر ہجوم بازار میں گھسٹتا پھر رہا تھا...... یہ منظر دیکھ کر یہ شخص لرز گیا اور اسے عبرت حاصل ہوئی اور محض تھوڑی دیر قبل تک خود کو بدنصیب سمجھنے

والا یہ انسان اب خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہوئے اس بات پر اللہ کا شکرادا کرنے لگا کہ جوتا گم ہوگیا تو کیا ہوا؟ الحمد للہ پاؤں تو سلامت ہیں، جوتے کا کیا ہے؟ ابھی یہاں کسی دکان سے نیا مل جائے گا، لیکن اگر خدانخواستہ میرے پاؤں ہی نہ ہوتے تو میں کیا کرتا......؟

غرضیکہ اسی طرح ہر معاملے میں انسان کو یہی اندازِ فکر اختیار کرنا چاہئے کہ میں جس نقصان سے دوچار ہوگیا ہوں اس سے بڑا نقصان بھی تو ہوسکتا تھا......اس سے بڑی کوئی مصیبت بھی تو آسکتی تھی......مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بڑی مصیبت سے محفوظ وماً مون رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن أَصبَحَ مِنكُم آمِناً فِي سِربِهٖ ، مُعَافیً فِي جَسَدِهٖ ، عِندَهٗ قُوتُ يَومِهٖ ، فَكَأَنَّمَا حِيزَت لَهُ الدُّنيَا بِحَذَافِيرِهَا) (۱)

ترجمہ: (جس شخص کی صبح اس حال میں ہوئی کہ اسے اپنے ٹھکانے میں امن وامان میسر ہو' اس کا جسم صحیح سلامت ہو' اس کے پاس اُس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو، گویا دنیا کی تمام ترنعمتیں اس کے سامنے حاضر کردی گئیں)۔

یعنی جب انسان کو کسی قسم کا کوئی جانی یا مالی خطرہ لاحق نہ ہو، صحت وتندرستی بھی نصیب ہو، کھانے کا انتظام بھی موجود ہو......تو پھر اسے اور کیا چاہئے......؟

مقصد یہ کہ انسان اپنے اندر قناعت کا جذبہ پیدا کرے، جھوٹی تمناؤں اور خوابوں کی دنیا سے باہر آئے، سراب کے پیچھے دوڑتے رہنے سے باز آجائے، جو چیز اس کے پاس نہیں ہے اس کا غم چھوڑ دے، اور جو کچھ اسے نصیب ہے اس کی نظر اسی پر رہے، اس پر وہ راضی اور خوش رہے اور اپنے خالق ومالک کا شکر گذار بنا رہے......اسی میں اس کیلئے ذہنی سکون' دلی

(۱) ابن ماجہ [۴۱۴۱] یہی حدیث ترمذی [۲۳۴۶] میں بھی مروی ہے، البتہ اس میں آخر میں ''بحذافیرہا'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

اطمینان' روحانی مسرت وشادمانی اوردونوں جہانوں میں سعادت مندی وکامیابی کا راز پوشیدہ ہے......!!!

(۷) کبر وغرور سے پرہیز:

جس طرح فقروفاقے' مرض' یااورکسی تنگی وپریشانی میں گرفتارانسان کے بارے میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں اس کے پائے استقامت میں لغزش نہ آجائے اوروہ صبروشکر کا دامن نہ چھوڑ بیٹھے...... بعینہٖ اسی طرح اس صورتِ حال کے برعکس خوشحالی وآسودگی اور مال ودولت کی کثرت وفراوانی یااورکسی نعمت سے مالا مال انسان کے بارے میں بھی بسااوقات یہی اندیشہ لاحق ہوجاتا ہےاوریہی صورتِ حال پیش آجاتی ہے......اورایسا شخص ان نعمتوں پراپنے خالق ومالک اورمنعم ومحسن کی شکر گذاری واحسان مندی اوراس کے سامنے عجز ونیاز اوراطاعت وانقیادکی بجائے فخروغرورمیں مبتلا ہوجاتا ہے،اوران نعمتوں کواپناذاتی کمال سمجھتے ہوئے منعمِ حقیقی سے دوری وروگردانی اختیارکرنے لگتا ہے......!

حالانکہ انسانیت' شرافت اورمروت کا تقاضا تویقیناًیہ ہے کہ بندے کیلئے اس کے خالق ومالک کی طرف سے جس قدرنعمتوں اوراحسانات میں اضافہ ہو'اسی قدر بندے کی طرف سے بھی اپنے خالق ومالک اورمنعم ومحسن کی شکر گذاری واحسان مندی'اس کی اطاعت وفرمانبرداری'اوراس کے سامنے عجز وانکسارکے جذبات میں بھی ترقی واضافہ ہوتا چلا جائے،اس مہربان آقاکے سامنے اس کی جبینِ نیاز جھکتی چلی جائے،اوراس کی ناشکری ونافرمانی کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہو،نیز یہ خوف دامن گیررہے کہ کہیں ایسانہوکہ اس کی کسی حرکت یالغزش سے ناراض ہوکروہ منعم ومحسن اپنی عطاء کردہ نعمتیں واپس لے لے......!!

☆...... لہٰذا انسان کو اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں پر تکبر وغرور کی بجائے یہ سوچ کر شکر گذاری واحسان مندی اور عجز وانکسار کا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ ''اللہ جس طرح نعمتیں دینے پر قادر ہے' اسی طرح وہ اپنی دی ہوئی نعمتیں واپس لینے پر بھی خوب قادر ہے۔

''شرم وحیاء''

''شرم وحیاء'' مرد کی زینت اور عورت کا زیور ہے،اسلامی تعلیمات وآداب کی رو سے ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ حیادار اور باوقار ہو، بے حیائی،فحش گوئی،اور ہر لغوبات اور بیہودہ گفتگو سے پرہیز کرے،قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ:﴿هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(جولغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں) یعنی اہلِ ایمان کی شان اوران کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر لغووبیہودہ بات یا بیہودہ کام سے پرہیز کرتے ہیں۔

شرم وحیاء ایسی اہم ترین صفت ہے کہ جس پر انسانیت،شرافت،عزت،عفت،راست بازی پاکبازی و پاکدامنی کی بنیاد ہے،حقیقت یہ ہے کہ حیاء اخلاق کی روح اور ہر خیر وخوبی کا منبع وسرچشمہ ہے،جبکہ بے حیائی ہر برائی کی جڑ ہے۔

حیاء کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ(حیاء) توخوداللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں سے ہے،جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ حَیِيٌّ کَرِیمٌ یَستَحِي اِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ اِلَیہِ یَدَیہِ أَن یَرُدَّھُمَا صِفراً خَائِبَینِ) (۲) ترجمہ:(اللہ تو انتہائی باحیاء اور بہت ہی مہربان ہے،جب کوئی بندہ دعاء کیلئے اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اسے خالی ہاتھ اور نامراد لوٹاتے ہوئے اللہ کو حیاء محسوس ہوتی ہے)۔

نیز حیاء انبیائے کرام علیہم السلام کا خاص وصف ہے،جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں

(۱)المؤمنون[۳]

(۲) ترمذی[۳۵۵۶]الدعوات۔ ابوداؤد[۱۴۸۸]ابن حبان[۸۷۶]عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ۔

حدیث میں ہے کہ: (كَانَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ العَذرَاءِ فِي خِدرِهَا) (۱)یعنی:''آپؐ کسی پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے''۔

بلکہ حیاء تو ایمان کا لازمی جزء ہے اور مؤمن کی خاص پہچان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٌ وَ خُلُقُ الإِسْلَامِ الحَيَاء) (۲) ترجمہ:(ہر دین کا ایک خاص اخلاق ہوا کرتا ہے،اور دینِ اسلام کا خاص اخلاق ''حیاء'' ہے) یعنی دنیا میں جتنے مختلف مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماننے والوں اور پیروکاروں کا کوئی خاص مزاج ہوا کرتا ہے اور ان میں ایسی کوئی خاص صفت یا عادت نمایاں ہوتی ہے جو انہیں دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے اور جسے ان کی شناخت سمجھا جاتا ہے،اسی طرح دینِ اسلام کا بھی ایک خاص امتیازی وصف اور ایک خاص پہچان ہے،اور وہ ہے:''شرم وحیاء''۔

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(اَلحَيَاءُ شُعبَةٌ مِنَ الإِيمَان) (۳) ترجمہ:(حیاء تو ایمان کا حصہ ہے)

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(الحَيَاءُ وَالإِيمَانُ قُرَنَاءُ جَمِيعاً ، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الآخَرُ) (۴) ترجمہ:(حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں،دونوں میں سے کوئی ایک اگر ختم ہو جائے تو دوسری چیز بھی ضرور ختم ہو جائے گی)

یعنی ایمان اور حیاء دونوں لازم وملزوم ہیں،ایمان ہوگا تو حیاء بھی ہوگی ،اور جس کسی میں حیاء نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس میں ایمان بھی نہیں ہے۔

(۱)بخاری[۳۳۶۹] کتاب الأدب،باب من لم یواجہ الناس بالعتاب۔ (۲)ابن ماجہ[۴۱۸۱]

(۳)بخاری[۹] کتاب الایمان،باب أمور الایمان وقول اللہ تعالیٰ: لیس البر أن تولوا وجوھکم......

(۴)الترغیب والترہیب[۳۹۹۷]بعض روایات میں قُرِنَا جَمِیعاً کے الفاظ ہیں۔الأدب المفرد[۱۳۱۳]

''حیاء'' جنت میں داخلے کا سبب ہے، جبکہ بے حیائی انسان کو جہنم تک پہنچاتی ہے۔
ارشادِ نبویؐ ہے: (اَلحَیَاءُ مِنَ الاِیمَانِ وَالاِیمَانُ فِي الجَنَّةِ ، وَالبَذَاءَةُ مِنَ الجَفَاءِ وَالجَفَاءُ فِي النّارِ) (۱) ترجمہ: (حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت تک پہنچاتا ہے، جبکہ بے حیائی سنگدلی کا حصہ ہے اور سنگدلی جہنم تک پہنچاتی ہے)
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلحَیَاءُ لَایَأتِي اِلَّا بِخَیرٍ) (۲) ترجمہ: (حیاء سے صرف بھلائی ہی پہنچتی ہے)
لہٰذا ایسا وصف جس میں انسان کیلئے' بلکہ تمام انسانی معاشرے کیلئے بھلائی ہی بھلائی ہو' اور جو ایمان کا لازمی جزو ہو' مسلمان کو اس کی زیادہ سے زیادہ پاسداری اور حفاظت کرنی چاہئے۔
''حیاء'' ایک ملکوتی صفت ہے، حیادار شخص انسانی روپ میں فرشتہ ہے، جبکہ بے حیاء شخص انسانی شکل میں بھیڑیا ہے' بلکہ وحشی درندہ ہے، ایسا شخص کسی بھی برائی یا بڑے سے بڑے جرم کا بڑی بے خوفی سے ارتکاب کرسکتا ہے، یہی مفہوم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے: (اِذا لَم تَستَحِ فَاصنَع مَا شِئتَ) (۳) ترجمہ: (جب تمہیں حیاء نہ آئے' تو جو چاہو کرو) یعنی جب انسان کی شرم وحیاء ہی رخصت ہوجائے تو اب جو اس کے جی میں آئے گا وہ کرتا پھرے گا۔ مثال مشہور ہے: ''بے حیاباش' وہر چہ خواہی کُن''۔
نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (مَا کَانَ الحَیَاءُ فِي شَيءٍ الَّا زانَهٗ ، وَ مَا کَانَ الفُحشُ فِي شَيءٍ اِلَّا شَانَهٗ) (۴) ترجمہ: (حیاء جس چیز میں بھی ہوگی اس میں رونق' خوبصورتی

(۱) ابن حبان [۵۷۰۴] ابن ماجہ [۴۱۸۴] (۲) بخاری [۵۷۶۶] کتاب الأدب، باب الحیاء۔ مسلم [۳۷]
(۳) بخاری [۵۷۶۹] کتاب الأدب (۴) ترمذی [۱۹۷۴] ابن ماجہ [۴۱۸۵]

اور خیر وخوبی نمایاں ہوجائے گی، اور بے حیائی جس چیز میں بھی ہوگی اسے بدنما اور عیب دار بنادے گی)۔

''شرم وحیاء'' کی اہمیت اور اس کے برعکس بے حیائی کی قباحت وشناعت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں ''نماز'' جیسی اہم ترین عبادت کی حکمتوں اور بندے کیلئے اس کے عظیم فوائد وثمرات میں سے ایک فائدہ یہ بیان کیا گیا کہ : ﴿اِنَّ الصَّلَاةَ تَنهَىٰ عَنِ الفَحشَاءِ وَ المُنکَرِ﴾ (۱) ترجمہ: (نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برائی سے)

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نہایت تاکید کے ساتھ ہر قسم کی فحاشی و بے حیائی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَأمُرُ بِالعَدلِ وَ الاِحسَانِ وَاِیتَاءِ ذِي القُربَىٰ وَ یَنهَىٰ عَنِ الفَحشَاءِ وَالمُنکَرِ وَ البَغيِ یَعِظُکُم لَعَلَّکُم تَذَکَّرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (بیشک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا' اور قرابت داروں کو دینے کا، اور روکتا ہے بے حیائی کے کاموں سے' برائی سے اور ظلم وزیادتی سے، وہ تمہیں نصیحت فرمارہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو)

بلکہ فحاشی و بے حیائی اور بے شرمی کی بے پناہ مضرتوں اور انسانی معاشرے کیلئے اس کی لامحدود تباہ کاریوں کے پیشِ نظر قرآن کریم میں بے حیائی کے قریب پھٹکنے سے بھی باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلَاتَقرَبُوا الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ' خواہ وہ علانیہ ہوں'

(۱) العنکبوت [۴۵] (۲) النحل [۹۰] (۳) الانعام [۱۵۱]

خواہ پوشیدہ)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَ مَا بَطَنَ وَالاِثْمَ وَ البَغْيَ بِغَيْرِ الحَقِّ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ فرمادیجئے کہ یقیناً میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جوعلانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں' اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو)

اس آیت میں بطورِ خاص ''رب'' کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یقیناً وہ اللہ ہی اس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے جس میں انسان بھی شامل ہے، اور خالق کا علم یقیناً مخلوق کے علم سے بڑھ کر ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا علم کامل ہے، بندے کا علم ناقص ہے، انسان کیلئے کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز مضر؟ کس کام میں اس کیلئے بہتری ہے اور کس کام میں نقصان اور خرابی؟ اس بارے میں خود انسان سے بھی زیادہ علم اللہ کو ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الخَبِيْرُ﴾ (۲) ترجمہ:(کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ جبکہ وہ باریک بین اور باخبر بھی ہے)

یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس اللہ نے خود انسان کو پیدا کیا وہ اس کے دل کی کیفیات' یا اس کے پوشیدہ رازوں کو' یا اسی طرح اس کیلئے خیر اور شر' منفعت اور مضرت کو نہ پہچان سکے؟۔

لہٰذا جب خود انسان کے ''رب'' نے اسے فحاشی و بے حیائی سے سے باز رہنے کا حکم دیا ہے تو یقیناً اس میں انسان کیلئے ہی کوئی بڑی حکمت اور منفعت و مصلحت پوشیدہ ہے اور اس حکم کی تعمیل میں ہی اس کیلئے دونوں جہانوں میں عافیت وسلامتی کا سامان ہے۔

(۱) الأنفال[۳۳] (۲) الملک[۱۴]

''اعتدال''

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ افراط وتفریط' انتہاء پسندی' غلو' شدت اور بے اعتدالی ایسی صفات یا خصوصیات ہیں جنہیں کبھی مفید یا پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا، شدت پسندی کے نتائج وثمرات کبھی اچھے نہیں نکلے۔

جبکہ اس کے برعکس ہر معاملے میں اعتدال ومیانہ روی کو اختیار کرتے ہوئے بے جا سختی سے اجتناب کو ہمیشہ قابلِ تعریف قرار دیا گیا ہے اوراس کے نتائج ہمیشہ ہی خوش کُن اور مفید ومُثمر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ الرِّفْقَ لَایَکُونُ فِي شَيءٍ اِلَّازَانَهٗ ، وَلَایُنزَعُ مِن شَيءٍ اِلّا شَانَهٗ) (۱) ترجمہ: (جس کام میں نرمی برتی جائیگی اس میں خیر وخوبی اورخوبصورتی پیدا ہوجائیگی، جبکہ جس کام میں سختی برتی جائیگی وہ بدنما اور عیب دار ہوجائیگا)

نیز ارشاد ہے: (اِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفقَ ، وَيُعطِي عَلَىٰ الرِّفقِ مَالَا يُعطِي عَلَىٰ العُنفِ) (۲) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور نرمی کو ہی پسند فرماتے ہیں، اور نرمی برتنے پر ایسی چیزیں عطاء فرماتے ہیں جو سختی برتنے پر عطاء نہیں کی جاتیں)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جب حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے اوراسے پیغامِ حق پہنچانے کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر ان دونوں حضرات کو اللہ کی طرف سے یہ تاکید وتلقین کی گئی کہ اس ظالم وجابر' مغرور ومتکبر' انتہائی سرکش ومتمرد' بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بالمقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرنے والے اس بیہودہ وگمراہ ترین انسان

(۱) مسلم [۲۵۹۴] (۲) مسلم [۲۵۹۳] کتاب البر والصلۃ والآداب۔

کے سامنے بھی نرمی سے گفتگو کریں، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِذهَبَا اِلَىٰ فِرعَونَ اِنَّهُ طَغَىٰ فَقُولَا لَهُ قَولًا لَّيِّناً لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَو يَخشَىٰ﴾ (۱)

ترجمہ: (تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' اس نے تو بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے)

خلاصہ یہ کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں یا کسی بھی معاملے میں جب نرمی وخوش اخلاقی اور وسعتِ ظرفی کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو وہ معاملہ خیریت وعافیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ طے پا جائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس بے جا سختی و درشتی کی صورت میں وہاں مزید فساد اور بگاڑ ظاہر ہوگا' مزید الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مطلقاً نرمی بھی مقصود ومطلوب نہیں ہے، کیونکہ ضرورت سے زیادہ نرمی بھی بسا اوقات نقصان کا باعث بنتی ہے اور اس سے بہت سے مفاسد ظاہر ہونے لگتے ہیں، لہٰذا اصل مقصود ''اعتدال'' ہے۔

بلکہ اس بارے میں اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آئیگی کہ لفظ ''اعتدال'' درحقیقت مأخوذ ہی ''عدل'' سے ہے' جس کے معنیٰ ''برابری'' کے ہیں۔ لہٰذا اعتدال کے معنیٰ ہی یہی ہوئے کہ ہر معاملے میں افراط وتفریط' کمی اور بیشی' نرمی اور سختی' تیزی اور سستی...... وغیرہ کا درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے۔ جیسے کہ مثال مشہور ہے: (خَيرُ الأُمُورِ أوسَطُهَا) یعنی ہر معاملے میں میانہ روی ہی بہترین راستہ ہے۔ (۲)

(۱) طٰہٰ [۴۳-۴۴]

(۲) یہاں یہ اشارہ ضروری ہے کہ مذکورہ عبارت یعنی: (خَيرُ الأُمُورِ أوسَطُهَا) کے بارے میں اگرچہ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث ہے۔ لیکن مجھے تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی مستند حوالہ نہیں مل سکا۔ لہٰذا میں نے اسے ''حدیث'' کے طور پر یہاں درج نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

محاسنِ اسلام یا دینِ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک اہم ترین خوبی یہی ہے کہ اسلام ''دینِ اعتدال'' ہے، قرآن کریم میں امت مسلمہ کو ''اُمۃً وسطاً'' یعنی درمیانی امت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُم أُمَّةً وَّسَطاً﴾ (۱) ترجمہ: (اسی طرح ہم نے بنایا ہے تمہیں درمیانی امت)

اسی لئے دینِ اسلام میں زندگی کے ہر شعبے میں ''اعتدال'' یعنی میانہ روی کی تاکید وتلقین کی گئی ہے، خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو، یا اعمال سے، یا معاملات سے۔

اس بارے میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) عقائد میں اعتدال:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مسلمان ہر روز پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ تلاوت کرتا ہے، اس سورت میں اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس دعاء کی تعلیم دی گئی ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّالِّيْنَ﴾ (۲) ترجمہ: (دکھا ہمیں سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ ہی گمراہوں کا)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو یہ حکم ہے کہ وہ اللہ سے اپنے لئے ''صراطِ مستقیم'' کی طرف ہدایت وتوفیق طلب کریں، نیز جن لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو

(۱) البقرۃ[۱۴۳] یہاں یہ تذکرہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کے متعدد اردو تراجم میں اس آیت میں امۃ وسطاً کا ترجمہ ''افضل امت'' کیا گیا ہے، جو کہ یقیناً درست ہے، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس ''افضلیت'' کی وجہ ''وسطیت'' ہی ہے، لہٰذا لفظی ترجمہ یعنی ''درمیانی امت'' بھی یقیناً درست ہے اور اس میں کوئی قباحت یا حرج نہیں۔ (۲) الفاتحہ[۶-۷]

''صراطِ مستقیم'' سے بھٹک گئے' ان کے نقشِ قدم پر چلنے سے حفاظت کی دعاء مانگیں۔
اس آیت میں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ یعنی ''جن پر غضب نازل کیا گیا'' سے مراد یہود ہیں، جن کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر غضب اور لعنت کا تذکرہ ہے۔ جبکہ الضَّالِّينَ یعنی: ''گمراہوں'' سے مراد نصاریٰ ہیں۔
غور طلب بات یہ ہے کہ یہود نے ہمیشہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی نافرمانیاں اوران کی شان میں گستاخیاں کیں' ان کی تعلیمات سے روگردانی کے مرتکب ہوئے' انہیں ہمیشہ ستایا اور تکلیفیں پہنچائیں' لہٰذا اپنے ان مکروہ جرائم اوراعمالِ بد کی پاداش میں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے غضب اور لعنت کے حقدار قرار پائے' جس میں یقیناً کسی حیرت واستعجاب کی کوئی بات نہیں۔
البتہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ''نصاریٰ'' کو کیوں ''گمراہ'' قرار دیا گیا اوران کے دین یا ان کے افکار سے دوری وبیزاری اور کنارہ کشی اختیار کرنے کی کیوں تاکید وتلقین کی گئی ......؟ حالانکہ انہوں نے تو اپنے نبی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو کبھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی، نہ ہی ان کی شان میں کبھی کوئی گستاخی کی، بلکہ اس کے بالکل برعکس انہوں نے تو اپنے نبی کی انتہائی عزت کی اوران کے ساتھ ہمیشہ ہی تعظیم وتکریم کا رویہ وسلوک روا رکھا......اس کے باوجود انہیں کیوں گمراہ قرار دیا گیا؟ نبی کی توہین وتحقیر اور نافرمانی وروگردانی تو یقیناً بہت بڑی برائی ہے، لیکن نبی کے احترام اور عزت وتکریم میں تو کوئی قباحت نہیں، بلکہ یہ چیز تو مطلوب ومقصود' بلکہ دین کا حصہ اور جزوِ ایمان ہے۔ تو پھر نصاریٰ کو کیوں گمراہ قرار دیا گیا اوران کی تقلید' یا ان کے عقائد اور افکار وخیالات کو اپنانے سے منع کیا گیا......؟ اس سوال کا جواب یقیناً یہی ہے کہ نصاریٰ اپنے نبی کی اس تمام تر تعظیم وتکریم کے باوجود ''گمراہ'' ہی

ہیں، کیونکہ وہ اس تعظیم وتکریم میں حداعتدال سے تجاوز کر گئے اور انہوں نے نبی کو اس مقام ورتبے سے آگے بڑھا دیا کہ جو اُن کیلئے اللہ کی طرف سے مقرر و متعین کیا گیا تھا۔

لہٰذا عقیدے کی اس ''بے اعتدالی'' کی وجہ سے وہ گمراہ قرار پائے، اوران کی اسی بے اعتدالی کی وجہ سے ہی قرآن کریم میں انہیں اس طرح تنبیہ کی گئی:

﴿يَـا أَهْـلَ الـكِتَـابِ لَا تَغْلُواْ فِي دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُواْ عَلَىٰ اللّٰهِ اِلَّا الحَقَّ اِنَّمَا الـمَسِيْـحُ عِيْسَـىٰ بْـنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ......﴾ (۱) ترجمہ: (اے اہلِ کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ، اور اللہ پر بجز حق بات کے اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ [کُن سے پیدا شدہ] ہیں)۔

(۲) عبادت میں اعتدال:

یہ بات قابلِ غور وفکر ہے کہ برے اعمال تو ایک طرف رہے، اچھے اعمال اور خالص عبادات میں بھی حد سے تجاوز کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يُـرِيْـدُ اللّٰهُ بِكُمُ اليُسْرَ وَلَايُرِيدُ بِكُمُ العُسْرَ﴾ (۲) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لئے آسانی، اور وہ تمہارے لئے سختی نہیں چاہتا)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَمَـا جَـعَـلَ عَـلَيْـكُـمْ فِـيْ الـدِّيْـنِ مِـنْ حَـرَجٍ﴾ (۳) ترجمہ: (اُس [اللہ] نے دین کے بارے میں تم پر کوئی سختی نہیں ڈالی)

نیز ارشاد ہے: ﴿فَـاتَّـقُـواْ الـلّٰـهَ مَـا اسْتَطَعْتُم﴾ (۴) ترجمہ: (تم اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے)

(۱) النساء [۱۷۱] (۲) البقرۃ [۱۸۵] (۳) الحج [۷۸]
(۴) التغابن [۱٦]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا) (۱) ترجمہ: (تم سہولت ونرمی پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو) یعنی دین میں بے جا تنگی وسختی سے گریز کرو۔

نیز ارشاد ہے: (إِنَّمَا بُعِثْتُم مُيَسِّرِينَ وَ لَم تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ) (۲) ترجمہ: (تمہیں سہولت ونرمی پیدا کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے، نہ کہ مشکلات پیدا کرنے کیلئے)

اسی طرح ارشاد ہے: (إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ) (۳) ترجمہ: (دین تو یقیناً آسان ہی ہے) یعنی دینِ اسلام کے پیروکاروں کیلئے یہ بات درست نہیں کہ دین کے معاملہ میں لوگوں کیلئے بلاضرورت تنگی وسختی اور مشکلات پیدا کی جائیں اور انہیں حرج و مشقت میں مبتلا کردیا جائے۔

اسی طرح ارشاد ہے: (هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ) (۴) ترجمہ: (غلو کرنے والے تو ہلاکت میں پڑ گئے) یعنی دین کے معاملہ میں حدِ اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے غلو کا راستہ اختیار کرنا گویا ''ہلاکت وبربادی'' ہے۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی درجِ ذیل حدیث ملاحظہ ہو:

جاء ثلاثة رهط الىٰ بيوت أزواج النّبيّ ﷺ يسألون عن عبادة النّبيّ ﷺ، فلمّا أُخبروا كأنّهم تقالّوها قالوا: فأنّىٰ نحن من رسول اللّه ﷺ و قد غُفر لهٗ ما تقدّم من ذنبهٖ وما تأخّر؟ قال أحدهم: أما أنا فأصلّي اللّيل أبداً، وقال الآخر: وأنا أصوم الدّهر ولا أُفطر، وقال الآخر: و

(۱) بخاری[۶۹] کتاب العلم۔ مسلم[۱۷۳۴] احمد[۱۲۳۵۵]

(۲) بخاری[۲۲۰] کتاب الوضوء۔ ترمذی[۱۴۷] نسائی[۵۶][۳۳۰]

(۳) بخاری[۳۹] کتاب الایمان۔ نسائی[۵۰۳۴]

(۴) مسلم[۲۶۷۰] احمد[۳۶۵۵] ابوداؤد[۴۶۰۸]

أنا أعتزل النّساء ولا أتزوّج أبداً ، فجاء رسول اللّٰه ﷺ فقال: أَنتُمُ الَّذِينَ قُلتُم كَذا و كَذا؟ أَمَا وَاللّٰهِ اِنِّي لَأَخشَاكُم لِلّٰهِ وَأَتقَاكُم لَهُ ، وَلٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفطِرُ ، وَ أُصَلِّي وَأَرقُدُ ، وَأَتَزَوّجُ النِّسَاءَ ، فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي) (۱) ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اورانہوں نے آپ ﷺ کی عبادت گذاری کے بارے میں دریافت کیا۔جب انہیں اس بارے میں بتایا گیا توانہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو بہت ہی کم اورمعمولی خیال کیا (۲) مگرپھر خود ہی آپس میں یوں کہنے لگے کہ: رسول اللہ ﷺ کی تو تمام گذشتہ وآئندہ لغزشیں اللہ نے معاف فرمادی ہیں، لہٰذا آپ ؐ کہاں اور ہم کہاں؟ (۳) پھران میں سے ایک نے کہا: ''میں توبس پوری رات نماز میں ہی گذارا کروں گا''۔ دوسرا شخص بولا کہ: ''میں تو زندگی بھر روزانہ ہی روزہ رکھوں گا اورکبھی بے روزہ نہیں ہوں گا'' تیسرا شخص یوں کہنے لگا: ''میں زندگی بھرعورتوں سے دور ہی رہوں گا اورکبھی شادی نہیں کروں گا''۔رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اوردریافت فرمایا:تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ حالانکہ میں تو تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں' مگراس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اورکبھی بے روزہ بھی ہوتا ہوں،رات کا کچھ حصہ نماز میں گذارتا ہوں اور کچھ حصہ سوکر بسر کرتا ہوں ،اورمیں نے تو شادیاں بھی کی ہیں [یہی میری سنت ہے] جس نے میری سنت سے بیزاری دکھائی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔

☆...... البتہ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جس طرح عبادت

(۱) بخاری[۴۷۷۶] کتاب النکاح۔

(۲) یعنی ان کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ توبہت زیادہ عبادت کرتے ہوں گے......!!

(۳) یعنی رسول ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں' جبکہ ہم تو گناہگار ہیں،اس لئے ہمیں خوب زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔

ودیگرشرعی احکام ومسائل اوردینی فرائض وواجبات کے معاملے میں’’غلو‘‘اوربے جاسختی ناپسندیدہ ہے‘ بعینہٖ اسی طرح اس بارے میں تساہل وغفلت اورتقصیروکوتاہی بھی یقیناً اورقطعاً ناقابلِ قبول ہے،ایساہرگزنہوکہ انسان محض بیٹھے بٹھائے ہی آخرت میں راحت وکامیابی‘ جہنم سے نجات اورجنت کی لازوال وبے مثال اوردائمی وابدی نعمتوں کی تمناکرتارہے...... جیساکہ کسی شاعرکاقول ہے:

تَرجُو النّجَاۃَ ولَم تَسلُك مَسالِکَها اِنّ السّفِینۃَ لا تَجرِي عَلیٰ الیَبَسِ

یعنی:’’تم آخرت میں نجات کی امیدتولگائے بیٹھے ہو......مگرنجات کے راستے پرتوتم چلتے ہی نہیں......؟کیاکبھی کوئی کشتی خشکی پربھی تیرسکتی ہے......؟‘‘
مقصدیہ کہ اگردریاکےاُس پارجانے کی خواہش وتمناہےتوپہلے کشتی کوخشکی سے اٹھاکرپانی میں ڈالاجائے اوراس کے بعدیہ امیدکی جائے کہ یہ کشتی اب ہمیں اُس پارپہنچادے گی۔ لہٰذاآخرت میں نجات اوروہاں کی راحت وکامیابی کی اگرحقیقی طلب ہوتواس مقصدکیلئےعملی کوشش اورحقیقی جدوجہدضروری ہے۔البتہ اسلام کی تعلیمِ اعتدال کے تقاضے بھی ملحوظ رہیں۔

(۳)معاشرت میں اعتدال:

عزیزواحباب ودیگرمتعلقین کے ساتھ میل جول اورملاقات وغیرہ کے معاملے میں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ نہ توایسی غفلت وکوتاہی کامظاہرہ کیاجائے کہ غلط فہمیاں اوردلوں میں فاصلے پیداہونےلگیں،اورنہ ہی باہمی تعلق اورآمدورفت اس قدربڑھ جائے کہ انسان بالکل ہی بےوقعت ہوکررہ جائے......!!

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:(زُر غِبّـــاً تَـــزدَد حُبّـــاً) (۱) ترجمہ:(میل جول ذرہ کم رکھا کرو،اس سے محبت میں اضافہ ہوگا)

مثال مشہور ہے:''قدر کھودیتا ہے ہر روز کا آنا جانا''۔

نیز دوسروں کے ساتھ رویہ وسلوک میں بھی نہ تو بے رخی وبے التفاتی اور سردمہری کا مظاہرہ کیا جائے اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ گرم جوشی دکھائی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(أَحبِــب حَبِيبَكَ هَــونــاً مّــا ، عَسَىٰ أَن يَـكُـونَ بَـغِيـضَكَ يَـومـاً مّـا ، و أَبغِض بَغِيضَكَ هَوناً مّا ، عَسَىٰ أَن يَكُونَ حَبِيبَكَ يَـوماً مّا) (۲) ترجمہ:(تم اپنے دوست کے ساتھ دوستی حد کے اندر رکھو، کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمہارا یہی دوست کل تمہارا دشمن بن جائے ،اسی طرح دشمن کے ساتھ دشمنی بھی حد کے اندر رکھو، کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمہارا یہی دشمن کل تمہارا دوست بن جائے)

یعنی آج کا دوست کل دشمن بن سکتا ہے‘اس لئے دوستی میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔اسی طرح آج جس کے ساتھ دشمنی ہے‘ کل یہ دشمنی دوستی میں بدل سکتی ہے،اس لئے دشمنی میں بھی تم حد سے آگے نہ بڑھو اور دشمن کے خلاف کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھو کہ کل اگر اس سے دوستی ہوجائے تو پھر زندگی بھر حسرت وافسوس رہے اور اس کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی وندامت کا احساس ہو۔

نیز کہاوت مشہور ہے:''نہ اس قدر کڑوے بنو کہ دنیا تھوکنے پر مجبور ہوجائے ،اور نہ ہی اتنے

(۱) الترغیب والترہیب[۳۹۰۰] بحوالہ: الطبرانی والبزار،البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔واللہ أعلم۔

(۲) ترمذی[۱۹۹۷] باب ماجاء فی الاقتصاد فی الحب والبغض۔نیز امام بخاری نے الأدب المفرد[۱۳۲۱] باب: أحبب حبيبك هوناً ما کے تحت حضرت علیؓ سے مروی ''اثر'' کے طور پر یہ ذکر کیا ہے۔

میٹھے بنو کہ دنیا تمہیں ہڑپ کر جائے......!''

اس کے علاوہ یہ کہ ضرورت سے زیادہ گرم جوشی کے مظاہرے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ بعض اوقات دوسروں کو یہ مغالطہ ہونے لگتا ہے کہ شایداس کے پیچھے کوئی ذاتی مفاد یا مصلحت پوشیدہ ہے' جس کی وجہ سے اس قدر گرم جوشی وخوش اخلاقی دکھائی جارہی ہے...... لہٰذاایسی کسی بدگمانی سے بچنے کیلئے بھی اس معاملے میں ''حدِ اعتدال'' کوقائم وملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۴) کھانے پینے میں اعتدال:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿...... وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَ لَاتُسْرِفُوا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (......اورتم کھاؤاور پیواور حد سے مت نکلو، بےشک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (بِحَسَبِ ابنِ آدَمَ لُقَيمَاتٌ يُقِمنَ صُلبَهٗ ، فَاِن كَانَ لَا مَحَالَةَ ، فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ ، وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ ، وَ ثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ) (۲) ترجمہ: (ابنِ آدم کیلئے تو کھانے کے محض چند لقمے ہی کافی ہوجانے چاہئیں کہ جن سے وہ بس اپنی کمر سیدھی رکھ سکے۔اوراگرکبھی وہ اس سے زیادہ کھاناہی چاہےتو [معدے کا] ایک حصہ کھانے کیلئے اورایک حصہ پانی کیلئے اورایک حصہ سانس کیلئے مخصوص رکھے)

رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے اس زریں اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ

(۱)الاعراف[۳۱]

(۲)احمد[۱۷۲۲۵]ترمذی[۲۳۸۰]بعض روایات میں لُقَيمَاتٌ کی بجائے أكيلات اوربعض میں أكلات کے الفاظ ہیں۔

کھانے پینے میں بھی افراط وتفریط کی بجائے ''اعتدال'' ضروری ہے۔مؤمن کی سوچ یہ ہونی چاہئے کہ وہ کھانے پینے کیلئے زندہ نہیں ہے، بلکہ اس کا کھانا پینا محض زندہ رہنے کیلئے ہے۔یعنی کھانے کیلئے نہ جئے، بلکہ جینے کیلئے کھائے،کھانے کو بذاتِ خود مطلوب ومقصود نہ سمجھے، بلکہ اصل مقصود اپنے خالق ومالک کی عبادت' نماز ودیگر فرائضِ دینیہ کی ادائیگی' نیز روزمرہ کے دیگر ضروری کام کاج کی انجام دہی ہے۔لہٰذا اس اصل مقصود کی ادائیگی وانجام دہی کی خاطر بطورِ استعانت محض حسبِ ضرورت کھانے پینے کا اہتمام ہو۔

نیز ضرورت سے زیادہ کھانے پینے میں حیوانات کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔زیادہ کھانے کی وجہ سے انسان میں حسِ لطافت' انسانیت' اور اپنے خالق ومالک کیلئے اطاعت وانقیاد کے جذبات میں کمی واقع ہونے لگتی ہے،اس کے دل ودماغ پر ہیجانی کیفیت اور شہوانی خیالات کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔

اسی لئے ایسے فاسد خیالات اور خطرناک کیفیات سے حفاظت ونجات کی غرض سے ہی روزہ رکھنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:(یَـا مَـعْشَـرَ الشَّبَـابِ ! مَـنِ اسْتَـطَـاعَ مِنكُمُ البَاءَ ةَ فَـلیَتَـزَوّج ، وَ مَـن لَـم یَسْتَـطِـع فَـعَلَیـهِ بـالصَّوم ، فَـاِنَّـہٗ لَـہٗ وِجَـاءٌ) (۱)

ترجمہ:(اے نوجوانو!تم میں سے جوکوئی شادی کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی ضرور کرے، ورنہ روزہ رکھا کرے، کیونکہ یہ روزہ [شہوانی خیالات سے حفاظت کیلئے] ڈھال ہے)۔

نیز یہ کہ قدیم وجدید اطباء وحکماء بھی بسیار خوری کے نقصانات کے معترف ہیں اور ہمیشہ اس سے اجتناب کی تاکید وتلقین کرتے چلے آئے ہیں،مقولہ مشہور ہے:''کم خوردن' کم خفتن' کم

(۱) بخاری[۴۷۷۸] کتاب النکاح۔مسلم[۱۴۰۰] وغیرہ۔

گفتن عادت گیر'' یعنی: ''کم کھانے' کم سونے' اورکم بولنے کی عادت اپناؤ''۔لہٰذا کھانے پینے کے معاملے میں بھی ''اعتدال'' ضروری ہے۔

(۵) مالی اخراجات میں اعتدال:

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے:﴿وَ الَّـذِيْـنَ اِذا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْـرِفُـواْ وَ لَمْ يَقْتُرُواْ وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً﴾ (۱) ترجمہ:(اوروہ خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ ہی بخل' بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ بخل اوراسراف دونوں ہی ناپسندیدہ طریقے ہیں،لہٰذا مؤمن کیلئے ان دونوں سے ہی اجتناب ضروری ہے۔

بخیل انسان اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں' مال ودولت' ودیگر وسائل میسر ہونے کے باوجود حقیقی اورواقعی ضرورت کے موقع پر بھی روپیہ پیسہ خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے، مالی حیثیت واستطاعت کے باوجود اپنی اوراپنے اہل وعیال کی جائز ومباح ضروریات بلکہ نفقاتِ واجبہ کے سلسلے میں بھی مال خرچ کرتے ہوئے ڈرتا ہے اورتنگ دلی محسوس کرتا ہے، گویا وہ بزبانِ حال اس بات کا اعلان کرر ہا ہے کہ اسے اللہ پرتوکل واعتماد نہیں ہے،اور یہ کہ اللہ پراس کا ایمان ناقص ہے۔

جبکہ اس کے برعکس اسراف وفضول خرچی کا عادی انسان اپنے پاس موجوداللہ کے عطاءکردہ مال ودولت ودیگر نعمتوں کوانتہائی بیدردی وبے رحمی سے اڑاتا ہے، اوریوں خوداپنے ہی ہاتھوں اپنے اوپر' نیزاپنے بچوں پرظلمِ عظیم کرتا ہے......خوداپنے لئے' نیزاپنے بچوں کیلئے

(۱)الفرقان[٦٧]

مستقبل میں بربادی محتاجی اور مفلسی و بے چارگی کا انتظام کرتا ہے، کیونکہ سوچے سمجھے بغیر' بلاضرورت اور بے دریغ مال ودولت اڑانے والا انسان یقیناً ایک روز مفلس محتاج اور کنگال و برباد ہوکر ہی رہے گا۔اسی حقیقت کی طرف اس ارشادِ ربانی میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَلَاتَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلَىٰ عُنُقِكَ وَ لَاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً﴾ (۱) ترجمہ:(اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ ہی اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے)

یعنی اپنی حیثیت واستطاعت اور گنجائش دیکھے بغیر بے دریغ روپیہ پیسہ خرچ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان قابلِ مذمت وملامت قرار پائے گا اور حسرت وندامت کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ بچے گا......!!

اللہ کے عطاء کردہ مال ودولت ودیگر نعمتوں کو بے دریغ خرچ کرنے والے نادان انسان کو یہ حقیقت خوب ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

لہٰذا مال ودولت خرچ کرنے کے معاملے میں بھی کنجوسی وبخل نیز فضول خرچی واسراف دونوں سے گریز کرتے ہوئے ''اعتدال'' کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

(٦) دین ودنیا میں توازن واعتدال:

اسلام دینِ فطرت ہے، اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کی بناء پر ہی انسان کی بہت سی فطری حاجات وضروریات ہیں، لہٰذا اسلام نے انسان کو اس کی ان فطری ضروریات وحاجات کو ترک کردینے اور جبلی وطبعی تقاضوں کا گلا دبا دینے یا ان سے کنارہ کشی ودوری اختیار

(۱) الاسراء / بنی اسرائیل [۲۹]

کر لینے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

البتہ ان فطری وطبعی حاجات وضروریات کی تکمیل کیلئے دینِ اسلام نے مناسب حدود وقیود اور قواعد وضوابط مقرر کردیئے ہیں' جن کی پابندی میں ہی تمام دنیائے انسانیت کیلئے اول وآخر راحت وسکون اور صلاح وفلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

اسی طرح اسلام نے انسان کی ان فطری حاجتوں اور طبعی تقاضوں سے کنارہ کشی وفرار اور ترکِ دنیا کا راستہ اختیار کر لینے کے برعکس' دنیاوی ومادی لذتوں اور مال ودولت کی طلب میں ضرورت سے زیادہ انشغال وانہماک' ہوسِ زر' دنیا پرستی' پیسے کی غلامی' دنیا کی ان عارضی وفانی لذتوں اور مصلحتوں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑنے اور ان کی طلب وتلاش میں اپنے خالق ومالک کو فراموش کردینے' شرعی احکام ومسائل کو پسِ پشت ڈال دینے' دینی' اخلاقی' ومعاشرتی فرائض وواجبات اور ذمے داریوں سے منہ موڑ لینے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

قرآن وحدیث میں جابجا مال وزر کی غلامی اور دنیا کی عارضی وفانی نعمتوں ولذتوں میں انشغال وانہماک سے باز رہنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے، اور اس کے برعکس آخرت کی دائمی وابدی اور لازوال وبے مثال نعمتوں کے حصول کیلئے مخلصانہ کوشش اور حقیقی جدوجہد کی ترغیب دی گئی ہے۔

مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ (۱)

ترجمہ: (تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے باقی رہنے والا ہے)

(۱) النحل[۹۶]

نیزارشادہے:﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیَاةَ الدُّنیَا وَالآخِرَةُ خَیْرٌ وَّأبْقَیٰ﴾ (۱)
ترجمہ:(لیکن تم تو دنیا کی زندگی کوترجیح دیتے ہو،[حالانکہ] آخرت تو بہت بہتراور بہت بقاءوالی ہے)

☆......یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہود نے ہمیشہ اپنے خالق ومالک اورخدائے بزرگ وبرتر کی عبادت وبندگی کی بجائے مال ودولت کی غلامی وپرستش کاراستہ اختیارکیا، پیسے کواپنامطلوب ومقصود' بلکہ اپنامعبود بنایا،دنیاکےحقیرومعمولی اورعارضی وفانی مفادات کی خاطراللہ کےدین کواوراس کی آیتوں کوبیچ ڈالا،جیسا کہ قرآن کریم میں متعددمقامات پر ان کی اس دین فروشی اوراس قبیح ومذموم ترین حرکت کا تذکرہ کیا گیاہے اوراس پرانہیں تنبیہ وتوبیخ کی گئی ہے۔

مثلاًارشادِربانی ہے:﴿وَ لَا تَشْتَرُوا بِآیَاتِي ثَمَناً قَلَیْلاً وَّ اِیَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴾ (۲)
ترجمہ:(اورمیری آیتوں کومعمولی سی قیمت کےعوض بیچ نہ ڈالواورصرف مجھ سےہی ڈرتے رہو)۔

☆......جبکہ اس کے برعکس دوسری طرف نصاریٰ نے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے روگردانی کرتے ہوئے فطری وطبعی لوازم وضروریات سے منہ موڑا،سماجی ومعاشرتی ذمہ داریوں سےفراراختیارکرتے ہوئے گوشہ نشینی' ترکِ دنیااور''رہبانیت'' کاراستہ اختیارکیا، اوراسے دین کاحصہ اوراللہ کاقرب حاصل کرنے کاذریعہ ووسیلہ تصورکیا،جس پرقرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سےان کی مذمت کی گئی اوران کےاس اندازِفکراورطرزِعمل کوغلط قراردیا گیا۔

(۱)الاعلیٰ[۱۶-۱۷] (۲)البقرة[۴۱]

دین ودنیامیں توازن واعتدال کی اسلامی تعلیم اوراس بارے میں اسلامی نقطۂ نظراورانداز فکراس ارشادِربانی کی روشنی میں بخوبی واضح ہوجاتا ہے:﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّهُ الدَّارَ الآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنيَا﴾ (۱)

ترجمہ:(اورجوکچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے'اس میں سے آخرت کے گھر کی طلب بھی رکھ' اوراپنے دنیوی حصے کوبھی نہ بھول)(۲)

نیزاس اسلامی تعلیمِ اعتدال کی جھلک رسول اللہﷺ کے اس ارشادمیں بھی نمایاں ہے:

وَاللّهِ إنِّي لَأَخْشَاكُم لِلّهِ وَأَتقَاكُم لَهُ ، وَلٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفطِرُ ، وَ أُصَلِّي وَأَرقُدُ ، وَأَتَزَوّجُ النِّسَاءَ ، فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي) (۳)

ترجمہ:(اللہ کی قسم! میں توتم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتاہوں' مگراس کے باوجودمیں روزہ بھی رکھتاہوں اورکبھی بے روزہ بھی ہوتاہوں،رات کا کچھ حصہ نمازمیں گذارتاہوں اورکچھ حصہ سوکربسرکرتاہوں،اورمیں نے توشادیاں بھی کی ہیں[یہی میری سنت ہے]جس نے میری سنت سے بیزاری دکھائی اس کامجھ سے کوئی تعلق نہیں)

مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ''ترکِ دنیا''یااس کے برعکس''دنیاپرستی''کاراستہ اختیارکرنے کی بجائے اس معاملے میں توازن واعتدال کی راہ اپنائے'فکرِآخرت کے ساتھ ساتھ حلال وحرام کی حدودکوملحوظ رکھتے ہوئے اپنی دنیاوی ضروریات اورفطری تقاضوں کی تکمیل کی فکربھی کرے۔

---

(۱)القصص[۷۷]

(۲)اگرچہ یہ آیت قارون کے واقعے کے ضمن میں آئی ہے'لیکن یقیناًاس کامفہوم عام ہےاوریہ پیغام سب ہی انسانوں کیلئے ہے۔

(۳)بخاری[۴۷۷۶]کتاب النکاح۔

البتہ ان دنیاوی ضروریات کی فکراوران میں انشغال وانہماک ایسانہو کہ ان کی محبت انسان کے قلب وذہن میں راسخ وپیوستہ ہونے لگے، کیونکہ جس طرح کشتی کے تیرنے کیلئے اس کے نیچے پانی کی موجودگی تویقیناً ضروری ہے،لیکن اگریہی پانی کشتی کے اندر گھس آئے...... تب تباہی وبربادی یقینی ہوجائیگی......!!

بعینہٖ اسی طرح دنیاوی ضروریات اورفطری تقاضوں کی تکمیل اوراس مقصدکیلئے مباح ومشروع وسائل اختیارکرنااورمناسب کوشش وجدوجہدتویقیناً ضروری ہے،لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رہے کہ دنیاوی ضروریات اورمال واسباب وغیرہ کی محبت ہرگزہرگز دل کے اندرداخل نہو،اورکسی صورت اللہ کی محبت اورفکرِآخرت پرغالب نہ آنے پائے۔
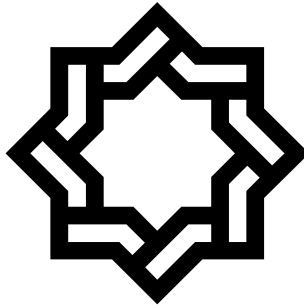
اسلامی معاشرہ

اور

حقوق العباد

اسلامی معاشرے میں والدین کا مقام ومرتبہ:

انسانی معاشرے میں جب بھی حقوق العباد کی بات ہوگی تو یقیناً سب سے پہلے والدین کا تذکرہ ہوگا، کیونکہ والدین ہی انسانی معاشرے کی اساس اوراس کی اصل ہیں ،اگر یہ اصل مضبوط وصحیح سلامت رہے تو معاشرے کا درخت سرسبز وبارآور رہے گا،اسی وجہ سے اسلام نے والدین کوانتہائی بلند مقام ورتبے سے نوازا ہے۔

انسان کیلئے اس کے والدین درحقیقت ''صفتِ ربوبیت'' کا مظہر ہوا کرتے ہیں۔یعنی ہر انسان کا خالقِ حقیقی تو یقیناً اللہ ہی ہے(اسی لئے ہرقسم کی عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے)لیکن انسان کی پیدائش کیلئے اللہ نے ظاہری سبب اس کے والدین کو بنایا ہے۔

اسی طرح کسی بھی انسان کے بچپن میں اس کی ''تربیت'' کرنے والا وہ ''رب'' تو یقیناً اللہ ہی ہے،مگراس ''تربیت'' کیلئے اللہ نے ظاہری اور براہِ راست سبب اس کے والدین کو بنایا،اوراس کے والدین کے دل میں اس کیلئے اس قدرمحبت ومودت اوررحمت وہمدردی کے جذبات ڈال دیئے کہ والدین زندگی بھراپنے بچے کی خاطر ہرقسم کی تکلیف ومشقت ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں،اپنی راحت وآرام کواولاد کی راحت پرقربان کردینے کیلئے ہمہ وقت مستعدوتیاررہتے ہیں،بوقتِ مجبوری خودروکھی سوکھی کھالیتے ہیں' مگراولاد کیلئے بہرصورت اچھی غذا کی فکروجستجو میں لگے رہتے ہیں،خودمعمولی لباس پہن کرگذارا کرلیتے ہیں' مگراولاد کیلئے حتیٰ المقدورمناسب لباس کاانتظام کرتے ہیں' تاکہ ان کی اولاد زمانے کے گرم وسرد سے محفوظ رہ سکے۔

والدین کی محبت وشفقت اولاد کیلئے رحمتِ باری کا سائبان ہے،جوانہیں آفاتِ زمانہ کی تپش

کڑکتی دھوپ سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے، اسی لئے یہ ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ اس کارخانۂ دنیا میں انسانیت کا وجود خالقِ کائنات کے بعد والدین ہی کا مرہونِ منت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر والدین کی اطاعت وفرمانبرداری اوران کے ساتھ حسنِ سلوک کے حکم کو اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ملا کر بیان فرمایاہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (۱) ترجمہ:(تمہارے رب نے یہ فیصلہ کردیاہے کہ تم اُس کے سوااورکسی کی عبادت نہ کرواور یہ کہ تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ اگرتمہارے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو اُس وقت انہیں کبھی ''اُف'' بھی مت کہنا، اورنہ اُن کو جھڑکنا، اوراُن سے خوب ادب سے بات کرنا، اوران کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا، اوراُن کیلئے یوں دعاء کرتے رہنا کہ: ''اے میرے رب! توان دونوں پر رحمت فرما، جیسا کہ انہوں نے مجھے اُس وقت پالا جب میں چھوٹا تھا'')۔

☆......اس آیت میں انسان کواس کے خالق ومالک کی طرف سے اپنی عبادت وبندگی کے حکم کے بعد فوراً ہی والدین کی اطاعت وفرمانبرداری'ان کی خدمت وخبرگیری'ان کے سامنے تواضع وانکساراورخوش گفتاری'نیزان کے ساتھ حسنِ سلوک اوران کے ادب واحترام کی انتہائی مؤثرودلنشیں انداز میں تاکید وتلقین کی گئی ہے، اوراس طرف اشارہ بھی

(۱)الاسراء/بنی اسرائیل[۲۳۔۲۴]

کیا گیاہے کہ والدین کی خدمت واطاعت تو یقیناً ہمیشہ ہی ضروری ولازمی ہے، مگراس چیز کی ضرورت واہمیت خصوصاً اُس وقت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے جب والدین اپنی زندگی کا سنہری دوراور اپنی تمامتر صلاحیتیں اولاد کی تربیت ونگہداشت پر صرف کرنے اوران کی ترقی وبہتری کی خاطراپنی تمامتر ضروریات وخواہشات کوقربان کردینے کے بعداب زندگی کے اُس موڑ پرآپہنچے ہوں جہاں اعصاب جواب دے چکے ہوں' جسمانی وذہنی قُویٰ مضمحل ہو چکے ہوں' ہمت ریزہ ریزہ ہوچکی ہو' اندیشوں' وسوسوں' مختلف بیماریوں' پریشانیوں' طبعی عوارض ومشاکل' نیز بے چارگی وبےبسی کے احساس سے بھرپور ''بڑھاپا'' ان کا منتظر ہو۔

☆......آیت کے آخری حصہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسان کواپنے والدین کیلئے دعائے خیر کرتے رہنے کا تاکیدی حکم بھی دیا گیاہے، اورخالقِ ارض وسماء کی نظر میں والدین کا مقام ومرتبہ ملاحظہ ہوکہ انسان کواپنے والدین کیلئے دعاء کا مضمون بلکہ الفاظ بھی خوداللہ کی طرف سے سکھادیئے گئے......سبحان اللہ......!!

اس دعاء میں خاص طورپر کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْراً سے اس طرف اشارہ اورتنبیہ مقصودہے کہ انسان اپنے والدین کیلئے دعاء کرتے وقت چشمِ تصور سے ذرہ اپنے بچپن کے دور میں جھانک کر دیکھے، اوراُس وقت کویادکرے جب وہ انتہائی لاچاراورکمزوروبےبس تھا، اٹھنے بیٹھنے' کھانے پینے بلکہ فطری حوائج وضروریات اورنجاستوں وغلاظتوں سے صفائی ودھلائی کے معاملات میں بھی والدین کامحتاج ودستِ نگرتھا، مگراس کے باوجوداس کے والدین کس طرح ہنسی خوشی اس کی پرورش کرتے رہے، اس کی راحت وآرام کی خاطرخود بےآرام رہے، اس کی خوشی اوردلجوئی کی خاطر ہرمشکل اور ہرتکلیف کو گلے لگایا، ہرلحظہ اور ہرلمحہ اس کی نازبرداریوں میں مگن رہے، ہردم اور ہرآن اس پردل وجان سے فریفتہ وقربان

ہوتے رہے...... اور جب کبھی وہ بیمار پڑ جاتا تو وہ رات بھر اس کے سرہانے کھڑے رہتے اور اُف تک نہ کرتے، صبح ہونے پر جب وہ مسکرا کر انہیں دیکھ لیتا تو وہ اس کی بس ایک مسکراہٹ کی وجہ سے اپنی رات بھر کی تمام مشقت وتھکاوٹ اور تکلیف و پریشانی کو یکسر بھلا دیتے اور اپنی بھیگی پلکوں کے ساتھ ہزار ہا بار اللہ کا شکر بجالاتے...... یقیناً ہر انسان کے بچپن میں ایسی کتنی ہی راتیں آتی ہیں......!!

اس آیت میں خالقِ کائنات کی طرف سے انسان کو اپنے والدین کیلئے دعاء کرتے وقت خصوصاً بچپن کے اس دور کو یاد کرنے کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے، تاکہ انسان کے لبوں پر جب یہ دعاء آئے تو الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلیں...... کیونکہ ''بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے......!''

☆...... قرآن کریم میں جس طرح والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت وبندگی کے حکم کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے' اسی طرح والدین کی شکرگذاری واحسان مندی کو بھی اللہ کی شکرگذاری واحسان مندی کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (۱)

ترجمہ: (تو میرا بھی شکرگذار بن اور اپنے والدین کا بھی شکرگذار بنا رہ، آخر تجھے میری ہی طرف لوٹنا ہے) (۲)

اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات وربانی ارشادات وتوجیہات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث مبارکہ بھی ملاحظہ ہوں:

☆عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: سألتُ رسولَ اللّٰه ﷺ:

(۱) لقمان [۱۴]

(۲) یعنی اگر اللہ کے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو اللہ کی طرف سے مؤاخذہ ومحاسبہ سے بھاگ کر آخر کہاں جائیگا؟

أَيُّ الأَعمَالِ أَحَبُّ اِلَىٰ اللّٰه؟ قال : اَلصَّلَاةُ عَلَىٰ وَقتِهَا ، قُلتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : بِرُّ الوَالِدَين ، قُلتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : اَلجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰه) (۱)

ترجمہ:(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''نماز اپنے وقت پر ادا کرنا''۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا:''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک''۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا:''اللہ کی راہ میں جہاد''۔

☆عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنهما قال : جاء رجلٌ الىٰ النّبيّ ﷺ فاستأذنهٗ في الجهادِ ، فقال : أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟ قال : نعم ، قال : فَفِيهِمَا فَجَاهِد) (۲) ترجمہ:(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟''اس نے عرض کیا کہ:''جی''۔آپؐ نے فرمایا:''تم انہی میں جہاد کرو'')۔

یعنی اپنے والدین کی خدمت ونگہداشت اوران کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول رہو،تمہارے لئے یہی جہاد ہے۔

☆عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: أتىٰ رجلٌ رسولَ اللّٰهِ ﷺ فقال : اِنّي أشتَهِي الجِهَادَ وَ لَا أَقدِرُ عَلَيهِ، قال:هَل بَقِيَ مِن وَالدَيكَ أَحَدٌ؟ قَال:أُمّي، قال:قَابِلِ اللّٰهَ فِي بِرِّهَا، فَاِذَا فَعَلتَ ذٰلِكَ فَأَنتَ حَاجٌّ وَمُعتَمِرٌ وَمُجَاهِدٌ)(۳)

(۱)بخاری[۵۰۴]فضل الصلاۃ لوقتہا۔ (۲)بخاری[۲۸۴۲]کتاب الجہاد والسیر ، باب الجہاد باذن الوالدین
(۳)الطبرانی فی الصغیر والاوسط۔

ترجمہ: (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ''میں جہاد میں شرکت کی تمنا رکھتا ہوں، لیکن میں اس پر قادر نہیں ہوں''۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمہارے والدین میں سے کوئی حیات ہے؟''۔ اس نے عرض کیا کہ: ''جی! میری والدہ حیات ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم اللہ کے سامنے پیش ہونا ماں کے ساتھ اچھا سلوک لئے ہوئے [یعنی ماں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتے رہو] اگر تم نے ایسا ہی کیا تو تم نے حج بھی کرلیا، عمرہ بھی کرلیا اور جہاد بھی کرلیا'')۔

یعنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک میں ہی تمہارے لئے حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا اجر وثواب ہے۔

☆عن طلحة بن معاوية السّلمي رضي اللّه عنه قال : أَتَيتُ النّبِيَّ ﷺ فَقُلتُ : يَا رَسُولَ اللّه! اِنِّي أُرِيدُ الجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّه ، قَال : أُمُّكَ حَيَّة؟ قَلتُ : نَعَم ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : اِلزَم رِجلَهَا فَثَمَّ الجَنَّة) (۱) ترجمہ: (حضرت طلحہ بن معاویہ السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! میں جہاد میں شرکت کا خواہشمند ہوں'' آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟''۔ میں نے عرض کیا کہ: ''جی''۔ تب آپؐ نے فرمایا: ''تم ان کے قدموں کو تھامے رکھو، کیونکہ جنت وہیں ہے''۔

☆عن أبي أُمامة رضي اللّه عنه أنّ رجُلاً قال : يا رسولَ اللّه! مَا حَقُّ الوَالِدَينِ عَلَىٰ وَلَدِهِمَا؟ قَال: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ) (۲)

(۱) الطبرانی فی المعجم الکبیر [۲۲۰۲] ج:۲۔ (۲) ابن ماجہ [۳۶۶۲]

ترجمہ: (حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: ''والدین کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''وہ دونوں تمہارے لئے جنت ہیں اور وہی دونوں ہی تمہارے لئے دوزخ ہیں'')۔

یعنی انسان کیلئے اس کے والدین کی خوشی جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے، جبکہ اس کے برعکس ان کی ناراضگی دوزخ میں داخلے کا ذریعہ ہے۔

☆عن أبي هريرة رضي اللّه عنه عن النّبيّ ﷺ قال : رَغِمَ أنفُهُ ، ثُمَّ رَغِمَ أنفُهُ ، ثُمَّ رَغِمَ أنفُهُ ، قِيلَ : مَن يَا رَسُولَ اللّه؟ قال : مَن أدرَكَ وَالدَيهِ عِندَ الكِبَرِ أو أحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدخُلِ الجَنّةَ) (۱)

ترجمہ: (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نامراد ہو' پھر نامراد ہو' پھر نامراد ہو''۔ عرض کیا گیا کہ: ''یارسول اللہ! کون نامراد ہو؟''۔ فرمایا کہ: ''جس نے اپنے والدین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر بھی [انہیں خوش کر کے] جنت میں داخل نہ ہوسکا'')۔

☆عن عبد اللّه بن عمر رضي اللّه عنهما قال : قال رسولُ اللّه ﷺ : رِضَا اللّهِ فِي رِضَا الوَالِدِ ، وَ سَخَطَ اللّهِ فِي سَخَطِ الوَالِدِ) (۳)

ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے'')۔

☆ <u>والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی بدولت ''فرمانبردار'' اولا دنصیب ہوگی:</u>

<u>عن ابن عمر رضي اللّه عنهما قال : قال رسولُ اللّهِ ﷺ : بَرُّوا آبائَكُم</u>

(۱) مسلم [۲۵۵۱] (۳) ترمذی [۱۸۹۹]

تَبَرُّكُم أَبنَاؤُكُم) (۱) ترجمہ: (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی'')۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اس انتہائی نازک اور اہم ترین حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر کوئی انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کی اپنی اولاد فرمانبردار اور نیک بخت ہو تو اس کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ خود بھی اپنے والدین کا خدمت گذار اور فرمانبردار بن کر رہے، کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے...... جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور......!!

☆ <u>والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ''درازئ عمر'' اور ''وسعتِ رزق'' کا ذریعہ ہے:</u>

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه ﷺ : مَن سَرَّهُ أَن يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهٖ وَيُزَادَ فِي رِزقِهٖ فَليَبَرّ وَالدَيهِ وَليَصِل رَحِمَه) (۲) ترجمہ: (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کی عمر طویل ہو اور اس کے رزق میں فراوانی ہو' اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک' اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے'')۔

☆ <u>والدین کے انتقال کے بعد اُن کیلئے دعاء:</u>

انسان پر اس کے والدین کے بیشمار احسانات کی وجہ سے انسانیت ومروت اور وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ادب واحترام کا یہ سلسلہ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ معاملہ محض

(۱) الترغیب والترہیب (بحوالۂ حاکم فی المستدرک) الترہیب أن یعتذر الی المرء أخوہ فلا یقبل عذرہ نیز: الطبرانی فی الأوسط۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ أعلم۔ (۲) احمد [۱۳۴۲۵] [۱۳۸۳۸]

ان کی دنیاوی زندگی تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ یہ سلسلہ ان کے انتقال کے بعد بھی قائم ودائم اور جاری وساری رہے اور انسان اپنی دعاؤں میں ہمیشہ اپنے والدین کو یاد رکھے۔جیسا کہ درجِ ذیل احادیث میں اس چیز کی تاکید وتلقین کی گئی ہے:

☆عن أبي أُسيد مالك بن ربيعة الساعديّ رضي اللّه عنه قال : بَينَمَا نَحنُ جُلُوسٌ عِندَ رَسُولِ اللّهِ ﷺ اِذ جَاءَ رَجُلٌ مِن بَنِي سَلِمَةَ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّه! هَل بَقِيَ مِن بِرّ أَبَوَيَّ شَئٌ أَبَرُّهُمَا بَعدَ وَفَاتِهِمَا؟ قَال : نَعَم! الصَّلَاةُ عَلَيهِمَا ، وَالِاستِغفَارُ لَهُمَا ، وَ اِنفَاذُ عَهدِهِمَا مِن بَعُدِهِمَا ، وَ اِكرَامُ صَدِيقِهِمَا ، وَصِلَةُ الرَّحِم الّتِي لَاتُوصَلُ اِلّا بِهِمَا) (۱) ترجمہ:(حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اس دوران بنوسلمہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص وہاں وارد ہوااور عرض کیا کہ:’’اے اللہ کے رسولؐ! کیا میرے والدین کے انتقال کے بعد بھی میرے ذمے ان کا کوئی حق باقی ہے؟‘‘ آپؐ نے ارشادفرمایا کہ:’’ہاں !تم ان کیلئے دعاء کرتے رہنا(۲) ان کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہنا،انہوں نے جس کسی کے ساتھ جوکوئی عہدو پیمان کررکھا ہواسے ان کے بعد نبھاتے رہنا،ان کے دوستوں کی عزت کرنااور اُس رشتے کو جوڑے رکھنا جو اُن کے ذریعے جڑا ہوا تھا‘‘۔

☆عن أبي هُريرة رضي اللّه عنه قال : قال رسولُ اللّهِ ﷺ : (تُرفَعُ لِلمَيّتِ دَرَجَتُهٗ بَعدَ مَوتِهٖ فَيَقُول : أَي ربِّ ! أَيُّ شَئٍ هٰذِهٖ؟ فَيُقَال : وَلَدُكَ

(۱) ابن حبان[۴۱۸] ابن ماجہ[۳۶۶۴] ابوداؤد[۵۱۴۲] احمد[۱۶۱۰۳] البتہ مختلف روایات میں الفاظ قدرے مختلف ہیں۔ (۲) اس حدیث میں ’’الصلاۃ‘‘ سے مراد مطلق دعاء بھی ہوسکتی ہے، نیز اس سے ’’نمازِ جنازہ‘‘ بھی مراد لی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ بھی درحقیقت میت کیلئے دعاء ہی ہے۔

اِستَــغْــفَـرَ لَكَ)(۱) ترجمہ:(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کسی میّت کے درجات میں بعض اوقات اس کی موت کے بعد ترقی واضافہ کیا جاتا ہے،تب وہ[تعجب وحیرت سے] پوچھتا ہے کہ:اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟اسے[اللہ کی طرف سے] جواب دیا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار کیا ہے)۔

☆عـن أبـي هُـريـرة رضي اللّه عنه أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قال : اِذَا مَاتَ ابنُ آدَمَ انقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلّا مِن ثَلَاثٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أو عِلمٍ يُنتَفَعُ بِهٖ ، أو وَلَدٍ صَالِحٍ يَدعُو لَهٗ) (۲) ترجمہ:(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جب ابن آدم کی موت واقع ہوجاتی ہے تو اس کیلئے عمل کا دروازہ بند ہوجاتا ہے،سوائے تین چیزوں کے: اس نے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑا ہو ، یا ایسا علم چھوڑ گیا ہو جو اس کے بعد بھی [خلقِ خدا کیلئے] نافع ومفید ہو، یا ایسی اولاد چھوڑ گیا ہو جو اس کیلئے دعائے خیر کرتی رہے)(۳)

☆والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے:

خالقِ ارض وسماء کے فیصلے کے مطابق جس طرح صرف اُس ایک اللہ کی عبادت وبندگی کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اوران کی اطاعت وفرمانبرداری ہے' بعینہٖ اسی طرح اللہ کے ساتھ شرک جیسے بدترین جرم اورناقابلِ معافی گناہ کے بعد سب سے بڑا جرم اور بدترین گناہ والدین کی نافرمانی اوران کے ساتھ بدسلوکی ہے۔

(۱) بخاری فی الادب المفرد[۳۶] باب برالوالدین بعد موتہما۔

(۲) مسلم[۱۶۳۱] نیز بخاری فی الادب المفرد[۳۸] باب برالوالدین بعد موتہما۔

(۳) اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ والدین کے انتقال کے بعد ان کیلئے دعائے خیر کا اہتمام والتزام کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو: (أَلاأُنَبِّـئُـكُم بِأَكبَرِ الكَبَائِرِ؟ أَلاأُنَبِّئُكُم بِأَكبَرِ الـكَبَـائِـرِ؟ أَلاأُنَبِّـئُـكُـم بِـأَكبَـرِ الـكَبَـائِرِ؟ قُلنَا بَلَىٰ يَا رَسُولَ اللّٰه! قَال : اَلِاشـرَاكُ بِـالـلّٰـه ، وَ عُقُوقُ الوَالِدَينِ) (۱) ترجمہ:(کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی'')۔

☆ والدین کی نافرمانی کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:(كُـلُّ الـذُّنُـوبِ يُـؤَخِّرُ اللّٰهُ مِنهَا مَا شَاءَ اِلَىٰ يَومِ الـقِيَـامَةِ اِلّا عُـقُـوقَ الـوَالِـدَيـنِ ، فَـاِنَّـهٗ يُـعَجِّلُهٗ لِصَاحِبِهٖ فِي الحَيَاةِ قَبلَ المَمَاتِ) (۲) ترجمہ:(تمام گناہوں میں سے اللہ جس گناہ کی سزا کو چاہے گا قیامت تک مؤخر کردے گا، سوائے والدین کی نافرمانی کے، کہ ایسے شخص کو اللہ اس کی موت سے قبل دنیا میں بھی سزا دے گا)۔

عدل وانصاف فقط حشر تک نہیں موقوف زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

☆ کافر و مشرک والدین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک ضروری ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَ اِن جَـاهَدَاكَ عَلىٰ أَن تُشرِكَ بِي مَا لَيسَ لَكَ بِهٖ عِـلـمٌ فَلَا تُطِعهُمَا وَصَاحِبهُمَا فِي الدُّنيَا مَعرُوفاً﴾ (۳) ترجمہ:(اوراگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو شریک ٹھہرائے میرے ساتھ کسی کو بغیر کسی دلیل کے، تو ان کا کہنا

(۱) بخاری [۵۶۳۰] کتاب الأدب، باب: عقوق الوالدین من الکبائر۔

(۲) بخاری فی الأدب المفرد [۵۹۱] باب البغی۔ (۳) لقمان [۱۵]

تو مت مان، اوران کے ساتھ زندگی بسر کر خوبی کے ساتھ)

یعنی والدین اگر کافر ومشرک ہوں اوراولاد کوبھی کفر وشرک پر مجبور کرتے ہوں، ایسی صورتِ حال میں ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے اوراس معاملے میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔مگراس کے باوجودان کے ساتھ حسنِ سلوک، اطاعت وفرمانبرداری، ان کی دلجوئی، نیزان کی خدمت میں کوئی کوتاہی سرزدنہ ہونے پائے۔

ماں کے ساتھ خاص طور پرحسنِ سلوک کی تاکید:

والدین میں سے دونوں ہی یقیناً انتہائی واجب الاحترام اورلائقِ تعظیم ہیں اورقرآن وحدیث میں دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی عزت وخدمت اوراطاعت وفرمانبرداری کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان دونوں میں سے خاص طور پر ''ماں'' کے ساتھ حسنِ سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اوراس کا مقام ورتبہ نیزاولاد پر اس کا حق باپ کی بنسبت مقدم رکھا گیا ہے،جیسا کہ درجِ ذیل حدیث سے یہ بات واضح ہے:

عن أبي هريرة رضي اللّه عنه قال: جاء رجلٌ الیٰ رسول اللّهﷺ فقال يـا رسـولَ الـلّه! مَن أحَقُّ النّاسِ بِحُسنِ صُحبَتِي؟ قال : أُمُّكَ ، قال : ثُمّ مـن؟ قـال : ثُـمّ أُمُّكَ ، قـال : ثُـمّ مـن؟ قال : ثُمّ أُمُّكَ ، قال : ثُمّ مَن؟ قال : أَبُـــوكَ) (۱) ترجمہ:(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!مجھ پرسب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپؐ نے ارشادفرمایا:''تمہاری ماں کا''اس نے پوچھا:اس کے بعد؟ آپؐ

(۱)بخاری باب البر والصلۃ [۵۹۷۱] نیز:مسلم کتاب البر والصلۃ [۲۵۴۸]

نے فرمایا: ''تمہاری ماں کا'' اس نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہاری ماں کا'' اس نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہارے باپ کا'')۔

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس کی تمام تعلیمات آفاقی ہیں، اسی لئے یہ تمام تعلیمات انسانوں کے فطری جذبات واحساسات اوران کی بشری ضروریات کے عین مطابق ہیں، لہٰذا خالقِ کائنات کی طرف سے ''باپ'' کی بنسبت ''ماں'' کے حق کو مقدم رکھنا ' نیز اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کی زیادہ تاکید درحقیقت انسانی فطرت اورانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ:

☆......اولاد کے وجوداور پھراس کی بقاء کے معاملے میں بہت سے مراحل ایسے آتے ہیں جن میں باپ کی بنسبت ماں بہت زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے، مثلاً حمل' ولادت' اوررضاعت وغیرہ ایسے مراحل ہیں کہ جن میں باپ کی شرکت کے بغیر تنہا ماں ہی تمامتر مشقت وصعوبت برداشت کرتی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

﴿وَ وَصَّیْنَا الاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْناً عَلیٰ وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَیْنِ أَنِ اشْکُرلِيْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَيَّ المَصِیْرُ﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے اسے [دورانِ حمل] اٹھائے رکھا کمزوری پر کمزوری کے ساتھ، اوراس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کر، آخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے)

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ وَصَّیْنَا الاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَاناً حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ کُرْهاً

(۱) لقمان [۱۴]

وَّ وَضَعَتۡهُ كُرۡهاً وَحَمۡلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلَاثُوۡنَ شَهۡراً﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے [دورانِ حمل] تکلیف جھیل کر اسے اٹھائے رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا، اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے)

☆...... گذشتہ مراحل یعنی حمل' ولادت اور پھر رضاعت کے دوران تنہا تکلیف ومشقت اٹھانے کے بعد اب آگے اولاد کی تربیت کے مرحلے میں اگرچہ باپ بھی یقیناً بہت محنت ومشقت کرتا ہے اور بڑی تگ ودو میں مشغول رہتا ہے، تاہم اس موقع پر بھی ماں ہی براہِ راست متأثر ہوتی ہے اور اولاد کی خاطر ہمہ وقت نڈھال اور ہلکان رہتی ہے۔

☆...... ''ماں'' چونکہ عورت ہونے کی وجہ سے فطری طور پر ہی کمزور مخلوق ہے اس لئے اس کے جذبات واحساسات بھی انتہائی نازک اور کمزور ہوا کرتے ہیں، لہٰذا اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی خاص طور پر تاکید کی گئی، اور خالقِ کائنات کی طرف سے اولاد کو یہ تنبیہ کر دی گئی کہ تمہاری ماں اگرچہ بظاہر کمزور اور بے بس ہے، تمہاری طرف سے کسی دل آزاری پر وہ بے چاری کمزور اور ممتا کی ماری ہوئی ماں محض آنسو بہانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی...... مگر اس بات کو خوب یاد رکھو کہ تمہیں کمزور و بے بس نظر آنے والی تمہاری اس ماں کا خالقِ کائنات کے نزدیک بڑا رتبہ ومقام ہے اور اس نے تمہارے لئے جنت اسی ''ماں'' کے قدموں تلے رکھ دی ہے...... لہٰذا اگر جہنم کی آگ سے بچنے اور جنت کی ابدی ودائمی نعمتیں حاصل کرنے کی رغبت اور تمنا ہے تو ماں کو خوش کر لو اور اس کی دل آزاری سے باز آ جاؤ، ورنہ حسرت وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا......!!

(۱) الاحقاف [۱۵]

☆......''ماں'' کو چونکہ اپنی اولاد سے بے پناہ محبت ہوا کرتی ہے جس میں ''ہوش وحواس'' کی بجائے عام طور پر ''جوش اور جذبات'' کا عنصر نمایاں اور غالب ہوتا ہے، اس لئے اکثر وبیشتر ماں اپنی اولاد کی طرف سے کوئی بے ادبی وگستاخی سرزد ہوجانے کے باوجود صبر وتحمل' درگذر اور چشم پوشی سے کام لیتی ہے اور اولاد کی طرف سے نامناسب رویہ وسلوک کو جان بوجھ کر نظرانداز کر دیتی ہے......اس لئے اولاد پر باپ کی بنسبت ماں کا حق زیادہ اور مقدم رکھا گیا اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی خاص تاکید وتلقین کی گئی، تاکہ اس کی بے پناہ محبت وشفقت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اولاد اس کے مقام ومرتبے کو فراموش کرنے یا نظرانداز کر دینے سے باز رہے۔

☆ایک اہم حقیقت:

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک' ان کی خدمت واطاعت اور ان کی قدردانی کے بارے میں آخر میں ایک یہ اہم ترین حقیقت بھی ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ دنیا میں والدین کے سوا باقی ہر رشتہ ایسا ہے جو ایک سے زائد بار نصیب ہوسکتا ہے، مثلاً بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوسکتے ہیں، اولاد بہت سی ہوسکتی ہے، حتیٰ کہ شوہر اور بیوی میں سے کسی کے انتقال یا طلاق کی وجہ سے جدائی کی صورت میں اگر کسی کو دوبارہ گھر بسانے کی رغبت ہوتو یہ رشتہ بھی ایک سے زائد بار وجود میں آسکتا ہے، نیا شوہر بھی مل سکتا ہے اور نئی بیوی بھی......!

لیکن صرف ''ماں باپ'' کا رشتہ ایسا نازک' اس قدر قیمتی اور انمول رشتہ ہے کہ جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے، انسان کو اپنی پوری زندگی میں پیدائش سے موت تک صرف اور صرف ایک ہی بار ''ماں باپ'' نصیب ہوتے ہیں، کسی کی دو مائیں نہیں ہوسکتیں، یا دو باپ نہیں ہوسکتے۔

لہٰذا جب تک اس کے ماں باپ زندہ ہیں اسے چاہئے کہ اس عظیم رشتے اوراس انمول نعمت کی قدر پہچانے ،اوراپنے لئے دنیاوآخرت میں سعادت مندی کا سامان کرلے، ورنہ ایک روز جب وہ اس فانی دنیاسے کوچ کرجائیں گےتو پھران کی شکل دوبارہ کبھی نظرنہ آسکے گی اورپھرزندگی بھرانسان کی آنکھیں ان کے دیدار کیلئے ترستی ہی رہیں گی......اورتب انسان بس یہ سوچتاہی رہ جائے گا کہ کہاں چلے گئے میرے وہ والدین جنہوں نے مجھے پالا، جنہوں نے مجھے لکھایاپڑھایا، جومیری راحت کی خاطرخود ہمیشہ بے آرام رہے، جو مجھے زمانے کی سختیوں سے بچانے کیلئے میرے سرپرسائبان بنے رہے،اور جومیری سلامتی کی خاطر دعائے نیم شب میں آنسو بہاتے رہے......!!

''اولاد: آنکھوں کی ٹھنڈک''

مگر کس طرح......؟

قرآن کریم میں سورہ الفرقان کی آخری چند آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے مؤمن بندوں کی چند صفات وعلامات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (۱) ترجمہ (اور وہ [اہلِ ایمان] کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو عطاء فرما ہمیں شریکِ حیات اور اولاد جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا)

اس آیت کے معنیٰ ومفہوم میں اگر غور وفکر کیا جائے تو اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

☆ پہلی بات یہ کہ:

انسان کیلئے اس کے بیوی بچے یا اگر عورت ہے تو اس کیلئے اس کا شوہر اور اولاد یقیناً اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہیں، اور یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ انسان ان کی طلب اور خواہش رکھے اور اللہ سے ان چیزوں کے حصول کیلئے دعاء وفریاد اور آہ وزاری کرے، جیسا کہ اس آیت میں اہلِ ایمان کی صفات کے ضمن میں ان کی ایک یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے اپنے لئے اولاد طلب کرتے ہیں۔ اور پھر قرآن کریم میں ان کی اس دعاء کے تذکرہ سے تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کو یہی بات سمجھانا مقصود ہے کہ یقیناً اولاد ایسی نعمت ہے جس کے حصول کیلئے انسان کو اللہ سے اسی طرح دعاء وفریاد کرنی

(۱) الفرقان [۷۴]

چاہئے۔

☆ دوسری بات یہ کہ:

انسان کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یقیناً بیوی بچے اوراسی طرح عورت کیلئے اس کا شوہراوراولاد بہت بڑی نعمت تو ہے، مگرضروری نہیں کہ یہ تمام رشتے ہرانسان کیلئے ہمیشہ نعمت ہی ہوں۔ بلکہ بعض اوقات یہی رشتے انسان کیلئے رحمت کی بجائے زحمت، عذاب اوروبالِ جان بھی بن جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ رشتے ہمیشہ نعمت ہی ہوتے تو پھرقرآن کریم میں اللہ کی طرف سے اس دعاء کے تذکرہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی جس میں ایسے شریکِ حیات نیزایسی اولاد کی طلب کی تعلیم دی گئی ہے جوانسان کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔اور پھریہی بات قرآن کریم میں مذکورحضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء سے بھی واضح ہے:﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطاء فرما)

نیزحضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعاء سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے:﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾ (۲) ترجمہ:(اے میرے رب! تواپنے خاص فضل وکرم سے مجھے ایسی اولاد عطاء فرما جو پاکیزہ ہو)

یعنی اولاد ایسی نعمت ہے جس کے حصول کیلئے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جیسی عظیم ترین اورانتہائی جلیل القدراور برگزیدہ ہستیوں نے بھی اللہ سے دعاء وفریاد کی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ان دونوں مذکورہ دعاؤں سے یہ بات بھی خوب واضح اورعیاں ہے کہ انسان کیلئے اولاد یقیناً بہت بڑی نعمت تو ہے......مگر بشرطیکہ وہ صالح اور پاکیزہ ہو، عمدہ

(۱) الصّافّات[۱۰۰] (۲) آل عمران[۳۸]

اور شریفانہ اخلاق وکردار کی حامل ہو، اللہ اور رسول ﷺ کی بھی مطیع وفرمانبردار ہو اور اپنے والدین کی بھی مطیع وفرمانبردار ہو، یقیناً صرف ایسی اولاد ہی انسان کیلئے نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے۔ ورنہ انسان کو یہ تلخ حقیقت ہمیشہ یادرکھنی چاہئے کہ اس کے اپنے بیوی بچے نیز عورت کیلئے اس کا اپنا ہی شوہر اور اولاد اگر مصیبت اور وبالِ جان بن جائے تو یہ چیز انتہائی تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت ہوا کرتی ہے، کیونکہ کسی غیر سے اگر کوئی رنجش یا ناراضگی ہوجائے یا اس سے کوئی تکلیف وصدمہ پہنچے تو انسان حسبِ مصلحت اس سے دوری وعلیحدگی بھی اختیار کرسکتا ہے، لیکن اگر کسی کے ساتھ اس کی اپنی اولاد کا ہی رویّہ وسلوک بُرا اور تکلیف دہ ہو، تو یقیناً اس کی اپنی اولاد ہی اس کیلئے مصیبت وعذاب بن جائیگی۔

اور پھر یہ معاملہ اس لئے بھی انتہائی نازک اور حساس ترین ہے کہ کوئی غیر اگر کسی کے ساتھ دشمنی یا بدتمیزی کرتا ہے تو وہ تو اس کے گھر سے باہر ہے، جبکہ اپنی ہی اولاد میں سے اگر کوئی بداخلاق یا بدتمیز اور بدکردار ہے تو وہ تو خود اس کے اپنے گھر کے اندر ہے، یعنی یہ دشمن تو خود انسان کے اپنے ہی گھر کے اندر پل رہا ہے، رات دن اس کی اپنی آنکھوں کے سامنے ہے، اسی کی محنت کی کمائی میں سے کھاتا پیتا ہے، عیش کرتا ہے، اور پھر اسی کا دل دکھاتا ہے اور اسے رلاتا ہے، انسان اس سے قطع تعلق بھی نہیں کرسکتا، قدرت کے بنائے ہوئے اس اٹل اور مضبوط رشتے کو توڑ بھی نہیں سکتا، اسے اپنے گھر سے نکال بھی نہیں سکتا، بس رات دن اپنی غمزدہ آنکھوں سے حیران وپریشان اس کی بُری حرکتوں کا نظارہ کرتا ہے، اس کی بداخلاقیاں اور بدتمیزیاں برداشت کرتا ہے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی خون پسینے کی کمائی کو اس کی یہ نافرمان اولاد کس طرح برباد کررہی ہے، جس اولاد کی خاطر زندگی

بھر انسان محنت ومشقت کرتا رہا اور جس کی راحت وآرام کی خاطر انسان نے زندگی بھر خود کو بے آرام رکھا اور اپنی تمام خواہشات کا گلا دبائے رکھا......یہی اولاد اگر عذاب بن جائے تو کسی بھی انسان کیلئے اس سے بڑا صدمہ اور کیا ہوسکتا ہے......؟

☆اب سوال یہ ہے کہ:

اس انتہائی تکلیف دہ اور عظیم ترین صدمہ سے بچنے کیلئے انسان کیا کرسکتا ہے؟

☆اس اہم ترین اور انتہائی نازک سوال کا جواب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ ہے کہ اس مقصد کیلئے درجِ ذیل اسباب کو اختیار کیا جائے:

(۱) اولاد کیلئے دعائے خیر:

انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی صلاح وفلاح اور دنیا وآخرت میں بہتری اور ترقی وکامیابی کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے خوب گڑ گڑا کر اور عاجزی وانکساری کے ساتھ دعاء وفریاد کرتا رہے، چنانچہ اس سلسلہ میں مناسب ترین دعاء تو یہی ہے جس کا تذکرہ اس مضمون کی ابتداء میں کیا گیا اور جو کہ سورہ الفرقان کی آیت نمبر ۷۴ میں موجود ہے، وہاں سے یاد کی جاسکتی ہے۔ (۱)

اس کے علاوہ سورہ احقاف کی آیت نمبر: ۱۵ میں مذکور اس دعاء کا بھی اہتمام والتزام کرنا چاہئے: ﴿رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَ أَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (۲) ترجمہ: (اے میرے رب! تو مجھے اس بات کی توفیق عطاء

(۱) رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً (الفرقان: ۷۴)

(۲) احقاف [۱۵]

فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تونے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے، اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہوجائے، اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔

(۲) اولاد کی اخلاقی وروحانی تربیت:

والدین جس طرح اپنی اولاد کی دنیاوی ترقی وآرام اوران کی کامیابی اور باعزت زندگی کیلئے خوب محنت وکوشش کرتے ہیں اور تمام ممکن اسباب ووسائل اختیار کرتے ہیں......اولاد کی اخلاقی وروحانی تربیت وترقی کیلئے بھی انہیں اسی طرح فکرمند ہونا چاہئے اور ہر ممکن سعی وکوشش کرنی چاہئے، کیونکہ انسان صرف گوشت پوست کے اس جثہ کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل چیز اس کی انسانیت وروحانیت اوراس کا اخلاق وکردار ہے، لہٰذا اس کے اخلاق وکردار کی تعمیر کی طرف توجہ دینا اوراس مقصد کی خاطر زیادہ محنت وجستجو کرنا یقیناً زیادہ اہم اور ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ) (۱) ترجمہ: (تم میں سے ہرکوئی نگہبان ہے اور تم میں سے ہرکوئی اپنی رعیت کے بارے میں [اللہ کے سامنے] جواب دہ ہے)۔

لہٰذا اگرکسی کے دل میں یہ خواہش اور تمنا ہوکہ اس کی اولاد اس کیلئے مصیبت وعذاب بننے کی بجائے نعمت ورحمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوتو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کیلئے دنیاوی ترقی وکامیابی کیلئے محنت وکوشش اور ضروری انتظام کے ساتھ ساتھ اولاد کی اصلاحِ باطن کی بھی فکر کرے اور ایسی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے جس کی بدولت اولاد کے

(۱) بخاری، باب: الجمعۃ فی القریٰ والمدن [۸۵۳] نیز: باب اذا أتاہ خادمہ بطعامہ [۲۴۱۹] نیز: باب قوا أنفسکم واہلیکم ناراً [۴۸۹۲] نیز: کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم [۶۷۱۹]

دل میں فکرِ آخرت' اللہ کا خوف' دنیا کی فنائیت' موت کے بعد آنے والے مرحلے کیلئے تیاری کی جستجو' روزِ قیامت اللہ کی عدالت میں حاضری' اپنے ہر قول وفعل کی جواب دہی' اللہ کے سامنے حساب وکتاب اور جزا وسزا کی فکر اور تیاری کا جذبہ بیدار ہو۔

نیز یہ کہ آج اگر ہم اپنے بچوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم سے آراستہ کرینگے تب ہی تو انہیں اس بات کا علم ہوگا کہ قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ: ﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ (۱) ترجمہ: (جب تمہاری نظروں کے سامنے ان دونوں [یعنی تمہارے والدین] میں سے کوئی ایک یا وہ دونوں ہی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تو اب تم ان کے سامنے ''اُف'' بھی نہ کہو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهٖ دَرَجَتُه فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ أَيُّ شَيْءٍ هٰذِهٖ؟ فَيُقَال : وَلَدُكَ اِسْتَغْفَرَ لَكَ) (۲) ترجمہ: (کسی انسان کے مرنے کے بعد [بعض اوقات] اس کے درجات بلند کئے جاتے ہیں، جس پر وہ حیران ہوکر [اللہ سے] پوچھتا ہے کہ: اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟ اسے [اللہ کی طرف سے] جواب دیا جاتا ہے کہ اس وقت تمہاری اولاد تمہارے لئے دعاء واستغفار میں مشغول ہے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُه اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِه أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَه) (۳) ترجمہ: (جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کیلئے عمل کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ (۴) یا ایسا علم جس سے [اس کی موت کے بعد بھی] فائدہ اٹھایا جا

(۱) الاسراء/ بنی اسرائیل [۲۳] (۲) بخاری فی الأدب المفرد [۳۶] باب برالوالدین بعد موتہما۔
(۳) مسلم [۱۶۳۱] باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ۔ (۴) ''صدقۂ جاریہ'' سے مراد یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے خلقِ خدا اس کی موت کے بعد بھی مستفید ہو رہی ہو۔

رہا ہو، یا ایسی اولاد جواس کیلئے [اس کی موت کے بعد بھی] دعائے خیر کرتی رہے)۔

لہٰذا اپنی اولاد کی اخلاقی ودینی تعلیم وتربیت کے بعد ہی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ جب تک ہم اس دنیامیں زندہ رہیں گےاس وقت تک ہماری اولاد ہمارے سامنے کبھی ''اُف'' تک نہیں کہے گی، اور جب اللہ کی مرضی اوراس کے حکم سے ہم اس دنیا سے رخصت ہوجائیں گے تب ان شاء اللہ ہماری اولاد ہمارے لئے دعائے خیراوراستغفار کرتی رہے گی، اور یوں ان شاء اللہ ہماری اولاد ہمارے لئے زندگی میں بھی اور ہمارے انتقال کے بعد بھی رحمت' نعمت' اورآنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اولاد کی اخلاقی وروحانی تربیت واصلاح کی طرف توجہ اورکوشش کا اہتمام وانتظام بچپن سے ہی ہونا چاہئے، کیونکہ جس طرح درخت جب چھوٹا ہوتا ہےتواس کی شاخوں کواپنی مرضی کے مطابق موڑا جاسکتا ہےاور یوں اس درخت کواپنی مرضی اور پسند کے مطابق بنایااورڈھالا جاسکتا ہے، لیکن وہی درخت جب بڑااورمضبوط ہوجائے تواب یہ ممکن نہیں ہوگا، اب اس کی شاخیں ٹوٹ توسکتی ہیں لیکن انہیں اپنی مرضی کے مطابق موڑا نہیں جاسکتا، اورنہ اب اس درخت کواپنی مرضی اور پسند کے مطابق کوئی شکل دی جاسکتی ہے۔

بعینہٖ اسی طرح بچے کوہم زندگی بھر کیلئے جس شکل اورجس انداز میں نیزجن عادات واطوار کا حامل دیکھنا چاہتے ہیں ہمیں اس کے بچپن میں ہی اسے وہی شکل دے دینی چاہئے اورانہی طورطریقوں کا عادی بنادینا چاہئے ، ورنہ بڑے ہونے کے بعد یہ کام ممکن نہیں ہوگااور ہماری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور ہماراخواب کسی صورت شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا اوربس پھر ہمیشہ کیلئے حسرت ہی رہ جائے گی......اورتب ہماری اپنی ہی یہ اولاد ہمیں بیگانی

محسوس ہوگی،اور ہم صاحبِ اولاد ہوتے ہوئے بھی خدانخواستہ خودکو بے اولاد سمجھنے پر مجبور ہوں گے......!!

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:(مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعٍ) (۱)

ترجمہ:(اپنی اولادکوسات سال کی عمر سے ہی نماز کا حکم دو)

یعنی اولادکوبچپن میں ہی نماز کا عادی بنادیا جائے، اوراسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم انہیں ہمیشہ کیلئے جس روپ میں دیکھنے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں ان کے بچپن اورکم عمری میں ہی اس روپ میں ڈھال دیا جائے، کیونکہ بعد میں یہ ممکن نہیں ہوگا۔

(۳)اولاد کے انجام کی فکر:

انسان ہمیشہ اپنی اولادکی دنیاوی ترقی وکامیابی اوراس کے بہتر مستقبل کیلئے فکرمنداورکوشاں رہتاہے، یقیناًیہ ایک طبعی امرہے اوراگر یہ کوشش اورجدوجہد شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہوتواس میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں ہے، بلکہ یہ تو خودشریعت اسلامیہ کی طرف سے ہی والدین کے ذمے ان کی اولاد کیلئے مقررکردہ حقوق میں شامل ہے۔البتہ یہاں یہ بات ضرورذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا کی زندگی عارضی وفانی ہے، جبکہ آخرت کی زندگی ابدی ہے،لہٰذا ظاہرہے کہ آخرت کی کامیابی وراحت کی فکرزیادہ ہونی چاہئے اوراس مقصد کیلئے کوشش اورجدوجہد بھی زیادہ ہونی چاہئے،بہت سے لوگوں کواکثروبیشتر یہ کہتے ہوئے سناجاتاہے کہ ہمیں اس بات کی انتہائی فکرہے کہ ہمارے مرنے کے بعدبچوں کا کیا بنے گا؟ لیکن یہ بھی توسوچنا چاہئے کہ خودبچوں کے مرنے کے بعدان (بچوں) کا کیا بنے گا....؟ کیونکہ ہمارے بچے بھی تو آخرانسان ہی ہیں اور ہرانسان کی طرح یقیناًان کی آخری منزل

(۱)احمد[٦٧٥٦]

بھی وہی ہے......یعنی موت......اور پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی......نیز یہ کہ جلد یا بدیر آخر کبھی نہ کبھی تو بچوں کیلئے بھی اس دنیائے فانی سے کوچ اور رخصتی کا وقت آ ہی جائے گا، اور اس وقت خواہ ان بچوں کی عمر کچھ بھی ہو، خواہ اس وقت یہ بوڑھے ہی کیوں نہ ہو چکے ہوں، لیکن بہر حال ہوں گے تو یہ آخر ہمارے ہی بچے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ) (۱) ترجمہ: (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے) یعنی کسی کیلئے قبر جنت کا ایک حصہ ہوگی اور کسی کیلئے قبر ہی دوزخ ہوگی، ہمارے یہ معصوم اور پھول جیسے بچے اور یہ ہمارے جگر گوشے جن کے آرام وراحت کی خاطر آج ہم کس قدر فکر مند رہتے ہیں، اور خصوصاً یہ معصوم بچے دن بھر کھیل کود اور اپنی معصومانہ شرارتوں کے بعد رات کو جب اپنے چھوٹے سے تکیے پر سر رکھے ہوئے سو رہے ہوتے ہیں اس وقت کتنے پیارے لگتے ہیں اور ہمیں ان پر کس قدر پیار آ رہا ہوتا ہے......اس وقت ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ہمیں اچھا لگے یا بُرا لگے مگر یہ کہ یقیناً کبھی نہ کبھی وہ وقت بھی آ ہی جائیگا جب ہمارے یہی لختِ جگر اور یہ ہماری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور اسی طرح اپنی قبر میں سو رہے ہونگے ...... نہ جانے وہ کون سی جگہ ہوگی اور کون سا شہر اور ملک ہوگا؟ اور اللہ ہی جانے وہ قبر ان کیلئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی......یا...... خدانخواستہ...... بس آگے تو کچھ لکھتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے......اللہ ہم سب پر رحم فرمائے، آمین۔ اور اسی جذبے کے تحت ہمیں اپنی اولاد کی اصلاح اور مناسب اخلاقی تربیت کیلئے فکر اور کوشش کرنی چاہئے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قُوا

(۱) ترمذی [۲۴۶۰]

أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً﴾ (۱) ترجمہ:(اے ایمان والو!تم بچالوخوداپنے آپ کوبھی اوراپنے اہل وعیال کوبھی[جہنم کی]آگ سے)۔

(۴)اولادمیں عدل وانصاف:

خالقِ کائنات نے اس تمام کائنات کی بنیادہی عدل وانصاف پررکھی ہے، جہاں انصاف ہوگاوہاں ترقی اورہرقسم کی خوبی وبہتری ہوگی،اور جہاں ناانصافی ہوگی یقیناًوہاں تباہی وبربادی آکرہی رہے گی، لہٰذاعدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل پابندی توہمیشہ اور ہر معاملے میں ہی انتہائی ضروری ہے۔

البتہ اولادکی تعلیم وتربیت کے معاملے میں اس چیزکی اہمیت مزیدبڑھ جاتی ہے،لہٰذااس سلسلے میں والدین کیلئے عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری ازحد ضروری ولازمی ہے، کیونکہ والدین اگراپنی ہی اولادمیں باہم عدل وانصاف کےتقاضوں کو پامال کرنےلگیں تواس سے یقیناًان میں احساسِ محرومی' باہم نفرت وعداوت اورانتقام کے جذبات نشوونماپانے لگیں گے،نیزوالدین کی عزت واحترام اوراطاعت گذاری وفرمانبرداری کی بجائے سرکشی ونافرمانی کارجحان پیداہوگا...... جس سے گھرکاسکون واطمینان بربادہوجائے گا، نیزیہ چیزدنیاوآخرت میں ناکامی ونامرادی اورذلت ورسوائی کاسبب بھی بنے گی۔ (۲)

(۵)اپنی اصلاح کی فکر:

والدین اگریہ چاہتے ہوں کہ ان کی اولادان کیلئے عذاب اوروبالِ جان بننے کی بجائے

(۱)التحریم[۶]

(۲)اس سلسلہ میں مزیدتفصیل کیلئے''عدل وانصاف'' کے باب میں صفحہ۸۸۔۸۹بھی ملاحظہ ہو۔

نعمت' راحت اورآنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوتوانہیں یہ اٹل حقیقت خوب ذہن نشیں کرلینی چاہئے کہ اس مقصد کیلئے انہیں سچے دل اورخلوصِ نیت کے ساتھ پہلے خوداپنی اصلاح کی فکروجستجو کرنا ہوگی۔

لہٰذاوالدین کیلئے ضروری ہے کہ تقویٰ وپرہیزگاری کواپناشیوہ وشعاربنائیں، دینی احکام' شرعی فرائض وواجبات اوراسلامی آداب وتعلیمات کی مکمل پابندی کریں، پاکیزہ سیرت وکردار' اعلیٰ خلاق اورعمدہ صفات سے اپنی شخصیت کوآراستہ ومزین کریں، ہرقسم کی برائی سے اپنادامن بچائیں، اپنے قول وفعل میں مکمل مطابقت پیداکریں، اولادکوکسی خوبی کاحکم دینے سے قبل خوداس خوبی کواپنائیں، انہیں کسی برائی سے بازرہنے کی تاکیدوتلقین سے پہلے خوداس برائی سے دوری وکنارہ کشی اختیارکریں، یوں اپنی شخصیت کواولادکے سامنے اعلیٰ مثال اورقابلِ تقلید نمونہ بناکرپیش کریں، ایسی شخصیت جس کے قول وفعل میں کوئی تضادنہو......اس کے بعداولادکی صلاح وفلاح کی توقع کریں، کیونکہ ''اصل'' کی درستی کے بغیر''سائے'' کی درستی کی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے......؟

(٦)اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (بَـرُّوا آبَـائَكُم تَبَرُّكُم أَبْنَاؤُكُمْ) (۱) ترجمہ: (تم اپنے والدین کے ساتھ اچھاسلوک کرو، تاکہ تمہاری اولادبھی تمہارے ساتھ اچھاسلوک کرے) اس حدیث کی رُوسے یہ بات خوب واضح ہے کہ آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جس قسم کاسلوک روارکھیں گے کل ہماری اولادبھی ہمارے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کرے گی۔

(۱) الترغیب والترہیب (بحوالۂ حاکم فی المستدرک) الترہیب أن یعتذرالیٰ المرءأخوہ فلایقبل عذرہ۔ نیز: الطبرانی فی الأوسط۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قراردیاہے۔ واللہ أعلم۔

لہٰذا انسان کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ نے یہ معاملہ تو خود انسان ہی کے حوالے کردیا ہے اوراسی کے اختیار میں یہ چیز دے دی ہے، اب اس کی مرضی ہے کہ وہ اپنے لئے کیا چیز پسند کرتا ہے، آج وہ خود جو کچھ اپنے والدین کے ساتھ کرے گا' کل وہی اس کے ساتھ بھی ہو جائے گا، قدرت کا قانون اٹل ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا، لہٰذا انسان کواللہ سے ڈرنا چاہئے اورتصور کی آنکھ سے اس منظر کو دیکھنا چاہئے کہ جب وہ خود بوڑھا' کمزور اورمحتاج ہو چکا ہوگا، اوراس وقت اس کی یہ دلی تمنا ہوگی کہ اس کی یہ اولاد جس کی خاطر اس نے زندگی بھر کولہو کے بیل کی طرح محنت ومشقت کی، جس کا مستقبل سنوارنے کی خاطر اس نے اپنی کتنی ہی خواہشات اورآرزؤوں کا خون کیا، کاش آج یہ اولاد اس کے لئے سہارا بن سکے اوراس کے بڑھاپے کیلئے لاٹھی کا کام دے سکے....اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی یہ آرزو پوری ہواوراس کی اولاد اس کے بڑھاپے اورمحتاجی وکمزوری کے وقت اس سے اپنی آنکھیں نہ پھیرلے اوراسے بے یارومددگار نہ چھوڑ دے......تو اس کیلئے ضروری ہے کہ آج وہ خود بھی جس قدر ممکن ہو سکے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔

اللہ رب العزت کے حضور انتہائی عاجزانہ دعاء وفریاد ہے کہ اے اللہ! تو اپنے خاص فضل وکرم سے ہمارے بچوں کو ہمارے لئے رحمت، نعمت اورآنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔

آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

زوجین کے حقوق وفرائض:

معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے،اورافراد کی سیرت وکردار کی تعمیراوران کی اچھی یابری تربیت گھر میں ہوتی ہے،اور گھر اُس وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی دومرد وعورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں،یعنی شوہراور بیوی کے اس نئے رشتے کے وجود میں آنے پرایک نئے گھر کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

شوہراور بیوی کے دلوں میں اگرخوفِ خدا کا جذبہ موجزن ہو،آپس میں اتفاق واتحاداور صبروتحمل کا مظاہرہ ہو، دلوں میں ایک دوسرے کیلئے محبت اورعزت واحترام کا احساس ہو...... تو یہ گھر بفضلِ خدا جنت کا نمونہ ثابت ہوگا، یہ شوہراور بیوی دونوں ایک دوسرے کیلئے نعمت‘ رحمت اور دکھ سکھ کے ساتھی ثابت ہوں گے،اور یہاں تربیت پانے والے ان کے بچے مستقبل میں کامیاب وخوش نصیب انسان ثابت ہوں گے،اپنے والدین کیلئے‘ معاشرے کیلئے‘ ملک وملت کیلئے‘ بلکہ پوری انسانیت کیلئے ان کا وجود نافع ومفید ہوگا۔

لیکن اگراس کے برعکس شوہراور بیوی میں آئے دن تلخ کلامی ہوتی ہو،گھر میں ہمیشہ جنگ وجدال اورفتنہ وفساد کا ماحول رہتا ہو، نہ ایک دوسرے کی عزت وآبرو کا خیال ہو، نہ ہی اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو،اورنہ ہی بچوں کے مستقبل کی فکرہو......تو ایسا گھر یقیناً جہنم بن جائے گااوروہاں تربیت پانے والے بچے زندگی کے ہرمیدان میں اور ہر مرحلے میں ناکام ونامراد‘ ڈرے سہمے‘ خوداعتمادی سے محروم‘ احساسِ محرومی میں مبتلا‘ اور معاشرے کیلئے بے کار‘ بلکہ نقصان دہ ثابت ہوں گے،عین ممکن ہے کہ یہ بچے خوداپنے بچپن کے دورمیں پیارومحبت‘ ہمدردی وشفقت سے ہمیشہ محرومی کے سبب اب بڑے ہوجانے کے

بعد بطورِ انتقام دوسروں کے ساتھ سنگ دلی، ظلم وزیادتی اور جبر وسفا کی پر اتر آئیں، اور رفتہ رفتہ جرائم کی دنیا کی اس بند گلی میں جا پہنچیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور پھر زندگی بھر بدبختی کے ہاتھوں ٹھوکریں کھاتے کھاتے آخر کار ان کا آخری ٹھکانہ پھانسی کا پھندا ہوگا......!!

آج دنیا کی مختلف جیلوں کی تنگ وتاریک کوٹھڑیوں میں جو بدنصیب قیدی سسک رہے ہیں' یا جو سزائے موت کے انتظار میں اپنی آخری سانسیں گن رہے ہیں......اگر کوئی صاحبِ دل ان سے جا کر پوچھے یا ان کی آپ بیتی سنے تو یقیناً یہی بات سامنے آئے گی کہ بچپن میں گھر میں ماں باپ کے درمیان ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا، مار پٹائی اور لعن طعن کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا...... اُس خوفناک ماحول سے اور روز روز کی پٹائی کی اذیت سے بچنے کیلئے پہلے تو بچے گھر کے کونوں کھدروں میں' دروازوں کے پیچھے اور پلنگوں کے نیچے چھپتے رہے، اور جب ذرہ بڑے ہوئے تو کنڈی کھول کر باہر نکل گئے......اور بس یہیں سے بربادی وبدبختی کی ایک دردناک داستان اور اذیت ناک کہانی شروع ہوگئی، کیونکہ بچہ جب ایک بار گھر سے نکل گیا تو اب اسے زندگی بھر کبھی اپنے اُس گھر کی طرف واپسی نصیب نہیں ہو سکے گی......الا ماشاء اللہ!

اور پھر گھر سے باہر بھی زندگی بھر وہ کبھی سکون سے نہ جی سکے گا، کیونکہ جس بدنصیب کو خود اپنے گھر کے آنگن میں اور اپنی ماں کے آنچل میں سکون نصیب نہوا...... اسے دنیا میں اور کہاں سکون نصیب ہو سکے گا......؟

لہٰذا میاں بیوی اگر یہ چاہتے ہوں کہ ان کا رشتہ قائم ودائم رہے، ان کا گھر آباد رہے اور جنت کا نمونہ بنا رہے......اس گھر میں پرورش پانے والے ان کے معصوم بچے مستقبل میں

کامیاب انسان ثابت ہوں ،اوردربدرہونے سے محفوظ رہیں ...... توانہیں اپنے اس ازدواجی رشتے کی بنیاد ایمان پراورخوفِ خداپررکھنا ہوگی، باہمی اتفاق واتحاداورصبروتحمل کواپناشیوہ وشعار بنانا ہوگا، جھوٹی انااور مصنوعی شان سے دامن بچانا ہوگا، بلاوجہ ہٹ دھرمی اورضدبازی سے مکمل گریز کرنا ہوگا، زندگی کے ہرمعاملے میں عموماً اورباہمی رویہ وسلوک میں خصوصاً ہمہ وقت اپنے خالق ومالک کے سامنے اپنے ہرقول وفعل کی جوابدہی کا جذبہ بیدار رکھنا ہوگا، اور یہ احساس ہمیشہ تازہ رکھنا ہوگا کہ ان کا یہ مقدس رشتہ تواللہ کا نام لے کراوراُس کا کلام پڑھ کرقائم کیا گیاہے،لہٰذا یہ رشتہ تواللہ کی طرف سے مقدس امانت ہے،اورایک روزاللہ کے سامنے حاضرہوکراس کی اس امانت کے بارے میں حساب وکتاب پیش کرناہے۔

تقریباً یہی مفہوم تواس قرآنی آیت کا بھی ہے جوعموماً خطبۂ نکاح میں پڑھی جاتی ہے، ارشادِربانی ہے:﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيراً وَّ نِسَاءً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالأَرحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُم رَقِيۡباً﴾ (۱) ترجمہ:(اے لوگو! ڈرواپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیاایک جان سے،اوراسی سے اس کی بیوی کو پیداکرکے ان دونوں سے بہت سے مرداورعورتیں پھیلادیں،اس اللہ سے ڈروجس کے نام پرتم ایک دوسرے سے مانگتے ہواوررشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تم پرنگہبان ہے)۔

اس تمہید کے بعدمزیدیہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اس رشتے کوپائیدارومستحکم بنانے اوراسے

(۱)النساء[۱]

قائم ودائم رکھنے کیلئے شوہراور بیوی میں سے ہرایک کواس بارے میں اسلامی آداب واخلاق' نیز ان حقوق وفرائض کا علم ہونا چاہئے جواس سلسلے میں اسلامی شریعت میں مقرر کئے گئے ہیں،ان اسلامی آداب واخلاق سے آگاہی اوران کی پابندی' نیز ان حقوق وفرائض کی مکمل اورمخلصانہ طور پرادائیگی میں ہی شوہراور بیوی کی صلاح وفلاح اوران کے اس مقدس رشتے کی پائیداری واستحکام کاراز پوشیدہ ہے۔

اس سلسلے میں مختصرتذکرہ درجِ ذیل ہے:

شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق:

اسلامی تعلیمات کی روسے شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق دوقسم کے ہیں:

(۱)مادی(یا:مالی)حقوق (۲)معنوی حقوق۔

(۱)مادی حقوق:

☆ مہر: اس مقدس رشتے کی ابتداء میں ہی عورت کی عزت وتکریم کے طور پرشوہر کیلئے ''مہر'' کی ادائیگی ضروری ہے،تاکہ اس طرح بیوی کی دلجوئی ہوسکے اوراسے شوہر کے دل میں اپنی قدرومنزلت کاخوشگواراحساس ہو۔

نیزعورت کی مزیدعزت افزائی کی غرض سے اس مہرکوخالصۃً عورت کاذاتی حق اوراس کی ملکیت قراردیاگیا،لہٰذااس پرصرف عورت ہی کاحق ہوگااوریہ صرف اسی کے قبضہ ٔتصرف میں رہے گا،اس کے والدین' اس کے شوہر'یااورکسی کواس میں ذرہ برابرتصرف کی قطعاً اجازت نہیں۔

شوہرکیلئے شرعاًاس مہرکی ادائیگی لازمی ہے،اس معاملے میں کسی قسم کی ٹال مٹول یاحیلے بہانے بنانے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔

البتہ اگر بیوی مکمل مہر یا اس کے کچھ حصہ کی ادائیگی میں برضا ورغبت کچھ مہلت دینے پر آمادہ ہو جائے تو ایسے میں مہر کی اس طے شدہ مقدار کو ''مؤجل'' کر دینے کا شرعاً جواز ہے۔

اسی طرح اگر بیوی کسی دباؤ یا جبر کے بغیر خالصۃً اپنی خوشی ورضامندی کے ساتھ حقِ مہر یا اس کے کچھ حصہ سے دستبردار ہو جائے تو شوہر کیلئے اس سے استفادہ درست ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِن طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيٓئاً مَّرِيٓئاً﴾ (۱) ترجمہ:(عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو)

☆ <u>بنیادی ضروریات کی فراہمی:</u>

شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کیلئے اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق بنیادی ضروریات کی فراہمی کا انتظام کرے ،مثلاً: نفقہ اور سُکنیٰ (یعنی قیام وطعام) نیز لباس اور علاج وغیرہ۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِكُمْ﴾ (۲) ترجمہ:(تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان [بیویوں] کو بھی رکھو)

نیز ارشاد ہے: ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهٖ ، وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ﴾ (۳) ترجمہ:(کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہئے ،اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہئے کہ جو کچھ اسے اللہ نے دے رکھا ہے اسی میں سے [حسبِ حیثیت] خرچ کرے)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(وَلَهُنّ عَلَيكُم رِزقُهُنَّ وَكِسوَتُهُنَّ بِالمَعرُوفِ)(۴)

(۱) النساء[۴] (۲) الطلاق[٦] (۳) الطلاق[۷] (۴) مسلم[۱۲۱۸]

ترجمہ: (اور تمہارے ذمے ہے اُن کا کھانا اور لباس، بہتر طریقے سے) (۱)

(۲) معنوی حقوق:

☆ حسنِ معاشرت: معنوی حقوق میں اہم ترین چیز "حسنِ معاشرت" ہے۔ یعنی بیوی کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک اور شریفانہ برتاؤ رکھا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالمَعرُوفِ﴾ (۲) ترجمہ: (تم ان [بیویوں] کے ساتھ گذران کرو اچھے طریقے سے) (۳)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (خَیرُکُم خَیرُکُم لِأَھلِہٖ) (۴) ترجمہ: (تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک اچھا ہو)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً) (۵) ترجمہ: (عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں تم میری وصیت قبول کرو)

اسی طرح ارشاد ہے: (فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِي النِّسَاءِ فَاِنَّکُم أَخَذتُمُوھُنَّ بِأَمَانِ اللّٰہِ وَاستَحلَلتُم فُرُوجَھُنَّ بِکَلِمَةِ اللّٰہِ) (۶) ترجمہ: (عورتوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں تم اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ تم نے انہیں حاصل کیا ہے اللہ کی امانت کے طور پر، اور تم نے انہیں اپنے لئے جائز وحلال بنایا ہے اللہ کے نام پر)۔

(۱) یعنی شوہر کسی ٹال مٹول اور حیلے بہانے کے بغیر عمدہ اور شریفانہ طریقے سے بیوی کو کھانا اور لباس مہیا کرے۔

(۲) النساء [۱۹]

(۳) غورطلب بات ہے کہ وہ معاشرہ جہاں عورت کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں تھی، اور جہاں بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا وہاں قرآن کریم میں عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ تاکیدی حکم دیا گیا۔

(۴) ترمذی [۳۸۹۵] (۵) بخاری [۵۱۸۵] کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء (کتاب: ۶۷، باب: ۸۰)

(۶) مسلم [۱۲۱۸] باب حجۃ النبی ﷺ۔

شوہراور بیوی کے اس مقدس رشتے کوتلخیوں اوررنجشوں سے پاک اور مستحکم و پائیدار بنانے کی غرض سے قرآن وحدیث میں ایک زریں اصول یہ بتایا گیاہے کہ بیوی کی محض خامیوں پرہی نظر نہ رکھی جائے بلکہ اس کی خوبیوں کوبھی دیکھا جائے،ان خوبیوں پراس کی قدردانی کی جائے ، کیونکہ یہ بات توممکن ہی نہیں ہے کہ کسی انسان میں صرف خامیاں یاصرف خوبیاں ہوں، ہرانسان میں خامیاں اورخوبیاں دونوں ہی چیزیں موجودہوا کرتی ہیں، یہی قانونِ قدرت ہے،لہٰذاہمیشہ بیوی کے عیوب ونقائص اوراس کی خامیوں پرہی نظر رکھنے اوراسے لعن طعن کرنے کی بجائے اس کےمحاسن کوبھی تلاش کیاجائے،اس کی خوبیوں پراس کی تعریف کی جائے اورخوشی کااظہارکیاجائے،تاکہ اس نازک رشتے میں کدورت ورنجش کی بجائے خوشگواری وآسودگی پیداہوسکے۔

ارشادِربانی ہے:﴿فَاِنْ کَرِھْتُمُوھُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَکْرَھُوا شَیْئاً وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْراً کَثِیْراً﴾ (۱) ترجمہ:(اگرتم انہیں ناپسند کرتے ہوتوعین ممکن ہے کہ تم کسی چیزکوناپسندکرو، جبکہ اللہ نے اس میں تمہارے لئے بہت ہی بھلائی رکھی ہو)

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(لَایَفْرَکْ مُؤمِنٌ مُؤمِنَةً ، اِن کَرِہَ مِنھَا خُلُقاً رَضِيَ مِنھَا آخَرَ) (۲) ترجمہ:(کوئی مؤمن[شوہر]اپنی مؤمنہ[بیوی]کوناپسندنہ کرے،کیونکہ اگراس کی کوئی ایک عادت اسے ناپسند ہوتویقیناًاس میں کوئی ایسی عادت بھی موجودہوگی جواسے پسندہو)

لہٰذاشوہراپنی بیوی کومحض وقتی تفریح کاذریعہ تصورنہ کرے،نہ ہی اسے محض سامانِ زینت سمجھے کہ جس کی کسی معمولی خامی یاکمزوری کی وجہ سے گویااس کے گھرکی زینت وآرائش میں

(۱)النساء[۱۹] (۲)مسلم[۱۴۶۹]کتاب الرضاع۔

کوئی نقص پیدا ہوجائے گا، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ بیوی کو بھی خود اپنی طرح انسان ہی تصور کرے، اوراس اٹل حقیقت کوخوب ذہن نشیں رکھے کہ اس دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو ہر عیب سے خالی ہو۔

بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق:

☆ اطاعت وفرمانبرداری:

بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق کے ضمن میں سب سے اہم ترین چیز شوہر کی اطاعت گذاری' فرمانبرداری اوروفا شعاری ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَىٰ النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُم عَلىٰ بَعْضٍ وَّ بِمَا أَنْفَقُوا مِن أَمْوَالِهِمْ ، فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (۱)

ترجمہ: (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اوراس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، پس نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والیاں ہیں، خاوند کی غیر موجودگی میں بحفاظتِ الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں)

اس آیت سے صراحۃً مرد کی ''قوامیت'' یعنی اپنے گھر میں اس کی ''حکمرانی'' ثابت ہوتی ہے۔

لیکن اس ''قوامیت'' سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ مرد اپنے گھر میں مطلق العنان حکمران اور ہر سیاہ وسفید کا مالک بنا رہے، اور یہ کہ بس ہروقت ڈنڈا اٹھائے ہوئے دندناتا ہی پھرا کرے......!

بلکہ اس قوامیت سے مراد یہ ہے کہ گھر کے انتظامی امور میں اس کی رائے کو اوراسی کی مرضی

(۱) النساء [۳۴]

کوفوقیت حاصل ہوگی ،ساتھ ہی اس فوقیت کی دووجوہات بھی بیان کردی گئیں ،پہلی وجہ تو یہ ہے کہ: ''بما فضل اللہ بعضہم علیٰ بعض'' یعنی اللہ نے ہی مردوعورت میں سے بعض کوبعض پرفضیلت عطاءفرمادی ہے،اوراسی فضیلت میں ہی یقیناً یہ بات بھی شامل ہے کہ مردوعورت دونوں کی جسمانی ساخت اورذہنی کیفیات کومدِنظر رکھتے ہوئے انتظامی امور چلانے کیلئے مطلوبہ ہمت وطاقت قدرتی اورفطری طورپرمردکوہی عطاءکی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی: ''وبما أنفقوا من أموالہم'' یعنی: ''مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں''۔

درحقیقت انسانوں کے خالق ومالک کواپنے پیداکردہ انسان کی فطرت وطبیعت اوراس کی پیدائشی وقدرتی صلاحیتوں کے بارے میں خوب علم ہے ،اوروہ خودانسان سے بھی بڑھ کراس بات سے واقف ہے کہ انسانوں میں سے کس کیلئے کیا چیز بہتر ہے اورکون کس ذمہ داری کوبحسن وخوبی نبھاسکتا ہے؟

چنانچہ اپنے اسی علمِ کامل کی بناء پرہی اس علیم وخبیر کافیصلہ یہ ہے کہ مردگھر سے باہرمحنت ومشقت' بھاگ دوڑ' جدوجہداورکسبِ معاش کی ذمہ داری اٹھائے ،اورعورت امورِخانہ داری اوربچوں کی تربیت ونگہداشت کافریضہ انجام دے۔

☆......گھر سے باہرمحنت ومشقت کرکے گھر والوں کیلئے پیسہ کماکرلانااورروزی روٹی کا انتظام کرناجب مردکی ذمہ داری قرارپائی ہےتوپھرانصاف کا تقاضایہی ہے کہ گھرمیں اسی کی مرضی اوراسی کی رائے کوفوقیت بھی حاصل ہو، کیونکہ یہ توبڑی ہی ناانصافی ہوگی کہ مرددن بھرخون پسینہ بہاکرجن بیوی بچوں کی خاطرروپیہ پیسہ کماتاہے' گھر واپس لوٹنے پراپنے انہی بیوی بچوں کے سامنے ہی اس کی مرضی اوررائے کی کوئی اہمیت ووقعت نہو،اوروہاں

مرضی ان لوگوں کی چلتی ہو جن کا پیٹ بھرنے کیلئے وہ شب وروز خود کو ہلکان اور نڈھال کئے رکھتا ہے......!

☆......اور پھر اس گھر کی تیاری اور اس میں موجود سامان اور مال واسباب کی خریداری کیلئے تمام اخراجات کا انتظام بھی تو شوہر ہی کرتا ہے، لہٰذا اپنے اسی گھر میں ہی اگر شوہر کی بجائے کسی اور کی مرضی چلنے لگے تو یہ سراسر ناانصافی ہوگی۔

☆......اس کے علاوہ یہ کہ شوہر اور بیوی کا یہ رشتہ قائم کرتے وقت ''مہر'' شوہر نے ادا کیا، دیگر تمام مالی اخراجات بھی اسی کے ذمے رہے، لہٰذا اب انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اسی کی مرضی اور رائے مقدم رہے۔

اس کے بعد مذکورہ آیت: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَىٰ النِّسَاءِ......﴾ میں نیک عورتوں کی صفات کے بیان میں یہ بات ذکر کی گئی کہ وہ ''فرمانبرداری کرنے والیاں ہیں'' یعنی اللہ کی بھی فرمانبرداری، اور اپنے شوہر کی بھی فرمانبرداری۔ نیز یہ کہ وہ ''شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والیاں ہیں'' یعنی عفت وعصمت کی حفاظت' شوہر کی عزت کی حفاظت' اس کے گھر کی حفاظت' اس کے مال واسباب کی حفاظت' اور اس کے بچوں کی حفاظت۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (إِذَا صَلَّتِ الـمَرأَةُ خَمْسَهَا وَ صَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَت فَرْجَهَا وَ أَطَاعَت زوجَهَا قِيلَ لَها ادخُلِي الجَنَّةَ مِن أَيِّ أَبوَابِ الـجَنَّةِ شِئتِ) (۱) ترجمہ: (عورت اگر پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھے، اور اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرتی رہے' تو اسے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ: ''جنت کے جس دروازے سے چاہو تم جنت میں

(۱) احمد [۱۶۶۱] وابن حبان۔

داخل ہوجاؤ‘‘)۔

نیز ارشاد ہے:(أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزوجُهَا رَاضٍ عَنها دَخَلَتِ الجَنَّةَ) (۱)
ترجمہ:(جس عورت کی موت اس حالت میں واقع ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو‘ وہ جنت میں داخل ہوجائے گی)

نیز ارشادِنبویؐ ہے:(لَو كُنتُ آمِراً أَحَداً أَن يَسجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرتُ المَرأَةَ أَن تَسجُدَ لِزوجِهَا) (۲) ترجمہ:(اگر[اللہ کے سوا] کسی کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کوحکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کوسجدہ کرے)

شریف‘ نیک‘ پارسا وپرہیز گاراوراطاعت گذاروفرمانبردارعورت کی اعلیٰ قدرومنزلت اور بلندرتبہ ومقام کے بارے میں خاتم الانبیاء والمرسلین‘ سیدالاولین والآخرین علیہ افضل الصلاۃ واتم التسلیم کی یہ معروف حدیث ملاحظہ ہوجس میں آپ ﷺ نے نیک وصالحہ عورت کودنیا کی سب سے بہترین نعمت اورقیمتی ترین سرمایہ قراردیاہے،ارشادنبویؐ ہے:
(خَيرُ مَتَاعِ الدُّنيَا : المَرأَةُ الصَّالِحَةُ) (۳) ترجمہ:(دنیا کی سب سے بہترین نعمت ’’نیک عورت‘‘ ہے)۔

❁❁❁

(۱)ترمذی[۱۱۶۱]

(۲)ترمذی[۱۱۵۹]باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ۔

(۳)مسلم[۱۴۶۷]باب’’خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ‘‘۔

قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک:

دینِ اسلام میں انسان کواپنے قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی، ان کی عزت وتکریم، خدمت وخبرگیری، دکھ سکھ میں شرکت، اور بوقتِ ضرورت ان کی ہرممکن مالی واخلاقی مددواعانت کی بہت زیادہ تاکیدوتلقین کی گئی ہے، اوراس چیزکودنیاوآخرت میں باعثِ خیروبرکت اورسعادت مندی کاذریعہ ووسیلہ قراردیاگیاہے۔

جبکہ اس کے برعکس قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی، قطع رحمی، اوران کی حق تلفی کوانسان کیلئے موجبِ لعنت ونحوست، عمرمیں کمی اوررزق میں تنگی وبے برکتی کاسبب بتایاگیاہے۔

قرآن کریم میں اسی چیزکی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اہلِ ایمان کوتنبیہ کی گئی ہے، ارشادِربانی ہے: ﴿وَّ اتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾ (۱) ترجمہ: (اس اللہ سے ڈروجس کے نام پرتم ایک دوسرے سے مانگتے ہواوررشتے ناطےتوڑنے سے بھی بچو، بےشک اللہ تم پرنگہبان ہے)

اسی طرح ارشادہے: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ﴾ (۲) ترجمہ: (قرابت دارکواس کاحق اداکرو)

نیزارشادہے: ﴿...... وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى......﴾ (۳) ترجمہ: (......اوریہ کہ مال کی محبت کے باوجودجوکوئی اپنے مال میں سے دیتارہاقرابت داروں کو......)

اسی طرح قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی صفات کے تذکرہ میں ان کی ایک یہ صفت بھی بیان

(۱) النساء[۱] (۲) الاسراء/بنی اسرائیل[۲۶] (۳) البقرۃ[۱۷۷]

کی گئی ہے:﴿وَالّذِيْنَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوصَلَ﴾ (۱) ترجمہ:(اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انہیں جوڑتے ہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰىٓ أَبْصَارَهُمْ﴾ (۲) ترجمہ:(اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو، یہی تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جنہیں بہرا بنا دیا ہے اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَن سَرَّهٗ أَن يُمَدَّ لَهٗ فِي عُمُرِهٖ وَيُزَادَ فِي رِزْقِهٖ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَه) (۳) ترجمہ:(جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کی عمر طویل ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو، اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک، اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے)

قرابت داروں میں سے مستحق ومحتاج افراد کی خبرگیری اور ان کی مدد واعانت پر دوہرے اجر وثواب کی خوشخبری دی گئی ہے، ایک ثواب صدقہ وخیرات کا، اور دوسرا ثواب صلہ رحمی کا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(الصَّدَقَةُ عَلَىٰ المِسْكِينِ صَدَقَة ، وَعَلىٰ ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَان : صَدَقَةٌ وَصِلَة) (۴) ترجمہ:(کسی مسکین کو صدقہ دینا تو محض صدقہ ہی ہے، جبکہ کسی رشتے دار کو صدقہ دینے میں دو نیکیاں ہیں، یعنی "صدقہ" اور "صلہ رحمی")۔

☆......جبکہ اس کے برعکس "قطع رحمی" یعنی قرابت داروں سے قطع تعلق، ان کے ساتھ

(۱) الرعد[۲۱] یعنی رشتوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں، بلکہ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں۔

(۲) محمد[۲۳] (۳) احمد[۱۳۴۲۵]

(۴) ترمذی[٦۵۸] باب ماجاء فی الصدقۃ علیٰ ذی القرابۃ۔

بدسلوکی، یاکسی بھی شکل میں انہیں صدمہ، نقصان، اوراذیت پہنچانے کواوران کی دل آزاری کوگناہِ کبیرہ قراردیا گیاہے، اوراس چیز کی نہایت سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے، اس گناہِ عظیم کی قباحت وشناعت کا، نیزاس معاملے کی انتہائی نزاکت کااندازہ اس بات سے بخوبی کیاجاسکتاہے کہ اس کے مرتکب شخص کیلئے آخرت میں گرفت اورعذاب کے ساتھ ساتھ مزید یہ کہ دنیامیں ہی فوری سزااورتباہی وبربادی کی خبردی گئی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (مَا مِن ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الـعُقُوبَةَ فِي الدُّنيَا مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنَ البَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ) (۱) ترجمہ: (کوئی گناہ ایسانہیں ہے کہ جس کے مرتکب شخص کواللہ کی طرف سے آخرت میں سزاکے ساتھ دنیامیں ہی فوری سزادی جاتی ہو، سوائے ظلم وزیادتی کے، اورقطع رحمی کے)

یعنی ظلم وزیادتی وناانصافی، اوراسی طرح قطع رحمی کامرتکب انسان آخرت میں عذاب اور سزابھگتنے سے قبل دنیامیں بھی اللہ کی طرف سے سزابھگتے گا، کامیابیوں کے تمامتراسباب ووسائل کی فراہمی وفراوانی کے باوجودناکامی، زوال وانحطاط، اورتباہی وبربادی اس کامقدر بنے گی، یہی قانونِ قدرت ہے، جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کودنیاوآخرت کی بربادی سے محفوظ ومأمون رکھیں۔

❁❁❁

(۱) ترمذی[۲۵۱۱] باب: ۵۷ من أبواب صفة القيامة والرقائق والورع۔
نیز: بخاری فی الأدب المفرد[٦۷] باب عقوبة قاطع الرحم فی الدنیا۔ (باب نمبر: ۳۳)

پڑوسی کا احترام:

دینِ اسلام کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں ہرانسان کیلئے سب ہی کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ رکھنا' ہرایک کے ساتھ خوش اخلاقی وخندہ پیشانی سے پیش آنا اور کسی بھی قسم کی بدسلوکی' اذیت رسانی اور نقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے۔

البتہ چونکہ کسی بھی انسان کی خوش اخلاقی یا بداخلاقی سے دیگر عام انسانوں کی بنسبت اس کے پڑوسی براہِ راست متأثر ہوتے ہیں' اس لئے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور خوش اخلاقی کی خاص تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَّبِذِي الْقُرْبىٰ وَالْيَتَامىٰ وَ الْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوراً﴾ (۱) ترجمہ: (اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو، اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور مسافر سے اور ان سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا)

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ پڑوسیوں کے تین درجات ومراتب ہیں: سب سے پہلا درجہ ہے: وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبىٰ یعنی وہ پڑوسی جس کے ساتھ رشتہ

(۱) النساء [۳۶]

داری کا تعلق بھی ہو، اس پڑوسی کے ساتھ دوہرا تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا مقام ورتبہ اوراس کا حق بھی زیادہ ہے' لہٰذا اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت بھی زیادہ ہے۔

دوسرا درجہ ہے: وَالْجَارِ الْجُنُبِ یعنی محض برابر میں رہنے والا' یا ہمسایہ' یعنی وہ شخص جوصرف پڑوسی ہے اوراس کے ساتھ رشتہ داری کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک ضروری ہے، اگرچہ وہ غیر مسلم ہو۔

تیسرا درجہ ہے: وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ یعنی وہ شخص جو مختصر مدت کیلئے اور محض تھوڑی سی دیر کیلئے قرب وجوار میں موجود ہو، مثلاً ہم جماعت افراد' ہم پیشہ لوگ' دفتر کے ساتھی' یا کسی مسافر خانے میں' ہوائی جہاز میں' ریل میں یا بس میں آس پاس موجود لوگ' یا کسی جگہ قطار میں لگے ہوئے کچھ لوگ جو ساتھ ساتھ کھڑے ہوں، اگرچہ باہم ایک دوسرے کیلئے وہ سب اجنبی ہوں' نہ کسی کا نام معلوم ہو، نہ یہ علم ہو کہ ان میں سے کس کا کیا مذہب ہے؟ کس ملک یا کس علاقے سے تعلق ہے......؟ مگر مذکورہ بالا آیت کی رو سے وہ سب بھی باہم ایک دوسرے کیلئے ''پڑوسی'' ہیں اوران کیلئے آپس میں حسنِ سلوک اور عزت واحترام کا رویہ رکھنا نیز باہم بدسلوکی وایذاءرسانی سے باز رہنا ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَاليَومِ الآخِرِ فَلَا يُؤذِ جَارَهُ (۱) ترجمہ: (جو کوئی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے)

نیز ارشاد ہے: (وَاللّٰهِ لَا يُؤمِنُ ، وَاللّٰهِ لَا يُؤمِنُ ، وَاللّٰهِ لَا يُؤمِنُ ، قِيلَ : مَن يا رَسُولَ اللّٰه؟ قَالَ : اَلَّذِي لَا يَأمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ) (۲) ترجمہ: (اللہ کی قسم وہ

(۱) بخاری[۵۶۷۲] کتاب الادب۔ نیز: مسلم[۴۷] کتاب الایمان۔ (۲) مسلم[۴۶]

شخص مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور ایذاء رسانیوں سے محفوظ نہوں'')۔

اسی طرح ایک بار رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نفل نماز روزہ اور صدقہ وخیرات وغیرہ کا اہتمام والتزام کرتی ہے، مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کی تلخ کلامی اور زبان درازی کی وجہ سے بہت بیزار رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ سُن کر فرمایا: هِيَ فِي النَّار یعنی: ''اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے''۔

اس کے بعد کسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ نفل عبادات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کے حسنِ سلوک کی وجہ سے آسودہ ومطمئن ہیں، آپ ؐ نے فرمایا: هِيَ فِي الجَنّة یعنی: ''یہ عورت جنت میں جائے گی''۔(۱)

اسی طرح ارشاد ہے: (مَا آمَنَ بِيْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ) (۲) ترجمہ: (اس شخص نے مجھ پر ایمان قبول نہیں کیا جو رات کو پیٹ بھر کر سو جائے، حالانکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اسے اس بات کا علم بھی ہو)۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ،

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ،

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(۱) احمد [۹۶۷۳]

(۲) مجمع الزوائد جلد: ا صفحہ: ۱۶۷ بحوالہ: الطبرانی والبزار۔ نیز: بخاری فی الأدب المفرد [۱۱۲] بعض روایات میں ''ما آمن بی'' کی بجائے ''لیس منا'' اور ''الیٰ جنبہ'' کی بجائے ''الیٰ جانبہ'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اسلامی عقائد
تالیف:
خلیق احمد مفتی
القلم